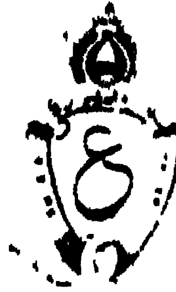
UNIVERSAL
LIBRARY

قیمت	روپیہ	آنہ
سکۂ عثمانیہ	تین	[illegible]
سکۂ انگریزی	[illegible]	[illegible]



سلسلۂ نصاب تعلیم جامعہ عثمانیہ

مقدمۂ معاشیات

(ڈبلیو-ایچ-مورلینڈ صاحب کی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس کا اردو ترجمہ)

مترجمہ

مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم اے ال ال بی (علیگ)

پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۴۲ھ م سنہ ۱۳۳۳ف م سنہ ۱۹۲۳ء

طبع ثانی

دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید منجانب مترجم

مولینڈ صاحب نے اس کتاب میں اکنامکس کے چند سادہ اصول اور ابتدائی مسائل بیان کیے ہیں۔ انگریزی تصانیف میں جو مثالیں ملتی ہیں وہ بالعموم یورپ اور امریکہ کے حالات سے متعلق ہوتی ہیں۔ ہندوستانی طلبا جب خود مثالوں کی حقیقت سے اچھی طرح پر واقف نہ ہوں تو پھر ان کو مضمون سمجھنے میں ایسی مثالوں سے کیا مدد مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلبا اصول اور مسائل تو یاد کر لیتے ہیں مگر ان کے عملدرآمد سے ہمیشہ بے خبر رہتے ہیں۔ مولینڈ صاحب کی کتاب میں خاص خوبی یہی ہے کہ جس قدر مثالیں بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب خاص ہندوستان کے حالات سے لی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے ایک تو مبتدی کو مضمون سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ دوسرے اس کو اپنے ملک کے حالات پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور تیسرے اس کو اصول مسائل کی واقعات وحالات سے تصدیق وتطبیق کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ طبیعت میں یہ رجحان پیدا ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ علمی تحقیقات اور ملک کی مالی حالت کی تنقیح میں یہی عادت قوت محرکہ کا کام دیتی ہے۔ ہندوستان کو کیا کیا ذرائع معاش حاصل ہیں مگر ساتھ ہی ایسی ابتری پھیلی ہوئی ہے کہ

ذرائع سے مستفید ہونا تو درکنار لوگ ان کا خیال تک دل میں کم لاتے ہیں۔ یہ لاعلمی اور بے التفاتی رفع کرنا ملک کی ایک سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس علم کی ہمارے ملک کو جس قدر ضرورت ہے اگر اس کو بیان کیجئے تو بوجہ ناواقفیت سراسر مبالغہ معلوم ہوگا۔ قصہ مختصر یہ کہ ہندوستان کو اگر کبھی مرفہ الحالی کا فرمان ملا تو اسی اکنامکس کی بارگاہ سے ملیگا۔

گزشتہ صدی کی علمی تحقیقات کی بدولت پولیٹیکل اکانمی کے قدیم معنوں اور اکنامکس کے جدید مفہوم میں جو نمایاں فرق پیدا ہوچکا ہے۔ اس کی تفصیل اکثر مستند انگریزی تصانیف میں موجود ہے۔ غور کرنے سے واضح ہوگا کہ بلحاظ معنی و مفہوم اس علم کے سابق نام یعنی اقتصادیات اور جدید اصطلاح معاشیات میں تقریباً ایسا ہی تعلق ہے۔ اقتصادیات میں وہی میانہ روی، اعتدال، ضبط اور خوش نظمی کی ہلکی ہلکی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ گویا پولیٹکل اکانمی کے قدیم معنوں کا عمدہ ترجمہ ہے۔ لیکن جب خود علم کا مفہوم بہت کچھ بدل جائے تو پھر قدیم ترجمہ کیونکر کام دے سکتا ہے۔ اکنامکس کا جدید مفہوم خود اس مختصر سی کتاب سے ظاہر ہے۔ اب خاص طور پر صرف یہ تحقیق کرنا مقصود نہیں کہ کاروبار زندگی میں کن قواعد کی پابندی عام مرفہ الحالی کے واسطے مفید ہے۔ اور ملک کے دولتمند بننے کی کیا کیا تدابیر ہیں۔ یہ کام تو اکنامکس کے ایک چھوٹے سے شعبہ فنانس یعنی فن مالیات کے سپرد ہے۔ خود علم کا بحث اس سے کہیں وسیع اور بالا ہے۔ یعنی انسانی معاشرت اور تمدن کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا کہ لوگ اپنی زندگی کیونکر بسر کرتے ہیں اُن کو کیا کیا ذرائع معاش حاصل ہیں اور وہ اُن سے کیونکر کام لیتے ہیں۔ ضروریات زندگی کیا ہیں اور کس طرح میسر ہوتی ہیں۔ ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں۔ غرضیکہ انسان اپنی روزی کمانے اور دیگر بیشمار ضروریات زندگی حاصل کرنے اور برتنے میں

جو کوشش اور تدابیر کرتا ہے۔ اور جو جو نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اول ان کا مطالعہ کرنا۔ بعدہٗ ان کو چند جامع اصول کے تحت میں لانا۔ اور بالآخر ان سے مسائل مرتب کرنا تاکہ معلومات میں علمی کیفیت پیدا ہو جائے۔ یہ سب کام اکنامکس نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ جدید مفہوم کے لحاظ سے اس علم کا اردو نام علم المعیشت منتخب ہو چکا ہے۔ اور اس کی موزونی کے متعلق اکنامکس کی ایک اردو کتاب علم المعیشت میں مفصل بحث موجود ہے۔ مزید غور و مشورے کے بعد اکنامکس کا مختصر نام معاشیات تجویز ہوا۔ اور بنظر سہولت اس کتاب میں یہی لفظ استعمال کیا گیا۔

واضح ہو کہ ساتویں فصل میں مورلینڈ صاحب نے قانون تقلیل حاصل کی تشریح کرتے وقت اس کو اقسام کاشت سے مخلوط کر دیا ہے حالانکہ یہ دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ قانون مذکور کا اصلی مفہوم اس مختصر اقتباس میں البتہ موجود ہے جو مارشل صاحب کی کتاب سے لیکر درج کیا گیا ہے۔ مذکورہ خلط بحث کے سلجھانے کی یہاں گنجائش نہیں۔ احتیاطاً اشارہ کر دیا۔ جن حضرات نے اس علم کا انگریزی میں مطالعہ کیا ہے۔ ان کو اس نکتے کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ اردو خواں ناظرین بھی چاہیں تو ہماری کتاب علم المعیشت میں قانون تقلیل حاصل و کاشت مختتم کا بیان پڑھکر اس انتباہ کی حقیقت دریافت کر سکتے ہیں اس ذرا سی فروگزاشت سے ایسی عمدہ کتاب پر کوئی حرف نہیں آسکتا یہ تو ایک ابتدائی کتاب ٹھیری واقعہ یہ ہے کہ جو مستند کتابیں نہایت تحقیق اور اہتمام سے تصنیف ہوتی ہیں ان کا بھی چھوٹی چھوٹی خامیوں سے تمام و کمال مبرا ہونا دشوار ہے۔ سچ پوچھئے تو مورلینڈ صاحب نے ایسی دلچسپ اور مفید کتاب لکھکر ہندوستانی طلبہ پر بڑا احسان کیا ہے اور سب کو ان کی کوشش کی دل سے قدر کرنی چاہیئے۔

آخر میں صرف اس قدر عرض کرنا مقصود ہے کہ ترجمے میں ہزار آزادی برتیئے اپنی عبارت کی سی روانی اور سلاست پیدا ہونی دشوار ہے۔ اصلی مفہوم

ادا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ حتی الوسع عبارت صاف اور سلیس ہو تاکہ عام اردو خواں حضرات بھی اس کتاب کا بے تکلف مطالعہ کریں اور فائدہ اٹھائیں ۔

محکمۂ تالیف و ترجمہ
عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن
جون ۱۹۱۸ء

الیاس برنی

فہرست مضامین

مقدمۂ معاشیات

باب اوّل

مقدمہ

فصل ایک

معاشیات کا مفہوم

فصل دو

دولت اور قدر کا مفہوم

فصل تین

پیدائش اور صرف دولت کا مفہوم

فصل چار

چند مفروضات

باب دوم

پیدائش دولت

فصل پانچ

عاملین پیدائش

فصل چھ

زمین

فصل سات

زرعی زمین

فصل آٹھ

محنت

فصل نو

مزدوروں کی نقل و حرکت

فصل دس
مزدوروں کی خوبی یا کارکردگی

فصل گیارہ
دماغی کام

فصل بارہ
اصل

فصل تیرہ
پیدائش کا انتظام۔ اپنی ضروریات خود بہم پہنچانے کا زمانہ

فصل چودہ
پیدائش کا انتظام۔ دستکاروں کا زمانہ

فصل پندرہ
پیدائش کا انتظام۔ کارخانوں کا زمانہ

فصل سولہ
اصل کا انتظام

فصل ستره

عاملین پیدائش کی تخصیصات

فصل اٹھاره

اختتام بحث پیدائش

باب سوم

صرف دولت

فصل اُنیس

احتیاجات

فصل بیس

احتیاجات اور چند مستثنیات

فصل اکیس

ضروریات و تعیشات

فصل بائیس

افراد کی طلب

فصل تیئیس
افراد کی طلب میں تبدیلیاں

فصل چوبیس
قوم کی طلب

باب چہارم
طلب و رسد

فصل پچیس
ابتدائی بیان

فصل چھبیس
بازار میں عارضی توازن

فصل ستائیس
توازن میں چند پیچیدگیاں

فصل اٹھائیس
دولت پیدا اور صرف کرنے والوں کا بازار سے تعلق

فصل انتیس

معمولی توازن

فصل تیس

مصارف پیدائش میں تبدیلیاں

فصل اکتیس

نتائج

باب پنجم

تقسیم دولت

فصل بتیس

ابتدائی بیان

فصل تینتیس

سود

فصل اکتالیس
اجرت

فصل بیالیس
اجرت

فصل تینتالیس
تخصیص یافتہ پیشوں کی اجرت

فصل چوالیس
معاوضۂ تنظیم

فصل پینتالیس
خلاصہ: قومی آمدنی

اصطلاحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

مقدمہ

فصل ایک

معاشیات کا مفہوم

الفاظ کا مفہوم جاننے کی ضرورت

طالب علم جب کوئی نیا نیا مضمون شروع کرتا ہے تو سب سے اوّل اس کو یہی فکر ہوتی ہے کہ اُس کے علم کا موضوع کیا ہے یعنی اُس میں کس چیز کا بیان ہے اور جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا کیا کیا مفہوم ہے۔ بعض علوم میں تو یہ سہل سی بات ہے جس قدر الفاظ مستعمل ہیں اُن کا مفہوم بالکل معین ہے۔ چنانچہ بالعموم طالب علم ایسے الفاظ کی تعریف پہلے ہی سے حفظ یاد کر لیتا ہے۔ مثلاً اقلیدس کو لو کہ اس میں اوّل اوّل طالب علم نقطہ۔ خط۔ دائرہ جیسے الفاظ کی تعریف یاد کرتا ہے۔ اور ایک مرتبہ یاد کرنے کے بعد اُس کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ تمام مباحث اقلیدس میں ان الفاظ کے معنی بلا کم و کاست وہی ہیں جو اُس کو یاد ہیں۔ نہ تو اُن کے معانی میں رد و بدل ممکن ہے اور نہ اُن کے مفہوم سمجھنے میں مغالطہ ہو سکتا ہے۔ لیکن کچھ علوم ایسے بھی ہیں اور انہیں میں سے ایک معاشیات ہے کہ جن میں یہ قاعدہ نہیں چل سکتا وجہ یہ ہے کہ خود مصنف ہی الفاظ کے معانی کے متعلق متفق الرائے نہیں۔ روزمرہ کی بات چیت میں تو وہ الفاظ سرسری طور پر استعمال ہوتے ہی ہیں اور ایک لفظ سے کئی کئی معنی مراد لیئے جاتے ہیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ جب کوئی مصنف اس مفہوم کو معین بھی کر دے جو اُس کو مقصود ہے تو پھر وہ خود ہی کبھی کبھی اس لفظ کو دوسرے معنوں میں بھی استعمال کر گذرتا ہے۔

باب اول
فصل (۱)

اور ایسی حالت میں غریب طالب علم مغالطے میں پڑ جائے تو کیا عجب ہے۔ پس ایسے علوم
کے مطالعے میں یہ بہت ضروری ہے کہ مصنف جس لفظ کا جو مفہوم قرار دے طالب علم اسکی
خوب چھان بین کرے۔ اور ہر وقت خبردار رہے کہ کہیں لفظ کے معنی تو نہیں بدل گئے لیکن
سب سے بہتر یہ ہوگا کہ جہاں مغالطے کا کچھ بھی اندیشہ ہو وہیں خود مصنف الفاظ کے معانی
کی مناسب تشریح کر دے ؛

علم معاشیات کی جامع تعریف

معاشیات

اب **معاشیات** کو لیجئے اس علم میں **دولت** کی **پیدایش** اُسکے **صرف**
اور اُس کی **تقسیم** کے **قوانین** سے بحث کی جاتی ہے بہ الفاظ دیگر اس سے یہ واضح ہوتا ہے
کہ افراد یا قومیں کیونکر دولت کماتی اور اس کو کس طرح کام میں لاتی ہیں۔ اس فقرے میں جو جو
الفاظ جلی خط میں تحریر ہیں وہ خاص طور پر تشریح طلب ہیں **معاشیات** کا انگریزی نام
اکنامکس ہے۔ اس نام کا ماخذ لفظ اکانمی ہے۔ جس کے آج کل انگریزی میں کئی معنی ہوتے
ہیں درحقیقت یہ لفظ یونانی زبان سے لیا گیا ہے۔ اُس کے اصلی معنی تو ہیں "گھر بار کا انتظام"
لیکن عام طور پر اس سے مصارف خانہ داری کی کمی مراد لی جاتی ہے مثلاً وہ اپنی آمدنی اکانمی
یعنی کفایت کے ساتھ خرچ کرتا ہے یا وہ اپنی عادات میں اکانمیکل ہے یعنی کفایت شعار ہے
لیکن اس لفظ کا علمی مفہوم اور ہی طرح پر قرار پایا ہے۔ اوّل اوّل تو اس سے بالتخصیص
خانہ داری کا عام انتظام مراد تھا۔ لیکن بعدہٗ وہ خاص طور پر انتظام سلطنت کے معنی میں استعمال
ہونے لگا۔ جن لوگوں نے اوّل اوّل اس علم کا مطالعہ شروع کیا انکو ایسے اصول تحقیق کرنے
کا بہت شوق تھا کہ جن پر کاربند ہو کر کوئی سلطنت اپنے ہاں دولت پیدا کر سکے۔ پس اس
وجہ سے اس علم کا نام پولیٹیکل اکانمی۔ پڑ گیا۔ یعنی وہ علم جو سلطنت کا انتظام سکھائے لیکن
چونکہ لفظ پولیٹکل بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا رفتہ رفتہ اس علم کا مختصر نام اکنامکس
رائج ہو گیا۔ واضح ہو کہ اکنامکس یعنی معاشیات کو کسی کے کفایت شعار ہونے نہ ہونے سے
کوئی بحث نہیں گو ہم کسی شخص کے کفایت شعار ہونے کی تعریف کریں لیکن خود علم اکنامکس
یا معاشیات کو مدح و ذم سے کچھ سروکار نہیں ؛

اب لفظ قانون غور طلب ہے۔ اس کے دو معنی خاص ہیں۔ اور ان میں بیّن فرق ہے
لیکن لوگ پھر بھی ان معنوں کو مخلوط کر دیتے ہیں۔ معاشیات کے طالب علم کو چاہیئے کہ
جہاں کہیں یہ لفظ آئے وہیں رُکے اور خوب غور کرے کہ لفظ قانون کس معنی میں استعمال

باب اول فصل (۱)

ہوا ہے عام بول چال میں قانون سے مراد کوئی ایسا حکم ہے جو عوام کو دیا جائے کہ وہ فلاں کام کریں یا نہ کریں۔ اور قوانین سے ایسے احکام کا مجموعہ متصور ہوتا ہے ہندوستان میں ایسے قوانین یا احکام سنسکرت یا عربی کی قدیم تصانیف پر مبنی ہیں۔ یا بہ شکل ایکٹ کسی نہ کسی قانونی کونسل نے اُن کو منظور کر دیا ہے۔ اہل ہنود بیشتر شاستروں پر کاربند ہیں۔ مسلمان قران شریف اور حدیث و فقہ کی پیروی کرتے ہیں اور ہندوستان کے سب لوگ قانون تعزیرات ہند اور دیگر ایکٹ منظور شدہ کونسل کے یکساں پابند ہیں ؎

لیکن ایسا کرو اور ایسا نہ کرو اس قسم کے احکام صادر کرنا علم کا کام نہیں۔ علم میں تو قانون سے مراد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ چند خاص حالتوں میں ایسا ایسا واقع ہونا اغلب ہے۔ مثلاً جبکہ ہم قوانین مادہ یا حرکت یا قوانین معاشیات یا سیاسیات کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مقصود وہ نتائج ہوتے ہیں جو ہم کو تجربے سے تحقیق ہوئے ہیں کہ فلاں فلاں حالتوں میں ایسا ایسا واقع ہونا اغلب ہے۔ سرسری طور پر ہر کوئی قانون کے اس مفہوم سے واقف ہے مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ پانی بلندی پر سے پستی کی طرف بہتا ہے اور مادی علوم تو اکثر ایسے ہی قوانین کا مجموعہ ہیں متواتر تجربے اور ان تجربوں سے نتائج اخذ ہونے کے بعد قوانین مرتب ہوئے حتیٰ کہ اس قسم کے بہت سے قوانین دریافت ہو گئے کہ مختلف حالتوں میں کیا کیا واقع ہوگا۔ مثلاً اب ہم کو نہ صرف اس قدر معلوم ہے کہ پانی بلندی سے پستی کی طرف بہتا ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہے۔ کہ کسی خاص ڈھال پر پانی کس تیزی سے بہتا ہے۔ اور اس کی روانی روکنے کے واسطے کتنا مضبوط بند درکار ہوگا اور اس قسم کے بہت سے قوانین دریافت ہو چکے ہیں جن کی مدد سے انجینئر لوگ بدررویں اور آبپاشی کے نالے بناتے ہیں اور دور دراز مخزن سے صاف پانی لا لا کر شہروں اور قصبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ خاص خاص حالتوں میں پانی کی روانی کی جو جو کیفیت ہوتی ہے۔ اس کے متعلق جس قدر قوانین ہیں انہیں کے مجموعے کا نام قوماشیات یعنی علم قوۃ الماء ہے۔ یہ قوانین لوگوں کو کسی قسم کا کام کرنے یا کرنے کی تاکید نہیں کرتے البتہ انجینئروں کو ان سے یہ پتہ ضرور لگ جاتا ہے کہ کام کیونکر تکمیل پا سکتا ہے۔ یوں کہنے کو تو انجینئر بھی ان قوانین کی ایسی ہی پابندی کرتے ہیں جیسے کہ کوئی تعزیرات ہند کی کرتا ہے۔ لیکن یہ قول بہ زبان استعارہ ہے۔ اصلی فرق پہچاننے میں دھوکا

باب اول فصل (۱)

نہ کھانا چاہئے بحالت اول صرف اتنا معلوم ہے کہ کیا واقع ہونا اغلب ہے۔ اور اسی کے مطابق تجاویز تیار کی جاتی ہیں۔ حالانکہ بہ حالت دوم بعض کاموں سے بچنا پڑتا ہے کیونکہ سرکار نے ان کی ممانعت کر دی ہے اور بہ حالت خلاف ورزی قانون سرکار سزا دے گی۔ علیٰ ہٰذا معاشیات بھی مثل مادّی علوم کے روزمرّہ کے تجربے پر مبنی ہے۔ اور اس تجربے کو وہ ایک مجموعۂ نتائج کی شکل میں پیش کرتا ہے جن سے پتا چلتا ہے کہ لوگوں کے طرز زندگی بدلنے سے دولت پر کیا کیا اثر پڑتا ہے اور انھیں نتائج کو قوانین کہتے ہیں۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قوانین کوئی احکام نہیں ہیں۔ نہ تو وہ لوگوں کو دولت کمانے کے طریق بتاتے ہیں اور نہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ حاصل شدہ دولت کس طرح کام میں لانی چاہئے ؛

طبیعین اور معاشیئین کی حالت میں ایک بڑا فرق ہے۔ اول الذکر طبقہ تو اعلیٰ پیمانے پر تجربے کر سکتا ہے یعنی وہ خاص خاص حالات پیدا کر کے یہ دیکھ سکتا ہے کہ کیا واقع ہوتا ہے حالانکہ معاشیئین کو شاذ و نادر ہی تجربہ کرنا نصیب ہوتا ہے۔ انکو بس اسی پر قناعت کرنی پڑتی ہے کہ غیر اختیاری حالات میں جو جو تبدیلیاں اور انکے نتائج پیدا ہوں اُن کا مشاہدہ کریں اور اپنے مشاہدات کے معانی پر غور و خوض کریں تاکہ کوئی قانون دستیاب ہو جائے۔ مثلاً جو طالب علم پانی کی روانی کی مطالعہ کرنا چاہے وہ حسب دلخواہ نالی بنا کر اُس میں پانی بہا سکتا ہے۔ اور اس طرح پر من مانی حالت پیدا کر کے پانی کی روانی کی تیزی ناپ سکتا ہے۔ لیکن معاشی تو پانی یا مٹی کا مطالعہ نہیں کرتا۔ اُس کو تو جیتے جاگتے انسانوں سے پالا پڑتا ہے۔ جو کہ دولت پیدا کرتے اور اس کو صرف میں لاتے ہیں وہ اپنے موافق مرضی ان کے کاروبار کے طریق یا طرز بود و باش تو نہیں بدل سکتا۔ البتہ یہ مشاہدہ کر سکتا ہے کہ حالات بدلنے سے کیا کیا نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں یہی بڑی وجہ ہے کہ علم معاشیات میں قوانین بہت ہی کم معیّن ہیں۔ اور مزید براں اُن میں بہت زیادہ مستثنیات داخل ہیں۔ حالانکہ جن علوم میں تجربے کرنے ممکن ہیں اُن کی حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ حالات میں ردّ و بدل ہو گیا ہو۔ لیکن معاشیات میں یہ اطمینان کرنا کہ ہم نے اس ردّ و بدل کو نظر انداز نہیں کر دیا نہایت دشوار ہے۔ پس اگر معاشیات کے اچھے اچھے مبصر

متعلم بھی کہیں دھوکا کھائیں تو عجب نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ بھی کسی نتیجے کو کسی ایسے سبب سے وابستہ قرار دیں کہ جس کو دراصل اس نتیجے سے کچھ بھی تعلق نہ ہو اور جو اصلی سبب ہو وہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ گذرے۔ اخباروں کے مضمون نگاروں کے ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اور بھی زیادہ اندیشہ رہتا ہے وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے اکثر تو اس علم کے کسی ایک شعبے کا بھی مطالعہ نہیں کرتے۔ اور جہاں کوئی بڑی تبدیلی نمایاں ہوئی مثلاً گرانی اشیا یا اضافہ برآمد۔ اور انھوں نے فوراً توجیہ شروع کردی۔ چنانچہ ان مباحث پر اخباروں میں بہت کچھ غلط سلط شائع ہوتا رہتا ہے۔ طالب علموں کو چاہئے کہ جو کچھ اخباروں میں پڑھیں اس کو بلا سوچے سمجھے تسلیم نہ کرلیں۔ بہتر ہوگا کہ اول وہ قوانین معاشیات کا اچھی طرح پر مطالعہ کرلیں تاکہ بطور خود بھی نتائج دریافت کرسکیں اور دوسروں کے بیان کردہ نتائج کی جانچ پرتال کا بھی موقع ملے۔

صاف ظاہر ہے کہ جن قوانین کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان کے سمجھنے کے واسطے طالب علم کو اُن کثیر التعداد واقعات سے بھی واقف ہونا چاہئے جن پر وہ مبنی ہیں۔ اس لحاظ سے اس کو طبیعیات جیسے علم کے پڑھنے والے کے مقابل کہیں زیادہ دقت درپیش ہے۔ طبیعیات کا طالب علم تو تجربہ خانے میں تجربہ کرکے اپنا اطمینان کرسکتا ہے کہ فلاں قوانین جو اُس کے زیر مطالعہ ہیں بالکل صحیح اور درست ہیں لیکن بیچارے معاشیات کے طالب علم کو بھلا تجربہ خانہ کہاں میسر ہے۔ اس کو اکثر ایسے واقعات سے سابقہ پڑتا ہے کہ جن کی بطور خود وہ صحت کر ہی نہیں سکتا اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ بہت سے واقعات کتابوں سے لے۔ چنانچہ اس کے مطالعے میں بیشتر یا تو معاشی تاریخ رہتی ہے۔ یا علم الاعداد۔ معاشی تاریخ بھی یہی بیان کرتی ہے کہ گذشتہ زمانے میں مختلف اقوام میں دولت کیونکر پیدا ہوتی تھی۔ کس طرح صرف میں آتی تھی اور لوگ اسے کیونکر آپس میں تقسیم کرتے تھے۔ علم الاعداد سے مراد یہ ہے کہ کسی معاملے کے متعلق بہت سے واقعات یکجا کئے جائیں کہ جو اعداد و شمار میں بیان ہوسکیں اور جن کو اس طرح پر ترتیب دیا جائے کہ جو تبدیلیاں واقع ہو رہی ہوں وہ پورے طور پر نمایاں ہو جاویں۔ لیکن معاشی تاریخ اور علم الاعداد کا مطالعہ اس ترکیب سے بہت سہل ہو جائے گا کہ جو قوانین اُن سے اخذ کئے گئے ہوں ان کو پہلے ہی سے پڑھ لیں۔ چنانچہ طلبا کے واسطے سب سے

باب اول
فصل (۱)

بہتر یہ ہے کہ اوّل قوانین سے واقف ہو کر جو موزوں واقعات اپنے علم میں ہوں اُن کو بطور مثال پیش کریں اور اس درجہ واقف ہونے کے بعد جب وہ تاریخ اور علم الاعداد کے سہارے سے ان قوانین کا پوری تفصیل سے مطالعہ کریں گے تو پھر لطف آئیگا ؛

لفظ علم بھی چونکہ معاشیات کے واسطے اوپر استعمال ہو چکا ہے ذرا تشریح طلب ہے اس لفظ کے لغوی معنے تو محض جاننے کے ہیں۔ لیکن اب اس سے ایک خاص قسم کا علم مراد لیا جاتا ہے یعنی کسی شئے معینہ کا علم جو بہ شکل قوانین پیش کیا جاوے رہے قوانین اُن کا مفہوم پہلے ہی بیان ہو چکا ہے ؛

چنانچہ صرف اس قدر جاننا کہ پانی پہاڑی پر سے نیچے کو بہتا ہے علم نہیں کہلا سکتا لیکن جبکہ رفتہ رفتہ مختلف حالتوں میں پانی کی روانی تحقیق ہو گئی اور کم و بیش معین قوانین کی شکل میں وہ بیان ہوئے تو بس قومائیات یعنی علم قوۃ الماء مرتب ہو گیا۔ اسیطرح پر ایک زمانہ وہ تھا جبکہ علم معاشیات کا کوئی وجود نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک نہ تو واقعات کا باقاعدہ مطالعہ کیا گیا تھا اور نہ نتائج اخذ ہوئے تھے اور اب بھی مطالعہ کسی طرح پر مکمل تو نہیں ہے البتہ اس میں اتنی ترقی ضرور ہو چکی ہے کہ اکثر اہم معاملات کے متعلق قوانین مرتب ہو گئے ہیں اس لئے اب اس کو علم کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ؛

فصل دو

دولت اور قدر کا مفہوم

دولت ہمارے علم یعنی معاشیات کا نفس مضمون یا موضوع ہے اور اب ہم اسی کے معنی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اور بہت سے الفاظ کی طرح جن کو ہمیں استعمال کرنا ہے یہ لفظ بھی معمولی زبان میں بہ کثرت رائج ہے اور جیسے کہ گذشتہ فصل میں تاکید ہو چکی ہے ہمکو احتیاط رکھنی چاہئے کہ جب ہم اس لفظ کو استعمال کریں تو اس طرح کہ اس کا مفہوم معین ہو جب معمولی بات چیت میں ہم کسی شخص کی دولت کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں وہی چیز آتی ہے جو اس کی ملک ہے مثلاً اس کی اراضی و مکانات اس کی گاڑیاں گھوڑے ہاتھی اور موٹر کاریں۔ سونا چاندی۔ اور جواہرات وہ روپیہ جو اُس نے سرکار یا دوسرے لوگوں کو قرض دے رکھا ہے۔ یا جو اُس نے ریلوں، کارخانوں، کوئلہ کی کانوں اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں میں لگا رکھا ہے جب ہم دو شخصوں کی دولت کا مقابلہ کرتے ہیں تو اسی قسم کی چیزوں کا لحاظ کرتے ہیں۔ صرف سہولتِ مقابلہ کی غرض سے ہم اُن چیزوں کی مجموعی قیمت لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کی دولت اتنے لاکھ روپیہ ہے اور فلاں کی دولت اتنے ہزار روپیہ کم یا زیادہ ہے؛

جن چیزوں کا ہم نے نام لیا ہے اور دوسری بہت سی چیزیں جن کو ہم دولت کہتے ہیں یوں تو ایک دوسرے سے بہت مختلف نظر آتی ہیں لیکن جب بول چال میں ہم ان سب کو دولت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان سب میں کوئی خاص صفت مشترک ہے اور ہمکو یہ صفت مشترکہ دریافت کرلینی ضرور ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دولت سے ہماری مراد کیا ہے؛

بھلا سوچو تو کہ زمین ہاتھی جواہرات سرکاری رقعات اور دیگر اشیاء میں جن کو ہم دولت کہتے ہیں کون سی صفت مشترک ہے اگر ہے تو بس یہی کہ ہم سب ان کے

باب اول مالک بننے کے خواہشمند ہیں۔ ہر کوئی اُن پر قابض ہونے کے واسطے بیچین نظر آتا ہے۔
فصل (۲) یہ تو سچ ہے کہ بہت سے ملکوں میں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو ان چیزوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ان کے مالک بننے کے متمنی ہیں اور بمقابلہ یورپ کے ہندوستان میں ایسے لوگوں کی بہت کثرت ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں لوگ رہبانیت کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ سچے فقیر یا جوگی کی سب سے بڑی پہچان یہی مانی جاتی ہے کہ وہ اس قسم کی چیزوں کا مالک بننا گوارا نہ کرے جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں بھی سچے فقیروں کی تعداد بہ لحاظ آبادی بہت کم ہے۔ اور ان کو چھوڑ کر باقی لوگوں کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ بالعموم اُسی قسم کی چیزوں کے خواہاں ہوتے ہیں جن کا ہم ذکر کر آئے ہیں ؛

واضح رہے کہ دولت کا نام لیتے وقت جو چیزیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں وہ سب وہی ہیں جو ہمارے کارآمد ہوتی ہیں یعنی لوگ ان کے خواہاں اور طلبگار ہوتے ہیں۔ لیکن گو وہ تمام چیزیں جو دولت کہلاتی ہیں مطلوب سہی مگر ہر مطلوب شئے کا دولت ہونا ضرور نہیں۔ گھر کنبے کی محبت اور دوستی کس قدر مطلوب ہے لیکن ہم اُن کو کسی کی دولت کا جزو شمار نہیں کرتے اُن کو دولت شمار نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بہ معیار زر ہم اُن کی قدر و قیمت کا کوئی تخمینہ نہیں کر سکتے حالانکہ اکثر دولت بہ حوالۂ زر شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح پر عمدہ صحت کھیلوں کی مہارت ایسی چیزیں ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لیکن مروجہ مفہوم کی رو سے وہ دولت شمار نہیں ہو سکتیں بس اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ دولت میں کیا کیا مطلوبہ چیزیں داخل ہیں اور کیا نہیں تاکہ دولت کا مروجہ مفہوم معین ہو جائے ؛

مطلوبہ اشیا کئی قسم کی ہوتی ہیں ایک بین فرق تو یہی ہے کہ بعض چیزیں مادی ہیں اور بعض غیر مادی۔ یعنی بعض کو تو ہم دیکھ سکتے یا چھو سکتے ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ وہ ہمارے حواس باصرہ لامسہ کے قابو سے باہر ہیں۔ یعنی ہم ان کو نہ دیکھ سکیں اور نہ ہاتھ لگا سکیں۔ اس فصل کے شروع میں ہم نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے وہ سب کی سب مادی ہیں اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اکثر مادی چیزیں جو مطلوب ہوتی ہیں مروجہ مفہوم کے مطابق دولت ہیں۔ غیر مادی چیزیں جو مطلوب ہوتی ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں؛

باب اول
فصل (۲)

۔ایک جس کو داخلی کہہ سکتے ہیں وہ ہے کہ جس میں عمدہ صحت کاروباری قابلیت یا کسی کام کی مہارت وغیرہ شامل ہیں ایسی صفات مادی دولت حاصل کرنے میں بیشک بہت کام آتی ہیں۔ لیکن روزمرّہ کی گفتگو میں ہم اُن کو دولت نہیں کہہ سکتے گو وہ دولت کی سرچشمہ ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر مادّی چیزوں کی دوسری قسم خارجی کہلا سکتی ہے۔ اس میں کسی شخص کی مہارت یا قابلیت یا دوسری ذاتی صفات شمار نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ تعلقات ہیں جو دوسرے لوگوں کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں ایسے تعلقات کی سب سے عام فہم مثال کسی کارخانے یا دکان کی نامِ وری یا کسی پیشہ ور کی پریکٹس یعنی اس کا کام چلنا ہے اگر کوئی شخص جسکی دکان خوب چلتی ہو اپنا کل کاروبار فروخت کرنا چاہے تو کیا وہ صرف اپنے مال ہی کی قیمت لینے پر قناعت کرے گا۔ نہیں۔ بلکہ اگر وہ سمجھدار ہے تو مزید براں کچھ دکان کی نام وری کے بھی دام لگائے گا خریدار بھی اس کی قیمت دینے میں حجت نہ کریگا وہ جانتا ہے کہ اگر دکان کو پہلے سے شہرت حاصل ہو چکی ہے تو اس کا کاروبار بلا تردد خوب چلے گا کیونکہ لوگ اس دکان سے سامان خریدنے کے پہلے ہی سے عادی ہیں۔ اسکے برعکس اگر وہ نئی دکان کھولے گا تو خریداروں کو متوجہ کرنے میں بہت کوشش کرنی پڑیگی پس معلوم ہوا کہ دُکان کی نام وری بھی بجائے خود ایک بکار آمد شئے ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خریدار اس کے معاوضے میں بھی کچھ نہ کچھ ادا کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ کیوں شہر اور قصبوں میں لوگ خاص اپنے نام سے شاذ و نادر کام چلاتے ہیں دکان بہت سے مالکوں کے قبضے میں یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہے لیکن نام انہیں ابتدائی مالکوں کا برابر قائم رہتا ہے۔ تاکہ دکان کی قدیم شہرت کم نہ ہو جائے اس طرح پر جس ڈاکٹر کے ہاں رجوعات بکثرت ہوتی ہے وہ اگر چاہے تو اپنی پریکٹس کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے یعنی وہ اگر کسی دوسرے ڈاکٹر کو اپنا جانشین بنادے تاکہ اسکے ہاں آنے والے مریضوں کا وہ علاج کر سکے تو یہ ڈاکٹر اس کو بخوشی معاوضہ دیگا روزمرّہ کی باتوں میں تو کاروباری نام وری یا پریکٹس یعنی چلتے ہوئے کام کا ذکر کم آتا ہے لیکن کاروباری لوگوں اور پیشے والوں میں ان چیزوں کی بڑی قدر ہے۔ اور جب کسی دکاندار یا اہل پیشہ کی دولت کا اندازہ کیا جاتا ہے تو ان چیزوں کی قیمت بھی شمار ہوتی ہے ؛

باب اول فصل (۲)

بول چال میں جب ہم معمولاً دولت کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد اول تو بہت سی مادی چیزیں ہوتی ہیں دوسرے چند غیر مادی چیزیں مثلاً کاروباری وری یا کسی پیشہ ور کی گرم بازاری جو کہ کافی مطلوب ہیں۔ مادی چیزوں کو بہت سی اشیو سے کہا کہ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جو کہ بالعموم دولت شمار نہیں کی جاتیں۔ مثلاً صحت افزا آب وہوا یا قصبے کی پاکی وصفائی یہ دونوں چیزیں کس قدر مطلوب ہیں۔ لیکن گو افراد کے واسطے یہ نہایت آرام دہ اور راحت رساں سہی تاہم اُن کو لوگ اپنی دولت میں شامل نہیں کرتے۔ عام طور پر ایسی چیزیں دولت کہلاتی ہیں جو خرید و فروخت ہوسکیں یا دوسروں کو دی جا سکیں۔ اور اگر ہم کو یہ دریافت کرنا ہے کہ فلاں چیز دولت کہلا سکتی ہے یا نہیں تو اس کی سب سے پہلی پہچان یہی ہے کہ آیا کوئی شخص اس کو فروخت کرسکتا ہے یا کسی دوسرے کے ہاتھ منتقل کرسکتا ہے یا ایسا نہیں کرسکتا۔

معلوم ہوا کہ بس دولت کا عام مفہوم یہی ہے جو اوپر بیان ہوا معاشیئین نے اپنے اپنے طور پر اس لفظ کے متعدد معنی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ کتب معاشیات میں مختلف مفہوم مذکور ہیں۔ اور وہ اس طرح باہم متفق نہیں ہیں کہ ان سب کے مطابق کچھ چیزیں متفق علیہ طور پر دولت میں لازماً شامل ہوسکیں اور باقی سب قطعاً خارج شمار ہوں نتیجہ یہ ہے کہ وہی ایک چیز کسی کے نزدیک دولت شمار ہوتی ہے اور کسی کے نزدیک نہیں ہوتی۔ پس طلبا کو خوب تحقیق کر لینا چاہئے کہ جو کتاب وہ پڑھتے ہیں اس میں دولت کا کیا مفہوم لیا گیا ہے۔ آجکل کے انگریزی مصنف تو بالعموم اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں جو کہ عام طور پر مروج ہے اور ہم بھی اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔

کبھی کبھی معاشیئین کو کسی قوم یا خاص جماعت کی دولت پر بھی توجہ کرنیکی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ قومی دولت اُس شخصی دولت سے بالکل جداگانہ چیز ہے جو کہ افراد قوم کی ملک ہوتی ہے۔ قومی دولت میں اول تو کل افراد کی دولت کا مجموعہ داخل ہے۔ دوسرے اس میں کچھ ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جو کہ شخصی دولت شمار نہیں ہوسکتیں اگر ہم کو افراد کی جداگانہ دولت معلوم ہو تو ہم سیدھے حساب سے اس کی میزان کلی دریافت کرسکتے ہیں۔ لیکن لطف تو یہ ہے کہ

باب اول
فصل (۲)

افراد کی دولت معلوم کرنا بھی دشوار ہے۔ اور اکثر معاشی تحقیقات میں یہی دشواری سدراہ ہوتی ہے۔ لیکن جب تک طالب علم اتنی ترقی نہ کرلے کہ بطور خود ایسی تحقیقات کا بیڑا اٹھانے اس کو اس دشواری سے سابقہ نہ پڑیگا شروع شروع میں تو بس اس کو اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ ایسی دشواری بھی پیش آیا کرتی ہے اور کسی بڑی جماعت کی دولت کا صحیح مجموعہ دریافت کرنے کے واسطے بہت محنت بہت مہارت فہم و فراست درکار ہے قومی دولت کی دوسری مد میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو کہ کل قوم یا جزو قوم کی ملک ہوں اور افراد قوم اس کے جداگانہ مالک نہ ہوں۔ اس زمرے میں ایسی چیزیں شامل ہیں جیسے کہ سلطنت کی ریلیں اور نہریں۔ عمارات عامہ اور کاروبار سلطنت کا سامان۔ خواہ وہ خزانے میں سونے چاندی کے ڈھیر ہوں۔ یا دفتروں کی میز کرسی اور الماریاں۔ ان مادی چیزوں کے علاوہ بعض مصنف قومی دولت میں ایسی غیر مادی چیزیں بھی شمار کرتے ہیں جیسے کہ نظام حکومت۔ قومی دولت کی حدود ٹھیک ٹھیک معلوم کرنا طالب علم کے واسطے عملی لحاظ سے ابتدا میں کچھ زیادہ ضروری نہیں البتہ یہ تحقیق کرنا نہایت ضرور ہے کہ جو کتاب زیر مطالعہ ہے اس کے مصنف نے قومی دولت میں کیا کیا چیزیں شمار کی ہیں۔

مزید براں قومی دولت میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو کسی جزو قوم کی ملک مشترک ہوں۔ گرچہ قوم بحیثیت مجموعی ان کی مالک نہ ہو فرض کرو کہ ہندوستان کی دولت کا تخمینہ کرنا ہے۔ اول تو کل باشندوں کی دولت کا مجموعہ لیجئے۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہند کی دولت پھر صوبہ دار حکومتوں کی دولت بعد ازاں ایسی مقامی جماعتوں کی دولت جیسے میونسپلٹی مجلس ضلع حتیٰ کہ دیہاتی پنچائتوں کی دولت جن کا وجود قانوناً تسلیم ہو اور جن کے پاس کچھ مال واسباب ہو۔ چنانچہ سڑکیں پل بند اور مختلف کاموں کی عمارتیں صوبہ دار حکومتوں کی ملک ہیں۔ اسی طرح میونسپلٹیاں بھی راستوں نالیوں سامان روشنی مثل لیمپ بلکہ کہیں کہیں تو ذرائع آبرسانی اور ٹریموں تک کی مالک ہوتی ہیں مجلس ضلع اور مقامی مجلس کے قبضے میں سڑکیں۔ ریل مدرسے اور دواخانے ہوتے ہیں اور دیہاتی پنچائتیں بھی تالاب اور کنووں کی مالک ہوتی ہیں اس قسم کی تمام چیزیں قومی دولت کے اجزا ہیں اسی طرح کل جماعتیں خواہ عام ہوں یا نجی جس قدر دولت کی مالک ہوں وہ سب دولت قومی شمار ہوگی۔ مثلاً مندر مسجد خیراتی انجمنیں۔ کالج

باب اول
ضمن (۱۲)

ایسی کل چیزوں سے جس قدر دولت وابستہ ہو وہ بھی قومی دولت میں شامل ہے۔ لیکن واضح ہو کہ خواہ افراد کی شخصی دولت کا اندازہ کیا جاوے یا ملک کی قومی دولت کا دونوں صورتوں میں جو قرض مالک کے ذمے عائد ہو وہ دولت مملوکہ میں سے مجرہ منہا ہونا چاہئے مثلاً کسی زمیندار نے اپنا گاؤں رہن کر دیا ہے۔ تو اس کی دولت شمار کرتے وقت گاؤں کی پوری قیمت شامل نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کی قیمت میں سے زر رہن وضع کر دینا ضروری ہے۔ اسی طرح فرض کرو کہ کسی میونسپلٹی نے قرض لیکر ذرائع آب رسانی تیار کئے تو ان کی مالیت تخمینہ کرتے وقت زر قرضہ ضرور منہا کر دینا چاہئے یا اگر کوئی قوم قرض کے روپے سے ریل اور نہریں جاری کرے تو اس کی دولت شمار کرتے وقت اس قرض کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے۔ لفظ دولت کے جو معنی عام طور پر مراد لئے جاتے ہیں ان کے متعلق کافی بحث ہو چکی۔ لیکن طلبا کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ بس اس قدر پڑھکر وہ دولت کے معنی سمجھ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کی محض تعریف یاد کر لینے سے کچھ کام نہیں چلتا۔ یہی حال اور بہت سے الفاظ کا ہے جو آئندہ بیان ہوں گے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ دولت کا اصلی مفہوم خوب ہمارے ذہن نشین ہو جاوے اور اس کا تجربہ یوں ہو سکتا ہے کہ جو چیزیں ہم اپنے اردگرد روزمرہ دیکھتے ہیں ان کے متعلق ہم غور کریں کہ آیا وہ دولت کہلا سکتی ہیں یا نہیں فرض کرو کہ کوئی طالب علم صبح کو کالج جاتے ہوئے سوچے کہ آیا سڑک کے دوطرفہ درخت بھی دولت ہیں اور اگر ہیں تو کس کی۔ کیا کالج اور کھیل کے میدان گھنٹہ گھر اور پارک بھی دولت ہیں اور ان کا مالک کون ہے۔ کتاب میں دولت کی خواہ کچھ ہی تعریف درج کیوں نہ ہو اس طرح پر غور و خوض کرنے پر دولت کے معنی جس خوبی سے سمجھ میں آئیں گے وہ بہت سی کتابوں کے مطالعے سے بھی ممکن نہیں۔ ہ

لفظ قدر کو بھی دولت کے مفہوم سے بہت قریبی تعلق ہے۔ اور یہاں پر اسکے معنی واضح کرنے برمحل معلوم ہوتے ہیں روزمرہ کی گفتگو میں یہ لفظ بھی بالکل مبہم طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب ہم کسی چیز کو بیش قدر کہتے ہیں تو اس وقت ہمارے پیش نظر کوئی نمونۂ کمال ہوتا ہے۔ اور چونکہ شئے مذکورہ اس نمونے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہم اس کو بیش قدر کہکر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن معاشیات میں لفظ قدر استعمال کرتے

وقت کسی معیار کا خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے کچھ اور ہی خاص معنی ہوتے ہیں جن کا سمجھ لینا ضروری ہے:

یہ تو واقعہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اپنی چیزوں کا دوسروں کی چیزوں سے مبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ پس قدر سے مراد اس دوسری چیز کی وہ مقدار ہے جو اپنی چیز کے مبادلے میں حاصل ہو گویا قدر ایک اصطلاح اضافی ہے اور اس میں دو چیزوں کا باہمی مقابلہ مضمر ہے۔ اور اگر دنیا بھر میں صرف ایک ہی چیز ہوتی تو قدر کا کوئی مفہوم ہی نہ ہوتا وجہ یہ ہے کہ نہ دوسری چیز ہوتی نہ مقابلہ ہوتا مثلاً کسی کاشتکار کو سیر بھر گھی کی ضرورت ہے۔ چاہے تو کسی دکان سے خرید لے یا اپنے ہی پڑوسی سے سولہ سیر گیہوں کے عوض لے لے اگر یہ دونوں آپس میں اس شرح سے مبادلے پر رضامند ہو جاویں تو جہانتک اس معاملے کا تعلق ہے ایک سیر گھی کی قدر سولہ سیر گیہوں اور ایک سیر گیہوں کی قدر ایک چھٹانک گھی شمار ہو گا۔ بات وہی ایک ہے گویا اصل چیز گھی اور گیہوں کی قدروں کا باہمی تعلق ہے جو اس وقت اور اس جگہ قرار پایا ہے اور اگر کاشتکار پڑوسی سے مبادلہ کرنیکے بجائے دکان سے سیر بھر گھی ایک روپے کا خریدے تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک سیر گھی کی قدر ایک روپیہ اور ایک روپے کی قدر ایک سیر گھی ہے۔ دونوں بیانوں کا مفہوم وہی ایک ہے

تمام قوموں کو اس میں بڑی سہولت معلوم ہوئی کہ کوئی ایک یا معدودے چند چیزیں بطور زر استعمال کی جاویں چنانچہ قیمت سے مراد کسی چیز کی وہ قدر ہے جو بشکل زر بیان کی جاوے گویا مثال بالا میں ایک روپے کو سیر بھر گھی کی قدر بھی کہہ سکتے ہیں اور قیمت بھی؛ ان دونوں صورتوں میں معنی وہی ایک ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ روپے کو جو کہ زر ہے گھی کی قیمت کہا جاوے اور قیمت خود قدر کی ایک خاص قسم ہے۔ جسکی ماہیت ابھی بیان ہو چکی زر کا مضمون آئندہ تفصیل سے مطالعہ کرنا ہو گا۔ اس وقت تو بطور ایک امر واقع کے ہم اسکو مان لیتے ہیں اور جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں وہ دولت کے سمجھنے میں بطور معیار کام آتا ہے جو چیزیں دولت میں شامل ہیں ہم ان کی قیمت کا لحاظ کر لیتے ہیں۔ یعنی انکی قدر زر کے معیار سے معین کرتے ہیں اور ان قیمتوں کے جوڑنے سے کل چیزوں کی قدر کا مجموعہ بشکل زر معلوم ہو جاتا ہے؛

فصل تین

پیدایش اور صرف دولت کا مفہوم

دولت معاشیات کا نفس مضمون ہے اور اس کے معنی بھی واضح ہو چکے یعنی اس میں شامل ہیں اکثر مادی چیزیں اور چند غیر مادی اشیاء جو مطلوب ہوں یا جن کو لوگ اپنی ملک بنانے کے خواہشمند ہوں اور نیز جن کو وہ دوسروں کے ہاتھ منتقل کر سکیں اس علم کے قوانین تین شعبوں میں منقسم ہیں جو کہ جدا جدا پیدائش صرف اور تقسیم دولت سے بحث کرتے ہیں ؛

پیدائش دولت کی بحث میں وہ طریق مطالعہ کئے جاتے ہیں جن کے بموجب دولت حاصل ہوتی ہے تاکہ کام آسکے صرف دولت بالکل اس کے برعکس ہے۔ گویا اس میں وہ طریق پیش نظر ہوتے ہیں جو کہ دولت کو کام میں لانے کے واسطے برتے جائیں تاکہ وہ معدوم ہو جاوے تقسیم دولت میں یہ بحث ہوتی ہے کہ دولت کیونکر مختلف لوگوں یا طبقوں میں پھیلتی ہے ؛

طالب علم کو چاہئے کہ ایک وقت میں ایک ہی شعبے کا مطالعہ کرے۔ لیکن اسکو کسی وقت دوسرے شعبے دل سے نہ بھلانے چاہئیں پیدائش دولت کا بیان پڑھتے وقت خیال رکھنا چاہئے کہ یہ شعبہ بذات خود مکمل نہیں۔ یعنی محض پیدائش دولت مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ لوگ دولت اس غرض سے پیدا کرتے ہیں کہ یا تو خود اس کو وہ اپنے صرف میں لائیں یا اسکے مبادلے میں دوسری چیزیں حاصل کر کے انکو استعمال کریں اسی طرح صرف دولت کی بحث میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ دولت صرف کرتے ہیں ان میں سے اکثر اسے پیدا بھی کرتے ہیں اور جتنی دولت وہ پیدا کرتے ہیں اسی کے مطابق وہ صرف بھی کر سکیں گے ؛

سب سے اول دیکھنا یہ ہے کہ جب دولت پیدا یا صرف کی جائے تو کیا واقع ہوتا ہے

یہ تو ہمکو معلوم ہے کہ دولت میں بیشتر مادی چیزیں شامل ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو طریقے ہمارے زیر مطالعہ ہیں ان کے ذریعے سے مادّہ پیدا یا معدوم ہوتا ہے مختلف علوم سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ممکن نہیں یعنی مادّہ پیدا کرنے یا معدوم کرنے پر کوئی قادر نہیں البتہ اس کی شکل یا اس کی ترکیب بدل دینی کچھ مشکل نہیں ہے پیدائش اور صرف دولت کے معنی چند مثالوں سے خوب واضح ہوں گے ؎

مثلاً درزی کوٹ تیار کرتا ہے کپڑے کے تھان میں سے وہ حسب ضرورت چند چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مختلف شکل کے تراش کرتا گے سے سی دیتا ہے نہ تو وہ کپڑا بناتا ہے اور نہ تاگا لیکن وہ ان کی ترکیب بدل دیتا ہے یعنی کپڑے اور تاگے کو ایک خاص طور پر یکجا کر دیتا ہے اور گاہک کا اچھا خاصہ کوٹ بن جاتا ہے جو کہ بہت آرام دیتا ہے اور بن سلے کپڑے سے کہیں زیادہ کارآمد ہوتا ہے کوئی کہے کہ اچھا درزی نے نئی چیز پیدا نہیں کی تو جولاہے نے تو کی۔ لیکن ذرا جولاہے کو کپڑا بنتے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرتا کہ سوت کو ایک جدید ترکیب سے یکجا کر دیتا ہے اور اسی طرح کپڑا بن جاتا ہے۔ جس طرح درزی کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا جولاہا بھی نہیں کرتا وہ بھی سوت کو صرف نئی ترکیب دیتا ہے اور ایسی ترکیب پاکر سوت بہ شکل پارچہ درزی کے واسطے زیادہ کارآمد ہو جاتا ہے اسی طرح سوت کاتنے والا بھی اون یا روئی لیکر اس کے ریشے ایک خاص ترکیب سے بٹ دیتا ہے جو سوت کی شکل میں جولاہے کے کام آتے ہیں۔ یہاں تک معلوم ہوا کہ درزی جولاہا اور سوت کاتنے والا یہ سب ایک ہی قسم کا کام کرتے ہیں یعنی کسی مادّے کو لیکر جو کہ پہلے سے موجود ہوتا ہے صرف اس کی ترکیب بدل دیتے ہیں اور اس طرح پر وہ زیادہ کارآمد اور مفید ہو جاتا ہے عمل پیدائش میں جو مراحل ان سے قبل پیش آتے ہیں اُن کی بھی بعینہٖ یہی کیفیت ہے یعنی مادّے کی صرف شکل اور ترکیب بدلتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں لیکن ان مراحل کے سمجھنے کے واسطے علم کیمیا اور عضویات کا جاننا اور فن زراعت میں ان سے جو کام لیا جاتا ہے اس سے واقف ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ کسی زمانے میں کاشتکار کا کام دستکار کے کام سے بالکل جداگانہ اور مختلف خیال کیا جاتا تھا لیکن خوب تحقیق ہو گیا کہ کاشتکار بھی زمین کے اجزا کی ترکیب بدلنے میں مدد لیتا ہے۔ اور بس

باب اول فصل (۲) یعنی زمین میں کھاد ڈالتا، بیج بوتا اور پانی دیتا ہے۔ پودا جو اُگتا ہے۔ وہ کوئی نیا مادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جو اجزا زمین میں موجود ہیں ان سے اور آب و ہوا سے ملکر بنتا ہے چنانچہ روئی کے ریشے جن سے سوت کاتا جاتا ہے کوئی نیاہ مادّہ نہیں ہوتے جن کو کاشتکار نے از سر نو پیدا کیا ہو۔ بلکہ وہ بھی اسی طرح خاک آب اور ہوا سے بنتے ہیں اور کاشتکار کا کام ضروری اجزا کو یکجا کر دیناہے جو روئی کی شکل میں نمودار ہوکر سوت کاتنے والے کے واسطے بہت کار آمد ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح کاتنے والا روئی کا سوت کات کر کپڑا بننے والے کے واسطے اس کو کار آمد بنا دیتا ہے یہی حال اُون کا سمجھنا چاہئے۔ بھیڑ جو کچھ کھاتی ہے اسی سے اون بنتا ہے اور بھیڑ کا دانہ اور چارہ اسی طرح زمین سے اُگتا ہے جیسے کہ زمین کا پودا۔ چرواہے کا کام یہ ہے کہ بھیڑیں چرا چرا کر وہ گھاس اور جھاڑیوں کو اُون کی شکل میں تبدیل ہونے کا موقع دے۔ اور اُون مثلاً ہے کے واسطے بڑے کام کی چیز ہے ؛

پس معلوم ہوا کہ کوٹ کی تیاری میں بہت سے لوگ ہاتھ بٹاتے ہیں یعنی وہ چیزیں پیدا کرتے ہیں جن سے کوٹ تیار ہوتا ہے۔ لیکن اُن میں سے ہر ایک کا بس اسقدر کام ہے کہ مادے کی شکل یا ترکیب بدل بدل کر اس کو اصلی مقصد کے واسطے زیادہ کار آمد بنادے واضح ہو کہ کار آمد سے بھی وہی بات مراد ہے جو لفظ مطلوب سے ہے دونوں سے صاف ظاہر ہے کہ شئے مذکور کوئی نہ کوئی احتیاج پوری کرتی ہے اس سے ایک نہ ایک کام نکلتا ہے۔ اور جن جن پیشہ وروں کا ہم نام لے چکے ہیں وہ سب کے سب کوئی بکار آمد مادی چیز پیدا کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر دولت پیدا کرتے ہیں یہی واقعہ مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ انسان مادہ تو پیدا کر نہیں سکتا البتہ افادے پیدا کرتا ہے لفظ مفید سے افادے کا نہایت قریبی تعلق ہے اور مطلب دونوں سے وہی ہے یعنی کسی چیز کا کار آمد ہونا ؛

اگر ہم پیدائش کی دوسری شکلوں پر غور کریں تو بھی واضح ہوگا کہ جو کچھ ہم پیدا کرتے ہیں وہ درحقیقت کوئی نیا مادہ نہیں ہوتا بلکہ نئے نئے افادے ہوتے ہیں مثلاً حلوائی دودھ شکر۔ میدے اور گھی سے طرح طرح کی مٹھائیاں تیار کرتا ہے جو کھانے میں نہایت لذیذ معلوم ہوتی ہیں یعنی جن سے کہ ایک خاص قسم کی احتیاج یا احتیاجات

رفع ہوتی ہیں کمہار مٹی کے برتن بناتا ہے بڑھئی کیل پتیوں سے لکڑی جوڑ کر صندوق اور میز تیار کرتا ہے اسی طرح اگر طالب علم دستکاروں اور کارخانوں کی بنی ہوئی چیزوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ سب چیزیں اسی طرح پر بنتی ہیں موجودہ مادے کی شکل یا ترکیب بدل دی جاتی ہے اور اس جدید حالت میں اس سے کوئی خاص احتیاج بدرجہ اعلیٰ پوری ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر اس میں افادہ بڑھ جاتا ہے؛

پیدائش دولت کے معنی ذہن نشین ہونے کے بعد اب یہ سمجھنا غالباً دشوار نہ ہوگا کہ دولت کے صرف سے مراد بالکل اس کا برعکس عمل ہے لوگ مادہ تو صرف کر نہیں سکتے بلکہ محض اس کے افادہ کو صرف کرتے ہیں یا یوں کہو کہ صرف کرنے سے مادے کی مقدار تو دنیا میں کم ہو نہیں سکتی البتہ اس کی شکل یا ترکیب اس طرح بدل جاتی ہے کہ پھر اس سے احتیاج پوری نہیں ہوتی گویا کہ اس کا افادہ معدوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص مٹھائی کھاتا ہے تو کھا چکنے کے بعد مٹھائی کی لذت تو غائب ہو جاتی ہے لیکن وہ کل مادہ جس سے مٹھائی مرکب تھی باقی رہتا ہے اس میں سے کچھ تو جزو بدن ہو جاتا ہے اور کچھ ہوا پانی اور خاک میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ علم عضویات سے یہ امر بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے اسی طرح جب کوئی آگ جلاتا ہے تاکہ کمرہ گرم کرے یا کھانا پکائے تو گرمی کی احتیاج تو آگ سے پوری ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مادہ جس سے لکڑی مرکب ہے۔ دھواں یا بھاپ بنکر ہوا میں ملجاتا ہے یا بشکل خاکستر آتش دان میں رہجاتا ہے بہرحال اس سے گرمی کی احتیاج کسی طرح پوری نہیں ہوسکتی۔ گویا اس میں وہ پہلا افادہ باقی نہیں رہتا؛

صرف کرنے کے بھی مختلف طریق ہیں اور ان میں عملی حیثیت سے ایک فرق ضرور قابل لحاظ ہے جو چیزیں اوپر کی مثالوں میں بیان ہوئیں ان کا افادہ ایک ہی مرتبہ صرف ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی جب مٹھائی کھائی جاچکی یا آگ جل چکی تو ساتھ ہی افادہ بھی غائب ہو جاتا ہے لیکن کھانے اور ایندھن کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو عرصۂ دراز تک صرف میں رہ سکتی ہیں اور جن کا افادہ بتدریج کچھ مدت میں جاکر ختم ہوتا ہے مثلاً کوٹ ہم کئی مہینے تک پہن سکتے ہیں اور جب تک وہ استعمال میں رہے گا اس کا افادہ بھی قائم رہے گا۔ لیکن پھر بھی کوٹ کبھی نہ کبھی تو بوسیدہ ہوگا اور ایسی حالت ہونے پر اس کا افادہ بھی ختم ہو جائے گا۔ جیبی گھڑی کوٹ سے بھی زیادہ

باب اول فصل (۳)

عرصے تک کام دے گی اور اس وقت معلوم ہو نے کی احتیاج پوری ہوتی رہے گی لیکن بالآخر وہ پرانی ہو کر وقت غلط بتانے لگے گی یا بتائے گی ہی نہیں پس اس وقت اس کا افادہ بھی غائب ہو جائے گا۔ بعض چیزیں اس قدر دیر پا ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ان کا افادہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتا مثلاً سونے اور جواہرات کے زیور نسلاً بعد نسلٍ استعمال ہوتے رہتے ہیں کبھی نہ کبھی تو یہ بھی ضرور کہنہ اور از کار رفتہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اتنا فرق ضرور معلوم ہو گیا کہ بلحاظ پائیداری دولت کے مدارج مختلف ہیں اُن چیزوں سے لیکر جو ایک مرتبہ صرف میں آنے کے بعد از کار رفتہ ہو جاتی ہیں (یعنی ان کا افادہ ختم ہو جاتا ہے) وہ چیزیں تک دولت میں شامل ہیں جو ایک مرتبہ دستیاب ہونیکے بعد مدتہائے دراز تک کام آتی رہتی ہیں یعنی ان کا افادہ برقرار رہتا ہے ؛

عام طور پر انسان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ افادے پیدا کرنے اور صرف کرنے میں بسر ہوتا ہے۔ یعنی احتیاجات پوری کرنے کی غرض سے وہ دولت پیدا کرتا ہے اور پھر احتیاج پوری کرنے میں وہ اس کو صرف کر ڈالتا ہے پس جب کوئی پیدائش و صرف دولت کی بحث پڑھتا ہے تو وہ انسانی زندگی کے بڑے حصے کا مطالعہ بھی کرتا ہے۔ چنانچہ مارشل صاحب کا قول ہے کہ معاشیات میں انسان پر اس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے کہ زندگی کے معمولی کاروبار میں اس کی مصروفیت کی کیا حالت ہے ؛

انسان اپنے آرام و آسائش کی مادّی ضروریات بہم پہنچانے اور استعمال کرنے میں جو کچھ کوشش کرتا ہے اسی سے معاشیات میں بحث کی جاتی ہے اس میں ایک تو مسائل دولت پر غور کیا جاتا ہے اور دوسرے انسان کی حالت پر۔ اور یہی آخر الذکر پہلو زیادہ اہم ہے مارشل صاحب کے قول سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس علم کی تعریف کئی طرح پر بیان ہو سکتی ہے سابق معاشیین نے تو اسکی وہی تعریف بیان کی ہے جو فصل اول میں مذکور ہے۔ یعنی اس کو مطالعہ دولت قرار دیا ہے۔ اور مارشل صاحب کا مذکورۂ بالا قول دوسری تعریف پیش کرتا ہے۔ یعنی وہ معاشیات کو مطالعۂ انسانی سے تعبیر کرتا ہے ؛

ان دونوں تعریفوں میں کوئی تضاد پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دولت ہی خود ایسی چیز ہے کہ انسان کے ذکر بغیر اس کی تعریف بیان نہیں کی جا سکتی۔ دولت کیا ہے بکار آمد چیزوں کا مجموعہ ہے اور انسان کا خیال کیئے بغیر دولت کا مفہوم خیال میں آ ہی نہیں سکتا کیونکہ

باب اول
فصل (۳)

دولت تو اسی چیز کو کہتے ہیں جس کی انسان کو ضرورت ہو معاشیات کی یہ خصوصیت کہ وہ انسان کا بھی مطالعہ کرتا ہے اُس وقت خاص طور سے قابل لحاظ ہے جبکہ علوم کے زمرہ میں اس کی قسم قرار دی جائے جو علوم کہ بالعموم مادّی کہلاتے ہیں وہ انسان کے وجود سے مستغنی ہیں مثلاً اگر انسان پیدا نہ بھی ہوتا تب بھی توانائیات کے قوانین اسی طرح جاری رہتے۔ پانی اسی طور پر بلندی سے پستی کی جانب بہا کرتا جیسا کہ اب بہتا ہے لیکن جو علوم کہ عمرانی کہلاتے ہیں مثلاً معاشیات۔ اخلاقیات۔ اور سیاسیات وہ موجودہ انسان کو پیش نظر رکھکر اُس کے افعال کا مختلف نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور معاشیات اُن افعال کی طرف خاص طور سے توجہ کرتا ہے جو بقول مارشل آرام و آسائش کی مادّی ضروریات حاصل اور استعمال کرنے سے متعلق ہیں یعنی وہ افعال جو دولت پیدا اور صرف کرنے میں ظہور پذیر ہوں ؀

فصل چار

چند مفروضات

مفروضات کی ضرورت

دولت کا مطالعہ کرنا جس میں انسانی زندگی کے ایک بڑے حصے کا مطالعہ بھی شامل ہے کوئی آسان کام نہیں وجہ یہ ہے کہ زندگی خود بہت پیچیدہ ہے اس کو بتدریج حل کر سکتے ہیں لہذا اول اول اس کو بہت سادہ و مختصر تصور کرتے ہیں اسی غرض سے ہم کچھ مفروضات بنا لیتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ مباحث کی وسعت معین اور محدود ہو جاتی ہے۔ جب ہم ان حدود کے اندر اندر مضمون بخوبی سمجھ لیتے ہیں تو کچھ عرصے بعد ہم ان حدود سے باہر قدم رکھتے اور اپنے معلومات وسیع کر لیتے ہیں چنانچہ ہم اس فصل میں چند ایسے مفروضات بیان کرینگے جو کار آمد ثابت ہوئے ہیں۔ اور طالب علم کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مفروضات اس کتاب کے تمام مباحث میں مضمر ہیں البتہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تمام معاشیین نے یکساں وہی مفروضات اپنی تصانیف میں داخل کیے ہیں بلکہ طالب علم کو ہر مصنف کے جداگانہ مفروضات تحقیقات کر لینے چاہئیں تاکہ مباحث سمجھنے میں مغالطہ نہ ہو ؛

سب سے اول تو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ معمولی مرد اور عورتیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہم کسی خاص قوم کے لوگوں تک اپنی توجہ محدود نہیں کرتے۔ ہم مانتے ہیں کہ ایک قوم کے لوگ دوسری قوم کے لوگوں سے گوناگوں حیثیتوں سے مختلف ہوتے ہیں لیکن ہم صرف انہیں پہلوؤں کا مطالعہ کرتے ہیں جنمیں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا مثلاً قوموں کی غذائیں مختلف ہیں۔ بعض قومیں گوشت کھاتی ہیں اور بعض نہیں کھاتیں لیکن ان تفصیلی اختلافات سے ہم کو کچھ سروکار نہیں ہم تو اس عام واقعے پر نظر کرتے ہیں کہ تمام قوموں کو غذا درکار ہے اسی طرح قوموں کے طریق تفرج و تفریح بھی جداگانہ ہیں۔ لیکن ہمکو تو صرف اس واقعے سے مطلب ہے کہ سب قوموں کو کھیلنے اور دل بہلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ خواہ اُس کے

باب اول
فصل (۳)

طریق کچھ ہی کیوں نہ ہوں جب ہم انسانی زندگی کے کسی شعبہ کی مثال دینگے۔ تو ہم اسی قوم کی مثال پیش کرینگے جس سے ہم واقف ہیں۔ یعنی شمالی ہندوستان کے لوگ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم صرف انہیں شمالی ہندوستان کے باشندوں کی زندگی کا مطالعہ کررہے ہیں۔ البتہ انسانی زندگی کی بحث میں ہم ان کو بطور مثال ضرور پیش کرتے ہیں؛

دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ نسل انسان مختلف اقوام میں منقسم ہے یا وہ چند جداگانہ باقاعدہ حکومتیں قائم کئے ہوئے ہے چنانچہ دنیا کے بیشتر حصوں میں یہی واقعہ نظر آرہا ہے۔ ایسے مقامات جہاں ابتک کوئی قوی حکومت قائم نہیں ہے۔ جہاں پولس اور عدالت کے خوف بغیر لوگ چوریاں اور دغا فریب کریں ان کو ہم نظرانداز کردیتے ہیں۔ حکومتیں بھی قسم قسم کی ہوتی ہیں لیکن سردست ہمکو حکومتوں کے اختلافات سے کچھ غرض نہیں۔ ان سب کی عام صفت یہ ہوتی ہے کہ انکے زیر نگرانی ہر کوئی اپنے مال کا مالک بنا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی کسی کا مال چھیننا چاہے تو پولس اور عدالت اول الذکر شخص کی مزاحم ہوتی ہے۔ مالک کی حمایت اور ملک کی حفاظت کرتی ہے؛

کاروباری آزادی

تیسری بات جو بطور مفروضہ شمار ہوتی ہے یہ ہے کہ لوگ کاروباری آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں یعنی عوام کو اختیار ہے کہ چاہے۔ جس طرح دولت پیدا کریں اور جس طور پر چاہیں اس کو صرف میں لائیں یہ آزادی غیر محدود نہ سمجھنی چاہئے ہر حکومت اس پر کم و بیش نگرانی رکھتی ہے لیکن آزادی قاعدۂ عام ہے اور بندشیں مستثنیات میں شمار ہوتی ہیں مثلاً ہندوستان میں ہر شخص کو ازادی حاصل ہے کہ خواہ وہ کاشت کرکے اپنی روزی کمائے یا اس غرض کے لئے محنت مزدوری کرے یا دکان کھولے یا کوئی اور تدبیر نکالے۔ وہ کوئی مقررہ اجرت قبول کرنے پر مجبور نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ جسقدر اجرت مل سکے وہ حاصل کرسکتا ہے نہ وہ مقررہ نرخ سے چیزیں فروخت کرنیکا پابند ہے؛

آزادی کاروبار پر کچھ بندشیں ہندوستان میں ضرور قائم ہیں لیکن ایسی ہی جیسے کہ دیگر ممالک میں موجود ہیں۔ مثلاً سرکار کی خاص اجازت بغیر کوئی شخص شراب نہیں بنا سکتا، افیون نہیں بیچ سکتا، ہتھیار نہیں خرید سکتا یا بعض پیشے ایسے ہیں مثلاً وکالت کہ ایک خاص قسم کی تعلیم حاصل کئے بغیر کوئی شخص انکو اختیار نہیں کرسکتا۔ جب ہم کبھی ایسے کاروبار یا پیشوں پر غور کریں کہ جن پر ایسی بندشیں عائد ہوتی ہوں تو ان بندشوں

باب اول (فصل ۴) کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے۔ لیکن تمام موجودہ بندشوں کے اثرات کا تخمینہ کرنے کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی ملک کی معاشی حالت پر ان کا کوئی خاص قابل لحاظ اثر نہیں پڑتا اور جبکہ ہم کاروبار کی عام حالت سے بحث کریں مثلاً کھانے کپڑے اور مکان جیسی عام ضروریات کی پیدائش اور اُن کا صرف تو مذکورہ بالا جیسی بندشوں کو نظر انداز کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ایک بندش جو خاص طور پر اہم اور توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں زمیندار بعض حالتوں میں نہ تو کاشتکار کو بیدخل کر سکتا ہے اور نہ اس پر لگان بڑھا سکتا ہے۔ باب پنجم میں اسکے نتائج پر غور کیا جاوے گا۔

سرکاری مداخلت کے علاوہ کاروباری آزادی میں رسم و رواج اور لوگوں کے خیالات بھی رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ممکن ہے کہ ایسی رکاوٹوں کی کوئی پرواہ نہ کیجاوے۔ لیکن کبھی ان کا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں ذات پات کا طریق بہت کچھ قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ آبادی کا بڑا حصہ اس کا پابند ہے اور روزمرہ کے کاروبار پر اسکا اچھا خاصا اثر پڑتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے چوتھا مفروضہ یہ رکھا ہے کہ زر کی قوت خرید میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ساورن اور روپیہ جیسے سکوں کا رواج مان کر یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی چیز حاصل کرنے میں جتنے ساورن یا روپے صرف ہوں اُن کے ذریعے سے ہم اس چیز کی قدر ٹھیک اس طرح پر دریافت کر سکتے ہیں جیسے کہ من اور سیر کے حساب سے وزن تولتے ہیں یا فٹ اور انچوں سے لمبائی ناپتے ہیں۔ بالعموم لوگ زر کو قدر اشیا کا ایسا ہی معین معیار تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اُسوقت اس مفروضے کی ضرورت اور اہمیت کچھ سمجھ میں نہ آویگی لیکن معاشیات کا مطالعہ کرتے کرتے طلبا کو ماننا پڑیگا کہ یہ مفروضہ واقعات کے عین مطابق نہیں ہے اور جو معاشی تحریکات زمانہ دراز پر محیط ہوں ان پر غور کرتے وقت ضرور ہے کہ ان تبدیلیوں کا بھی لحاظ رکھا جائے جو اس دوران میں زر کی قوت خرید میں نمودار ہو گئی ہوں۔ اس لحاظ کی ضرورت کی بدولت مباحث میں بہت کچھ طوالت اور پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ اگر روپیہ بھی قدر کا ایسا ہی معین معیار ہوتا جیسا کہ وزن کا معیار سیر ہے تو یہ دقت کیوں پیش آتی۔ یہ مفروضہ کہ زر کی قوت خرید معین ہے یا بالفاظ دیگر قدر اشیا کا وہ ایک معین معیار ہے محض بغرض سہولت مان لیا جاتا ہے۔ بہرحال طالب علم کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کتاب میں زر کی قوت خرید

غیر تبدل پذیر مانی گئی ہے ؛

پانچواں آخری مفروضہ اس کتاب میں یہ ہے کہ بعض چیزوں میں ہم نمایاں فرق مانتے ہیں حالانکہ دراصل وہ فرق نمایاں نہیں ہے یہ نکتہ مثال سے خوب واضح ہوگا۔ ہاکی یا فٹ بال کے میچ میں کھلاڑی دو گروہ میں تقسیم ہوتے ہیں اور ہر ایک کھلاڑی کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہے۔ اس صورت میں تو تفریق نہایت صاف ہے یعنی بائیس لڑکے دو برابر گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں لیکن فرض کرو کہ ہیڈ ماسٹر اسکول کے کل لڑکوں کو اچھے اور بُرے لڑکوں کے جدا گانہ گروہوں میں تقسیم کرنا چاہے تو اس حالت میں تفریق بہت واضح ہونی دشوار ہے بعض لڑکے تو صریحاً اچھے یا برے ہوں گے لیکن باقی لڑکوں کے متعلق اُسکو تذبذب ہوگا کہ ان کو کس گروہ میں شریک کرے۔ کیونکہ وہ ہر دو گروہ کے بین بین نظر آئینگے: محض اچھے ہوں گے اور نہ سراسر بُرے اگر وہ قابلیت کے اصول پر بھی لڑکوں کے نام ترتیب دے تو یہ طے کرنا دشوار ہے کہ ایسی فہرست میں کہاں پر خط تفریق کھینچا جائے کہ اسکے اوپر والے لڑکے اچھے اور اس کے نیچے والے خراب شمار ہوں معاشیات میں جو فرق نکالے جاتے ہیں انکی بھی یہی کیفیت ہے۔ بہت سی چیزیں تو مختلف گروہوں میں بآسانی تقسیم ہو جاتی ہیں لیکن بعض چیزیں گروہوں کے حد فاصل پر نظر آتی ہیں اور ان کے متعلق یہ طے کرنا کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونی چاہییں بڑی ٹیڑھی کھیر ہے اس ابتدائی کتاب کے مباحث میں ہم ایسی حد فاصل والی غیر تفریق شدہ چیزیں نظر انداز کرتے ہیں خواہ فی نفسہ وہ کتنی ہی دلچسپ اور مفید کیوں نہ ہوں مثلاً بالتفصیل یہ بحث کیجاوے کہ لفظ دولت یا لفظ اصل کے معنوں کی وسعت کیا ہے اور اُنکے حدود کہاں کہاں ہیں اور وہ کون چیزیں ہیں جو حد فاصل پر واقع ہیں یعنی جنکا ان الفاظ کے مفہوم میں داخل ہونا نہ ہونا مشکوک ہے۔ ایسے مباحث سے یہ تو فائدہ پہنچتا ہے کہ الفاظ کی تعریف اور معنی خوب سمجھ میں آجاتے ہیں لیکن معاشیات کا کچھ مطالعہ کر لینے کے بعد ان بحثوں میں پڑنا زیادہ مناسب ہوگا۔ شروع شروع میں تو طالب علم کے واسطے یہی سب سے بہتر ہے کہ اپنی تمامتر توجہ خاص خاص واقعات پر رکھے۔ اور تفریق کی صحیح صحیح حدود تحقیق کرنے میں اپنا بہت سا وقت ضائع نہ کرے اس کام کے کرنے میں بعد کو خود بخود سہولت ہو جائے گی ؛

باب دوم

پیدائش دولت

فصل پانچ

عاملین پیدائش

عمل پیدائش دولت کی مثال

فصل دوم میں بیان ہو چکا ہے کہ معاشیات میں اصطلاح پیدائش سے مراد یہ ہے کہ مادے کے اجزا میں کوئی نئی ترکیب پیدا کر دیں تاکہ اسکا افادہ بڑھ جاوے۔ یعنی وہ زیادہ مفید اور کارآمد ہو جاوے۔ اور اس سے احتیاجات بطریق احسن پوری ہوں۔ اب ہمکو دیکھنا یہ ہے کہ کس طریق پر یہ عمل سرانجام پاتا ہے۔ یعنی کیونکر مادے کے اجزا کی ترکیب بدل جاتی ہے؟

ہم ایک ایسے شخص کی مثال لیتے ہیں جو کہ بہت تھوڑی سی دولت نہایت سیدھے سادے طریق پر پیدا کرتا ہے فرض کرو کہ کوئی گھسیارہ ہے جو افتادہ زمین کی گھاس کھود کھود کر اس کی گٹھڑی اپنے سر پر بازار لے جاتا ہے اور جو دام وصول ہوتے ہیں اسی پر بسر اوقات کرتا ہے۔ یہ شخص بھی دولت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ مادے یعنی گھاس کا مقام بدل دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھاس سے قصبے والوں کی احتیاج پوری ہو جاتی ہے یعنی وہ ان کے گھوڑوں اور مویشیوں کے چارے کے کام آتی ہے اور اسی وجہ سے وہ لوگ زر سے گھاس کا مبادلہ کرتے ہیں یعنی اسکو خریدتے ہیں یہی گھاس اگر افتادہ زمین پر چھوڑ دی جاتی تو وہاں اس سے کسی کی احتیاج پوری نہ ہوتی۔ وہاں کوئی رہتا ہی نہیں۔ اور جب کوئی موجود نہ ہو تو احتیاج کیونکر پیدا ہو

باب دوم
فصل (۵)

پوری ہوسکتی البتہ جب گھاس کھد کر آبادی میں آتی ہے تو وہ دولت بن جاتی ہے کیونکہ وہاں احتیاجات موجود ہوتی ہیں۔ جن کو وہ پورا کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر گھسیارا جب غیر آباد جگہ سے جہاں کوئی احتیاج نہیں گھاس کسی شہر یا قصبے میں لاتا ہے جہاں اسکی احتیاج بکثرت موجود ہے تو تبدل مقام کی بدولت گھاس میں گویا ایک جدید افادہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس میں پہلی جگہ معدوم تھا گھاس بیچکر وہ جو کچھ کماتا ہے اگر روز کے روز خرچ کر ڈالے تو گو یا وہ جتنی دولت پیدا کرتا ہے اتنی ہی صرف کر ڈالتا ہے اور اگر یہی حال برقرار رہے تو وہ دولتمند نہیں بن سکتا۔ یعنی اس کے پاس کچھ اندوختہ یا سرمایہ جمع نہیں ہو سکتا ؛

اب فرض کرو اس کے دلمیں خیال گذرے کہ ہاتھ سے اُکھیڑنے کے بجائے اگر وہ کھرپے سے گھاس کھودے تو ہر روز زیادہ گھاس فروخت کرنی ممکن ہے۔ پھر اُسے پتا چلے کہ لوہار چار گنڈے میں کھرپا بنا دے گا اور اگر وہ پیسہ روز جمع کرے تو سولہ دن میں وہ کھرپے کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب اس نے دل میں ٹھان لی کہ کھرپا ضرور خریدنا چاہئے حتی کہ کمائی سے پیسہ روز بچا بچا کر وہ سولہ دن میں کھرپا لے آیا اب تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ گھاس کھود سکتا ہے لیکن گھاس کی زیادہ مقدار لے جانی مشکل ہے۔ پس وہ بہ نسبت سابق صرف دو چند گھاس کھود کر بازار لاتا ہے۔ جو کچھ کماتا ہے اُس میں سے کچھ تو کھانے پینے میں خرچ کرتا اور باقی بچا بچا کر رکھتا ہے گویا اب وہ جتنی دولت صرف کرتا ہے اس سے زیادہ پیدا کر لیتا ہے۔ اور عجب نہیں کہ چند روز میں وہ دولتمند بن جائے یعنی اس کے پاس کچھ اندوختہ یا سرمایہ جمع ہو جائے ؛

بحالت موجودہ ہندوستان کے اکثر گھسیارے اتنی کمائی پر قناعت کر بیٹھیں گے کھانے پینے سے جو کچھ بچے گا یا تو اس میں سے کپڑے لتے بنا لینگے یا تمبا کو کا خرچ چلائیں گے۔ یا آرام سے گھر بیٹھکر کھائیں گے اور چھٹی منائیں گے۔ انکی آمدنی بہ نسبت سابق کچھ زیادہ بھی ہوئی تو بس اتنی کہ صرف موجودہ احتیاجات پوری ہو جائیں یہ نہیں کہ کوئی رقم جمع کر سکیں۔ لیکن دوربین شخص کو امید ہوسکتی ہے کہ کسی روز وہ بھی دولتمند بن جاوے گا۔ مثلاً وہ اندازہ کرے کہ ایک روز میں ایک ٹٹو کے بوجھ تک

باب دوم
فصل (۵)

گھاس کھودی جا سکتی ہے۔ اور اس گھاس کی قیمت میں سے اپنے کھانے پینے اور خچر کے گھاس دانے کا خرچ نکلنے کے بعد بھی کچھ پس انداز ہو سکتا ہے پس اگر کھرپے سے گھاس کھود کھود کر وہ جس قدر زیادہ کما رہا ہے اس کو جوڑ جوڑ کر وہ ایک خچر خرید لے تو اس کے پاس کھرپا اور خچر دو چیزیں ہو جاویں گی اور اب اسکی آمدنی اس کے روزمرہ خرچ سے اچھی خاصی بڑھ جاوے گی اس حیثیت تک پہنچنے کے بعد حوصلہ مند شخص اور بھی زیادہ دولت جمع کرنی شروع کرے گا مثلاً اب وہ کسی اصطبل یا مویشی خانہ کے واسطے گھاس لانے کا ٹھیکہ لے لے اور اپنے کاروبار کے اعتبار پر روپے قرض لیکر کچھ اور خچر خرید کر اور گھسیارے ملازم رکھکر اپنا کام بڑھائے اور اسی طرح ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ وہ دولتمند ٹھیکہ دار بن جاوے اور طرح طرح کے کام جاری کر دے۔

تینوں عاملین پیدائش یعنی محنت دولت اور اصل کا کام

اب غور کرو کہ کن کن صورتوں میں ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلے پہل تو صرف اتنا کمائے کہ اپنا پیٹ پال سکے۔ اور رفتہ رفتہ ایسی آمدنی کے کاروبار جاری کرے کہ اپنی ضروریات سے بہت زیادہ کما سکے۔ اول تو اس افتادہ زمین کو جس پر گھاس اگتی ہے۔ اگر آبادی کے قریب کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی جہاں سے وہ گھاس بازار میں لاسکتا تو بھلا اسکی بسر کیونکر گذر ہو سکتی تھی۔ اور جبکہ گھاس لانے کا کاروبار بڑھے تو اسکی ترقی کا مدار اس زمین کی وسعت پر ہوگا جو شہر سے قریب ہو اور جہاں سے گھاس دستیاب ہو سکے۔

دوسرا کام گھاس کھودنا اور اسکو بازار میں لانا ہے کھیل اور تفریح کے طور پر تو کوئی شخص یہ کام کرنے سے رہا۔ اس کام کے ناگوار ہونے میں کیا شک ہے لیکن وہ اس لئے سکو لیتا ہے کہ بھوکا رہنا اس سے بھی کہیں زیادہ ناگوار ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کچھ زمانہ بعد جب وہ خوشحال ہو جاوے تو نوکروں سے یہ کام لے۔ لیکن اگر دولت پیدا کرنی مقصود ہے تو کسی نہ کسی کو کام کرنا ہی پڑے گا اور جب تک اپنی پیدا کی ہوئی دولت کا کم از کم ایک حصہ نہ ملے کوئی کام کرنے پر کیوں رضامند ہونے لگا۔

تیسری بات غور طلب یہ ہے کہ دولت کی کچھ مقدار پہلے سے موجود ہے جس سے فریہ دولت پیدا کرنے کا کام لیا جاتا ہے اوپر کی مثال میں یہ دولت اول کھرپا اور دوم خچر ہے یہ سچ ہے کہ ہماری مثال میں بغیر کسی سابق دولت کی مدد کے گھسیارہ

باب ۴ فصل (۵) ازسرنو دولت پیدا کرتا ہے یعنی وہ شخص اپنے ہاتھوں سے گھاس اکھیڑ اکھیڑ کر بازار میں لاتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے پس ماندہ ترین حصوں میں بھی ایسی حالت شاذ و نادر نظر آسکتی ہے ورنہ ہر کہیں گھسیارے کے پاس کھرپا ہوتا ہے۔ کمہار کے پاس چاک، بڑھئی کے پاس اوزار اور اسی طرح جو کوئی دولت پیدا کرتا ہے اسکے پاس کچھ نہ کچھ پہلی دولت موجود ہوتی ہے جو کہ اسکو مزید دولت کی پیدائش میں مدد دیتی ہے ؛

یہ تینوں صورتیں جو اوپر بیان ہوئیں عاملین پیدائش کہلاتی ہیں اور ہر ایک کا مختصر سا جداگانہ نام ہے جس کے معنی خوب سمجھ لینے چاہئیں۔ پہلے عامل کو زمین کہتے ہیں دوسرے کو محنت اور تیسرے کو اصل ؛

زراعت ان الفاظ کے معنی تو آگے چل کر بیان ہونگے۔ یہاں پر یہ بہتر ہوگا کہ طالب علم پیدائش کی چند دیگر صورتوں پر نظر ڈالے اور غور کرے کہ یہ عاملین ان میں سے ہر ایک میں کیونکر شامل ہیں۔ ہندوستان و نیز اکثر دیگر ممالک میں جس قدر دولت پیدا ہوتی ہے اس کا سب سے بڑا حصہ زراعت سے حاصل ہوتا ہے کاشتکار کے پاس زمین ہونی ضرور ہے اگر وہ خود اس کا مالک نہیں تو کچھ لگان ادا کر کے دوسرے کی زمین پٹے پر لے سکتا ہے زمین کے علاوہ محنت کی بھی ضرورت ہے کاشتکار کا بیشتر وقت زمین جوتنے کھاد لگانے بیج بونے پانی دینے رکھوالی کرنے اور فصل کاٹنے میں صرف ہوتا ہے۔ اگر کنبے کے لوگ اسکا ہاتھ نہیں بٹاتے تو مجبوراً وہ مزدور رکھکر کام کرتا ہے۔ مزید براں کاشتکار کو اصل بھی درکار ہے۔ یعنی کچھ موجودہ دولت جس سے مزید دولت کی پیدائش میں مدد لی جا سکے مثلاً اس کو ہل۔ بیل۔ تخم اور کھاد کی ضرورت ہے۔ اس کے پاس اس قدر سرمایہ بھی ہونا چاہئے کہ فصل بونے کے وقت اور نیز اس کے تیار ہونے تک وہ خود کھا سکے اپنے کنبے کو پال سکے اور مزدوروں کو اجرت دے سکے ؛

صنعت و حرفت اسی طرح فرض کرو کوئی دستکار بازار میں اپنی دکان پر مٹی کے برتن بناتا ہے اگرچہ اس کو اتنی وسیع جگہ درکار نہیں جتنی کہ کاشتکار کو تاہم اسکے پاس بھی کچھ تو زمین ہونی چاہئے جہاں بیٹھکر وہ بھٹی کے سامنے اپنے اوزاروں سے برتن بنا سکے۔ وہ خود تو کام کرتا ہی ہے۔ ممکن ہے کہ مزدوروں سے بھی کام لینا پڑے بھٹی کی دیکھ بھال ہے سانچے بنانے ہیں، کمہار دوسرے برتن خراد پر چڑھا کر ان کو ہموار کرنا اور پھر جلا دینے

ماسدم فصل ۵ — اسکے پاس تھوڑا بہت اصل بھی ہونا چاہئے۔ مثلاً اس کی خراد دوسرے اوزار چیتل جو بھٹی میں پگھلایا جاتا ہے نیز کچھ روپیہ جس سے روزمرہ کا خرچ چلے اور مزدوروں کی اجرت ادا ہو ؛

کارخانہ جات — بڑے بڑے کارخانوں میں بھی انھیں عاملین پیدائش سے کام لیا جاتا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں انکی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے۔ مثلاً روئی یا سن کا کارخانہ کھولا جاوے تو اول وسیع قطع زمین پر عمارات تیار ہوں گی پھر اس میں صدہا بلکہ ہزارہا مزدور کام کریں گے۔ دو لاکھوں روپے کی مقدار میں اصل کھپے گا۔ مثلاً عمارتیں بنیں گی انجن اور مشینیں لگیں گی۔ کیونکہ اور پیداوار خام یعنی روئی یا سن خریدا جاوے گا مزدوروں کو اجرت دینی ہوگی اور متفرق مصارف پیش آویں گے حاصل کلام یہ کہ کوئی کاروبار چھوٹا ہو یا بڑا یہی تینوں عاملین پیدائش یعنی زمین محنت اور اصل مل جل کر پیدائش دولت کا کام انجام دیتے ہیں ؛

ریلیں — پیدا آور کاروبار کی ایک مثال ریل بھی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوگا کہ ریل دولت کو صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے۔ کوئی مزید دولت پیدا نہیں کرتی۔ لیکن ہم نے دولت کا جو مفہوم لیا ہے اس کی رو سے لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہوسکتا۔ دولت سے مراد وہی چیزیں ہیں جن سے احتیاجات پوری ہوں۔ اور جب کوئی چیز دسترس سے باہر ہو تو پھر اس سے احتیاجات کیونکر پوری ہوسکتی ہیں اور اگر نہیں ہوتیں تو پھر وہ چیز دولت کہلانے کی بھی مستحق نہیں ہوسکتی۔ ہمالیہ کے جنگلوں کی لکڑی یا بنگال کے کانوں کا کوئلہ لکھنو یا کلکتہ والوں کے کس کام کا ہے جبتک کہ وہ ریلوں میں لدکر وہاں نہ آئے اور لوگوں کی احتیاج پوری نہ کرے۔ ریل صریحاً پیدا آور کام کرتی ہے کیونکہ وہ چیزوں کا مقام بدل کر ان کو ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں وہ لوگوں کے احتیاجات پورے کرتی ہیں اس کی بھی حالت بعینہ اسی گھسیارے کی سی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے جو افتادہ زمینوں کی گھاس کھود کھود کر شہر تک لاتا ہے اور لوگ اپنے مویشیوں کے واسطے اس کو خریدتے ہیں۔ جب ریل کا کام پیدا آور ٹھیرا تو اب غور کرو کہ اس کو بھی وہی تینوں عاملین پیدائش درکار ہیں۔ اول تو زمین چاہئیے جس پر ریل چلے۔ دوسرے بہت سے مزدوروں کی ضرورت ہے جو ریل بناویں

باب دوم
فصل (۱)

اور چلا دیں۔ مثلاً بڑھئی، لوہار، انجن چلانے والے، گارڈ لوگ اسٹیشن ماسٹر، کلرک اور قلی وغیرہ اور بے شمار اصل درکار ہے۔ مثلاً ریل کی پٹڑی، انجن، ریل کے ڈبے، ریلوے اسٹیشن اور دفاتر وغیرہ کی عمارات و سامان ؛

مندرجہ بالا مثالوں سے بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ پیدائش دولت کی جتنی شکلیں ہیں سب میں یہی تینوں عاملین پیدائش زمین محنت اور اصل مل جل کر کام کرتے ہیں اور بہتر ہوگا کہ طالب علم کو پیدائش دولت کی جو جو شکلیں معلوم ہوں ان سب پر غور کرے اور دیکھے کہ آیا ہر ایک میں یہ عامل موجود ہیں یا نہیں۔ اور نیز یہ کہ آیا ان کے سوا کوئی اور چوتھا عامل تو ایسا نہیں ہے جو کبھی عمل پیدائش میں شریک ہوتا ہو باقی کتاب میں ہم اول تو ان تینوں عاملین کی کیفیت بیان کریں گے اور بعدہ وہ نظام پیش کریں گے جس کے مطابق یہ تینوں آپس میں مل کر عمل پیدائش دولت سرانجام دیتے ہیں ؛



فصل چھ

زمین

زمین کا مفہوم

لفظ زمین سے عام طور پر تو سطح زمین مراد لی جاتی ہے۔ لیکن معاشیین کے نزدیک اس کے معنی کچھ زیادہ وسیع ہیں۔ سطح کے علاوہ اصطلاح زمین کے مفہوم میں اشیاء ذیل میں داخل ہیں:

(۱) معدنیات جو کہ زیر سطح دستیاب ہوں مثلاً کوئلہ، لوہا، سونا چاندی مٹی کا تیل اور تہ زمین کا پانی جو کنوئیں کھود کر نکالا جاتا ہے اور جو ہندوستان جیسے زرعی ملک میں نہایت ضروری اور کارآمد ہے۔

(۲) نیز وہ پانی جو سطح زمین پر ہو مثلاً دریا اور جھیلیں:

(۳) ہوا، روشنی، گرمی جیسی بالائی چیزوں کے جو اثرات سطح زمین پر نمودار ہوں وہ بھی زمین میں شمار ہوتے ہیں:

جس قدر چیزیں مفہوم زمین میں داخل سمجھی جاتی ہیں ان سب کی عام خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مقدار بڑھانا انسان کے قابو سے باہر ہے خواہ کتنا ہی کوئلہ درکار ہو نکال سے تو اسی قدر نکل سکے گا جتنا کہ قدرت نے اس میں پیدا کردیا ہے کاشتکار کو خواہ کتنی ہی بارش اور دھوپ کی ضرورت ہو جس قدر قدرت اس کو عطا کرتی ہے اسی پر اس کو قناعت کرنی پڑتی ہے۔ اسی وسعت مفہوم کی بنا پر بعض معاشیین زمین کے بجائے قدرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن عام طور پر لفظ زمین ہی مستعمل ہے اور یہی زیادہ سہل بھی ہے۔ عام استعمال میں لفظ قدرت سے بھی اور کئی معنی مراد ہوتے ہیں۔ حالانکہ زمین کے صرف ایک ہی معنی ہیں۔ البتہ اس قدر یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کے معاشی مفہوم میں اول وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو زیر سطح ہیں۔ مثلاً معدنیات دوم وہ اثرات جو اس پر ہوا روشنی جیسی بالائی چیزوں سے

باب دوم

نمودار ہوتے ہیں ؛

فصل (۲) زمین کی مقدار محدود ہے۔ مثلاً سلطنت ہندکا رقبہ پندرہ لاکھ میل مربع ہے۔ اب اسکی وسعت بڑھانی اسوقت تک ممکن نہیں جبتک کہ کسی متصل ملک سے کچھ زمین لیکر اس میں شریک نہ کی جائے اول تو زمین کی مقدار محدود ہے اس پر طرہ یہ کہ وہ سب کی سب ہر ایک کام کے واسطے یکساں مفید اور کارآمد نہیں نتیجہ یہ ہے کہ کاروباری لوگوں کو زمین کی نہ صرف ایک خاص مقدار مطلوب ہوتی ہے بلکہ اراضی مطلوبہ کا ایک خاص موقع پر واقع ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً دستکار ایسی دکان تلاش کرتا ہے جہاں اسکو مال کے واسطے خام پیداوار بھی بآسانی دستیاب ہوسکے اور اس کا مال بھی فروخت ہوتا رہے۔ بالفاظ دیگر وہ اپنی دکان شہر میں کھولتا ہے نہ کہ جنگل میں یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر۔ گویا دکان کے واسطے موقع خاص طور پر قابل لحاظ ہوتا ہے۔ یہی حال بڑے بڑے کارخانوں کا ہے جہاں خام پیداوار اور ایندھن لانے اور خریداروں کے پاس مال روانہ کرنے میں سہولت نظر آتی ہے۔ وہیں پر ما نوحم کارخانے تیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ جملہ ہندوستان میں کارخانے یا تو بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے قائم ہوئے ہیں جہاں کشتیاں چل سکیں یا ریلوے سٹیشن کے قریب ہوا رہیں علاوہ بریں پانی بھی بآسانی مہیا ہونا چاہئے۔ اور آبادی بھی قریب ہو تا کہ مزدور بلا دقت مل جائیں۔ اسی طرح جب ریل نکالی جاتی ہے تو شہر و بستیاں جو زمین حائل ہے ریل کے واسطے وہی کارآمد ہے باقی تمام زمین سے کچھ مطلب نہیں۔ معدنیات کو لو۔ کانوں میں ان کے دستیاب ہونے سے کیا فائدہ اگر وہاں سے ایسے مقامات تک ذرائع آمد و رفت نہ ہوں جہاں ان سے احتیاج پوری ہوں اور جہاں لوگ ان کے خواہاں ہوں۔ اکثر معدنیات صدیوں دبی پڑی رہتی ہیں اسوقت تک ان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں جبتک ان کے اردگرد ریل نہ نکل جائے جو ان کو ملک میں پھیلا سکے کاشتکاروں کو بھی زمین کے عمدہ موقع کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اور کاروباری طبقوں کو ہوتی ہے لیکن ان کی ضروریات مخصوص قسم کی ہیں اور صناعوں اور دستکاروں کی ضروریات سے جداگانہ طور پر وہ بیان ہوں تو بہتر ہے ؛

موقع محل کی اہمیت

باب ۴ فصل (۲) زرعی زمین کے قطع نظر کاروبار کے واسطے کسی زمین کا موزوں ہونا دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول اس کا موقع۔ دوم گردونواح میں اس کے ذرائع آمد و رفت کی رسائی جب کوئی خطۂ زمین کسی کاروبار کے واسطے خاص طور پر موزوں ہو اور جس قدر لوگ اسکے خواہاں ہوں ان سب کے واسطے اس کا رقبہ ناکافی ہو تو وہ ان لوگوں کو کرایہ پر دی جاتی یا انکے ہاتھ فروخت کر دی جاتی ہے جو سب سے زیادہ کرایہ یا قیمت پیش کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قصبوں اور شہروں میں زمین بیش قیمت ہوتی ہے۔ وہاں اسکا رقبہ اس قدر کم ہوتا ہے کہ ایکڑ کے بجائے گزوں کے حساب سے پیمائش کی جاتی ؛

زراعت کے سوا پیدائش دولت کے باقی شعبے اکثر شہر اور قصبوں میں قائم ہوتے ہیں یعنی جہاں رقبہ کم و بیش محدود ہو اور مکانات قریب قریب بنے ہوں ہندوستان کے چند بڑے بڑے شہروں کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ زمین کا موقع محل اور اسکے ذرائع آمد و رفت کیسی اہم اور نتیجہ خیز چیزیں ہیں چنانچہ ہم دہلی، قنوج کانپور کالپی، مرشدآباد، اور کلکتے کی سرگذشت مختصراً بیان کرتے ہیں طالب علموں کو اسی طرح ان شہروں کی تاریخ کا پتا لگانا چاہیئے جن سے وہ واقف ہیں۔ اس تحقیقات میں انکو خود لطف آنے لگے گا۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا میں شہروں کے متعلق ضروری واقعات درج ہیں اور گذشتہ حالات کی تحقیق میں ان سے بہت مدد مل سکتی ہے ؛

شہر دہلی وغیرہ الخ ہندوستان کی تاریخ میں جہانتک قدیم ترین زمانے کا پتا چلتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی برابر آباد چلی آتی ہے نہ معلوم اول اول لوگ یہاں آکر کیوں بسے غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ مقام دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں پر پانی بھی بافراط موجود تھا اور کشتیوں کا ذریعہ آمد و رفت بھی ہاتھ آگیا تھا واضح ہو کہ ریل کے جاری ہونے تک ہندوستان میں کشتیاں تجارت اور سفر کے واسطے بہت زیادہ مستعمل تھیں۔ اس شہر کا موقع بھی کچھ ایسا ہے کہ مسلح فوج عبور دریا پر پورا قابو رکھ سکتی ہے اور جبتک ہندوستان بہت سے خود مختار بادشاہوں میں منقسم تھا مدافعت کے ایسے موقعے بہت قابل قدر شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ مہابھارت میں مذکور ہے کہ پانڈوؤں کے عہد حکومت میں دہلی دارالسلطنت تھی اور دنیا بھر میں یہی ہوتا آیا ہے کہ جو مقامات بادشاہوں نے دارالحکومت قرار دئے وہی کاروبار اور پیدائش دولت کے

باب دوم
ص ۱۰۲،

مرکز بن گئے۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں بادشاہ، ارکانِ سلطنت اور فوجیں رہیں وہیں مال و سامان بکثرت خرید و فروخت ہونے لگا۔ اور صناع و دستکار بھی وہیں آکر بس گئے بارھویں صدی عیسوی میں بھی یہ شہر ہندوؤں کا راجدھانی تھا۔ اور جب مسلمانوں نے ہندو راجاؤں کو مغلوب کیا تو انہوں نے بھی اسی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ مختلف خاندان کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں شہر کا موقع کچھ یوں ہی تبدیل ہوتا رہا مگر اُس کا رتبہ وہی برقرار رہا بحیثیت دارالسلطنت اس کی عظمت اٹھارھویں صدی میں گھٹنی شروع ہوئی اور انیسویں صدی میں بالکل ختم ہو گئی۔ لیکن اسی دوران میں قیام امن و امان اور توسیع و جراسے ذرائع آمد و رفت کی بدولت یہ شہر تجارت کا مرکز بن گیا اور اولوالعزم تاجر یہاں آ آکر آباد ہونے لگے جب ریلیں جاری ہوئیں کاروباری لوگ جوق جوق یہاں آکر جمع ہو گئے اور دہلی جیسے مشہور شہر میں ایسا ہونا کیا عجب ہے۔ ریلوں کی بدولت جب آمد و رفت میں طرح طرح کی سہولتیں پیدا ہو گئیں تو تجارت کو اور بھی فروغ ہوا اور بعض بعض عالی حوصلہ باشندوں نے جدید قسم کے کارخانے جاری کر دیئے جہاں طرح طرح کے کام ہونے لگے مثلاً روئی اوٹنا کپڑا بننا، آٹا پیسنا اور قسم قسم کی چیزیں تیار کرنا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں گو وہاں نہ کوئی بادشاہی دربار تھا نہ فوج نہ کوئی چھاؤنی لیکن اسی تجارت اور صنعت و حرفت کے طفیل سے ایک کثیر آبادی اچھی طرح پر گزران کرتی تھی اور اب تو وہ پھر ہندوستان کا دارالسلطنت منتخب ہوا ہے۔ اس کے دن پھرے ہیں۔ تجارت و صنعت کو وہاں جس قدر بھی فروغ ہو کم ہے۔

قنوج میں بھی قریب قریب وہی خوبیاں موجود تھیں جو دہلی میں ہیں بالخصوص اس زمانے میں جبکہ دریائے گنگا شہر کے قریب بہتا تھا آج سے نو صدی قبل یہ دونوں شہر یعنی دہلی اور قنوج عظمت میں ایک دوسرے کے ہمپلہ تھے۔ لیکن قنوج پر کچھ ایسا زوال آیا کہ اب تو بہت سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہندوستان کے نقشے میں وہ کہاں پر درج ہے۔ جب مسلمانوں نے اس خاندان کو مغلوب کیا جس نے قنوج کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا تب ہی سے قنوج کا زوال شروع ہوا مسلمانوں نے اسکو دارالسلطنت تو بنائے رکھا لیکن وہاں پر کبھی شاہی دربار قائم نہ کیا۔ پھر دریائے گنگا نے جو اپنا راستہ بدلا تو اس کی رہی سہی بات بھی جاتی رہی۔ اور کچھ عرصے بعد جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریل نکلنے سے شاہراہ تجارت

مکمل ہی تو قنوج پھر بھی اس سے دور ہی رہا چنانچہ آج وہ محض ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے یہاں کے کھنڈر اب بھی اسکی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتے ہیں کچھ مشہور صنعتیں خصوصاً عطر سازی جو کہ اس زمانے کی یادگار ہے۔ جبکہ قنوج صنعت وحرفت کا ایک مرکز تھا۔

کانپور قدیم شہر نہیں ہے اٹھارھویں صدی تک وہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن اب اچھا یا بے گنگا کے کنارے وہ آخری مقام ہے جہاں تک بڑی بڑی کشتیاں پہنچ سکتی ہیں۔ اس سے اوپر گنگا میں وسعت کم ہے۔ بڑی کشتیاں یہیں تک پہنچ سکتی ہیں۔ جوں جوں ترقی تجارت کے ساتھ گنگا پر کشتیوں کی آمدورفت بڑھی یہ مقام بھی زیادہ آباد ہوتا گیا۔ اور انیسویں صدی کے شروع ہی میں وہ فوج کی چھاؤنی بھی قرار دیا گیا۔ تجارت تو پہلے ہی قدم جما چکی تھی ریل بھی جاری ہوگئی۔ اب تو تمام دور کارخانے پھیلانا شروع کیا۔ کارخانے جاری ہونے لگے اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی ہندوستان کا خاص تجارتی و صنعتی مرکز ہوا ہے

کالپی جمنا کے جنوبی کنارے پر واقع ہے لیکن بمقابل کانپور اس کی سرگذشت بہت قدیم ہے۔ مسلمانوں کے زمانے میں وہ ایک حکومتی مرکز تھا اور وہاں ایک مشہور قلعہ بھی تھا اور جب دریائے جمنا شاہراہ تجارت بنا تو وسط ہند کا بیشتر غلہ اور روئی اس مقام سے کشتیوں پر لدنے لگی اور کچھ عرصے تک وہ ہندوستان میں اول درجے کا بندرگاہ شمار ہوتا رہا۔ لیکن جب ریل نکلی تو دریائی آمدورفت متروک ہوگئی۔ اور کالپی کی عظمت کا بھی خاتمہ ہوگیا البتہ جب سے کانپور اور جھانسی کے درمیان ریل جاری ہوئی کچھ کچھ تجارت میں جان پڑتی جاتی ہے۔

مرشد آباد کو اول اول اٹھارھویں صدی میں عروج ہوا جبکہ غالباً دریائی آمدورفت کے خیال سے وہ بنگال کا دارالسلطنت قرار پایا تجارت کو بھی وہاں بہت جلد فروغ ہوا۔ حتیٰ کہ اس صدی کے وسط میں وہ لندن جیسا وسیع آباد اور متمول شہر خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر میں اس کا زوال بھی شروع ہوگیا جب دارالسلطنت کلکتے میں منتقل ہوا تو صنعت وحرفت بھی جو شاہی دربار کی قدردانی سے سرسبز تھی کس مپرسی کے ہاتھوں تباہ ہوگئی تجارت بہت گھٹ گئی اور صرف ایک صدی قبل وہاں

باب دہم

فصل (۹)

جس قدر آبادی تھی آج بمشکل اس کا دسواں حصہ باقی ہے :
کلکتے کی سرگذشت بھی بہت مختصر ہے جس زمانے میں یورپ سے بحری تجارت کا سلسلہ قائم ہو رہا تھا انہیں دنوں اس کی بنا پڑی بحری تجارت کا جو یہ مرکز قرار پایا تو اسکی خاص وجہ تھی۔ کانپور کی طرح گنگا کے کنارے یہ بھی وہ آخری مقام تھا جہاں تک بڑے جہاز آسکتے تھے اس سے آگے بڑھنا ممکن نہ تھا یورپ اور ہندوستان کے درمیان تجارت جوں جوں بڑھی یہاں بھی آبادی اور دولت میں اضافہ ہوا حتی کہ کلکتہ جب تجارتی مرکز بن گیا تو دارالسلطنت بھی رفتہ رفتہ آگرہ سے وہیں منتقل ہوگیا۔ بعدہ وہاں طرح طرح کے کارخانے جاری ہوئے اور اب تجارت وصنعت کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں صرف بمبئی اس کی مدمقابل نظر آتی ہے اور کوئی نہیں ہے :

ذرائع آمد و رفت ور بگر قدیم شہروں کی ضرورت

شمالی ہندوستان کے مذکورۂ بالا اور نیز دیگر شہر وقصبات کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ شہر وہاں آباد ہوتے ہیں جہاں عمدہ ذرائع آمد و رفت موجود ہوں قدیم زمانے میں اس شرط کے دوسرے معنی یہ تھے کہ وہ مقام ایسے دریاؤں کے قریب ہوں جن میں کشتیاں چل سکیں جب ایسے مقامات پر آبادی شروع ہوئی اور وہاں شاہی دربار اور دارالسلطنت قائم ہوئے تو سامان خوراک ولباس وغیرہ جیسی ضروریات کی مزید ضرورت بھی زیادہ بڑھی۔ صناع اور تجارت پیشہ لوگ بھی وہاں آ آکر بسنے لگے۔ اور اسی طرح وہ مقصوبات بڑے بڑے شہر بن گئے لیکن جب شاہی دربار یا دارالسلطنت منتقل ہوا تو بہت سے شہروں کی شان وعظمت بھی رخصت ہوگئی۔ جو کام کسی زمانہ میں دریاؤں سے نکلتا تھا اب وہ ریلوں سے نکلتا ہے۔ یعنی اب ریلیں تجارت وسفر کیواسطے ذرائع آمد و رفت بنی ہوئی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب نئے نئے شہر کنار دریا کے بجائے ریلوے لائن کے قرب وجوار میں رونق پارہے ہیں کسی زمانے میں صناع اور دستکار بطور خود کام کیا کرتے تھے۔ ملازمت کا رواج نہ تھا۔ جہاں جس قدر مال کی کھپت ہوتی تھی اتنے ہی کاریگر وہاں رہنے لگتے تھے یعنی ان کی آبادی عام منڈی یا بازار کی وسعت پر منحصر تھی صناع اور دستکار شاہی دربار کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ وہاں چیزیں بکثرت خریدی جاتی تھیں اور کچھ یہ کہ اسکے قرب وجوار میں امن وامان خوب برقرار رہتا تھا۔ چنانچہ جہاں کوئی شاہی دربار منتقل

جو اصناع بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لیتے۔ لیکن اب وہ پہلی سی حالت نہیں رہی یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑے بڑے کارخانے جنکی عمارات اس قدر بیش قیمت ہوں اور جن میں نہایت قیمتی اور گراں بار کلیں لگی ہوں یوں جگہ جگہ منتقل ہوا کریں۔ کسی مرکز میں صنعت و حرفت جاری کرنا اب بمقابل سابق زیادہ دشوار نہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اور اب محض دارالسلطنت بدلنے سے کاروبار پر کوئی زوال نہیں آسکتا۔ چنانچہ کلکتے کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ آجکل کارخانے ایسی جگہ جاری ہوتے ہیں جہاں مزدور با فراط دستیاب ہوسکیں۔ اور جب لوگ کاروبار سے لگ جاتے ہیں تو وہ اپنے کارخانوں کے ساتھ رہتے ہیں اور مثل سابق شاہی دربار یا دارالسلطنت کے پیچھے پیچھے نہیں پھرتے نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی نیا قصبہ جدید نمو اور صنعت و حرفت کے طفیل سے ترقی اور آباد ہو تو اس کی رونق اور ترقی زیادہ پایا ہوگی بمقابل ان قدیم شہروں کے جو محض بادشاہوں اور حکام کی سرپرستی اور حمایت کے محتاج ہوں۔

لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ جہاں ذرائع آمد و رفت اور دیگر قدرتی سہولتیں موجود ہوں وہیں قصبے آباد ہو جاتے ہیں گنگا اور جمنا کے کنارے بکثرت ایسے مواقع موجود ہیں جہاں کسی زمانے میں بھی آبادی کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ریلوے لائن کے اطراف و جوانب میں بھی بہت سی جگہ ایسی ہے جہاں قصبے بننے کے کوئی آثار نہیں۔ اور بہت سی بستیاں موجود ہیں جن کی ترقی کی کوئی امید نہیں معلوم ہوتی۔ آبادی شروع ہونے یا بڑھنے کا بہت کچھ دارومدار ایسے لوگوں پر ہے جن میں نئی تجارت کو جاری کرنے اور ترقی دینے کا حوصلہ موجود ہو تاجر اور صناع کا ظہور یہ ایک ایسا مبحث ہے کہ طالب علم کچھ معاشی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس پر توجہ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر بھی اتنا تو ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ شہروں کی آبادی اور ترقی کا یہ لوگ بھی ایک خاص ذریعہ ہیں تجارت اور صنعت ہی کی خاطر تو لوگ کسی خاص شہر یا قصبے میں آ کر رہتے ہیں اور چپہ چپہ زمین کے واسطے آپس میں کیسی کیسی کشمکش کرتے ہیں مکانات کے کرائے اور قیمتیں بڑھاتے ہیں چنانچہ آجکل سب شہروں میں یہی کیفیت نظر آرہی ہے ؎

فصل سات

زرعی زمین

پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ تاجر ہوں، صناع ہوں یا دستکار یہ سب زمین کے خواہاں تو بہت ہیں لیکن یہ نہیں کہ جو زمین دستیاب ہو اس کو لے لیں بلکہ ان کو صرف وہی قطعات مطلوب ہوتے ہیں جہاں رہ کر وہ سہولت سے اپنا کاروبار چلا سکیں۔ یہی حال کاشتکار کا بھی ہے لیکن اس کو موقع کے علاوہ زمین کے دیگر خواص یعنی زرخیزی وغیرہ کا بھی خیال ہوتا ہے۔ حالانکہ قصبے والوں کو موقع کے سوا اگر کوئی خیال درکار ہے تو یہ کہ زمین کی ڈھال اچھی ہو تاکہ پانی جمع نہ ہو اور زمین خشک اور صاف رہے۔ گویا قصبوں میں موقع محل ہی خاص طور پر قابل لحاظ ہوتا ہے۔ البتہ دیہات میں موقع کے علاوہ زمین میں دوسری خوبیاں بھی مطلوب ہوتی ہیں کاشتکاروں کو جو زمین کے موقع محل کا خیال ہوتا ہے اس کا ایک باعث تو یہ ہے کہ وہ بازار کے قریب رہنا چاہتے ہیں تاکہ زرعی پیداوار بہ سہولت فروخت کر سکیں۔ شہروں کے گرد و نواح میں ترکاریاں کثرت کاشت ہوتی ہیں جن سے مقابل غلے کے کہیں زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ شہروں سے دور دراز مقامات پر ان کی کاشت اس وجہ سے لاحاصل ہے کہ وہاں ان کا کوئی خریدار نہیں، اور انکا شہر تک لانا یا تو بہت بیش خرچ ہے یا وقت طلب۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے قرب و جوار میں زرعی زمین کی بہت زیادہ قدر ہوتی ہے اسکے واسطے کاشتکاروں میں باہم کیسی کشمکش رہتی ہے کہ دور افتادہ زمین کے مقابل اس کے لئے دس دس گنا لگان بخوشی ادا کرتے ہیں مزید براں دیہات میں بھی زمین کا موقع اکثر قابل لحاظ ہوتا ہے مثلاً کچھ قطعات ایسے ہوں جن کی نالے جھیل یا دریا سے آبپاشی ہو سکے تو قدرتاً ان کی نمد نما کی زمینوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ قریب کے کھیتوں کو کھاد دینے میں بھی سہولت

ہوتی ہے بلکہ کوڑا کرکٹ میں ہونے سے وہ خود ہی زرخیز بن جاتے ہیں دور افتادہ کھیتوں کے مقابل آس پاس کے کھیت کاشت کے واسطے زیادہ موزوں ہیں اور اسی وجہ سے لوگ ان کے بہت خواہشمند ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ موقع اگرچہ کاشتکار کے نزدیک بھی قابل لحاظ ہے لیکن موقع ہی کو سب کچھ نہ سمجھنا چاہئیے جبتک زمین قابل کاشت نہ ہو۔ کاشتکار اس کو کیوں لینے لگا۔ البتہ قدرتی زرخیزی جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اس کا زیادہ خواہشمند ہوگا ہندوستان کا بہت زیادہ رقبہ ناقابل کاشت ہے۔ پہاڑوں کے سلسلوں میں یا تو زمین بہت زیادہ پتھریلی ہے یا اس قدر اونچی نیچی ہے کہ وہاں کوئی کھیتی ہو ہی نہیں سکتی۔ میدانوں میں بھی بہت کچھ زمین بیکار ہے۔ یا تو وہ بہت سخت چکنی مٹی ہے یا نری ریت اور بالو۔ پس ایسی زمین سے زمیندار کو کچھ لگان وصول نہیں ہو سکتا البتہ جو زمینیں کھیتی کے قابل ہیں انکو لینے کے واسطے کاشتکار ہمیشہ تیار ہیں لیکن پیداواری زرخیزی کے مطابق زمین زمین کے لگان میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ فن زراعت کے خیال سے لفظ زرخیزی کے معنی بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں یہاں پر صاحب علم کو اس قدر بتانا کافی ہے کہ کھیت کی پیداوار کی مقدار اسکی زرخیزی پر منحصر ہے۔ پودوں کے واسطے جو غذا درکار ہے بعض کھیتوں میں کم ہوتی ہے اور بعض میں کافی۔ اسی طرح بعض کھیتوں میں پانی با فراط مل سکتا ہے اور بعض میں نہیں اور اسی قسم کے فرق مل جل کر کسی کھیت کو زیادہ زرخیز بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم۔ کسی گانوں میں طریق کاشت بغور دیکھو تو معلوم ہوگا کہ مختلف فصلوں کے واسطے یکساں زرخیز زمینوں پر جس قدر کوشش درکار ہے اس کے جدا گانہ معیار مانے جاتے ہیں معیار سے کوشش کی کوئی ایسی معین مقدار مراد نہیں کہ کوئی کاشتکار اس میں کمی بیشی کر ہی نہ سکے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض کاشتکار کھیت کی تیاری میں زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض مقابلتہً کم۔ تاہم اندازہ ہو سکتا ہے کہ بالعموم کس قدر کوشش کسی فصل کی تیاری کے واسطے موزوں اور مفید خیال کی جاتی ہے۔ بہت سے مقامات ہیں جہاں گیہوں کے واسطے تقریباً آٹھ مرتبہ کھیت جوتنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور جو کے واسطے صرف دو تین مرتبہ جوتنا۔ حالانکہ ایکھ کے واسطے بیس جوت درکار ہوں تو عجب نہیں تجربے سے کسان کو بخوبی معلوم ہے کہ

باب دوم
فصل (۷)

چار جوت کے مقابل آٹھ جوت سے کھیت میں گیہوں کی پیداوار زیادہ ہوگی اور اسی میں اس کا فائدہ ہے۔ اگر اس سے سوال کیا جائے کہ آیا بارہ جوت سے بمقابل آٹھ کے پیداوار زیادہ ہوگی تو وہ جواب اثبات میں دے گا لیکن غالباً وہ یہ بات تسلیم نہ کرے گا کہ اس کو آٹھ جوت کے مقابل بارہ جوت میں زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ واضح ہو کہ کوشش کے مروجہ معیار نسلہا نسل کے تجربوں سے قرار پاتے ہیں اور ان سے فن زراعت کے ایک نہایت اہم اور قابل لحاظ قانون کا پتہ چلتا ہے جسکو اصطلاحاً قانون تقلیل حاصل کہتے ہیں اس قانون کا اصلی تعلق تو فن زراعت سے ہے لیکن معاشیات میں بھی وہ بہت قابل توجہ مانا جاتا ہے۔ اور طلبا کو چاہئے کہ اسے اچھی طرح پر سمجھیں۔ اگرچہ فن زراعت جانے بغیر یہ سمجھنا دشوار ہے کہ اس قانون کی بنا کیا ہے :

قانون تقلیل حاصل

حاصل کلام یہ کہ مدتوں کے تجربے سے کاشتکاروں کو تحقیق ہوگیا کہ کسی فصل کی تیاری میں کسی کھیت پر ایک حد معین سے زیادہ کوشش کرنی فائدہ مند نہیں۔ زیادہ کوشش کرنے سے مقدار پیداوار تو بڑھتی ممکن ہے۔ لیکن یہ بھی اغلب ہے کہ جدید اضافہ اس مزید کوشش کا کافی صلہ ثابت نہو۔ اسی طرح تجربے سے ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آبپاشی کی بھی ایک حد ہے کھاد دینے اور تر انے کی بھی ایک حد ہے اگر اس حد سے تجاوز کیا جائے تو بجائے نفع کے نقصان ہوگا یعنی یہ تو ممکن ہے کہ ان ترکیبوں کو زیادہ زیادہ برتنے سے پیداوار بھی بڑھتی جائے۔ لیکن بالآخر ایک ایسی حد آئے گی کہ اس سے گذرنے کے بعد مزید پیداوار جدید مصارف سے قدر و قیمت میں کم رہے گی اور زیادہ ہونے کا تو ذکر کیا ہے۔ مثال سے یہ بات زیادہ واضح ہوگی۔ فرض کرو کہ کسی کھیت کو آٹھ مرتبہ جوتیں اور تین مرتبہ پال دیں تو فی ایکڑ پندرہ من گیہوں پیدا ہوں اب فرض کرو وہی کھیت آٹھ کے بجائے سولہ مرتبہ جوتا جانے لگا تو سولہ من فی ایکڑ غلہ پیدا ہونے لگے۔ گویا مزید آٹھ جوت کے معاوضے میں اس کو ایک من فی ایکڑ زیادہ پیداوار حاصل ہوگیا اس حالت میں اس کو کچھ فائدہ ہوگا اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اگر ایک جوت کی لاگت ۵ سیر غلے سے کم ہے تو اس کو یقیناً نفع ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں مزید صرفہ ایک من فی ایکڑ سے کم ہوگا اور زائد پیداوار پوری ایک من اور اگر جوت کے مصارف ۵ سیر فی ایکڑ سے زیادہ پڑیں تو نتیجہ اس کے برعکس ہوگا

نئی کاشت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جوشت بجائے نفع کے نقصان ہوگا جدید مصارف مزید پیداوار سے بڑھ جاویں
اسی طرح اگر زمین کو بجائے چار مرتبہ پانی دینے کے ایک من فی ایکڑ پیداوار بڑھ جاوے تو نفع نقصان
کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آیا پانچویں مرتبہ پانی کی لاگت ایک من فی ایکڑ سے یا زیادہ۔ مصارف اور
پیداوار کا باہمی مقابلہ یوں ہی کر کرکے لوگوں نے تجربے سے اس کوشش کے
معیار مقرر کر لئے ہیں جو فصل کی تیاری میں صرف کرنی چاہئیے کاشتکاروں کو معلوم ہے
کہ فصل کی تیاری میں زیادہ کوشش کرنے سے پیداوار بڑھتی تو ضرور ہے۔ لیکن
کوشش کرتے کرتے ایک ایسی حد آتی ہے کہ اس کے بعد جو کوشش کی جاوے تو مزید
پیداوار اس کے برابر نہیں ہوتی بلکہ کم رہتی ہے۔ کل ہندوستان میں کاشتکار اس
حد تک فصل کی تیاری میں کوشش نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جہاں آبادی کم
ہے اور زمین کے واسطے کچھ کشمکش نہیں ہے وہاں تو کاشتکار قانون تقلیل حاصل
کی حد سے ورے ہی کوشش ختم کر دیتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کوشش بڑھانے سے
آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا البتہ شمالی ہندوستان کے میدانی علاقوں میں جہاں
آبادی بہت گنجان ہے اکثر کاشتکار کوشش اس حد تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس
حد سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ان کے حق میں بجائے نفع کے نقصان ہوگا اور ہر جگہ
ایسے پست ہمت کاشتکار بھی موجود ہیں جو چاہیں تو زیادہ کوشش کر کے اپنی آمدنی
بڑھا سکتے ہیں؛

یہی واقعہ کہ جس حد تک کوشش سے فائدہ پہنچے اس کی بھی ایک حد ہے ایک اور
طرح پر ظاہر ہے جب کوئی کاشتکار خوش حال ہوتا ہے تو وہ فصل کی تیاری میں زیادہ
کوشش بھی کر سکتا ہے زیادہ کھاد اور پانی لگا سکتا ہے لیکن بجائے اس کے کہ وہ
اسی سابق کھیت پر اپنی تمام تر کوشش صرف کرے وہ نئے نئے کھیتوں کا متلاشی ہوتا
ہے مگر یہ ممکن ہوتا کہ وہ اسی ایک کھیت میں زیادہ کوشش کرتا زیادہ کھاد ڈالتا
اور پانی دیتا اور اسی حساب سے پیداوار میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تو وہ اپنی
کل کوشش اور روپیہ اسی ایک کھیت پر صرف کرتا اور نئے نئے کھیت لیکر
ان کے لگان سے زیر بار ہونا کیوں گوارا کرتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاں اسکے
پاس سامان زراعت بڑھا اور اس نے نئے کھیت تلاش کئے۔ وجہ یہ ہے کہ اسکو

باب دہم فصل (۱)

اچھی طرح پر معلوم ہے کہ سابق کھیت پر زیادہ کوشش اور روپیہ صرف کرنے سے پیداوار میں کافی اضافے کی گنجائش باقی نہیں ہے:

مارشل صاحب نے قانون تقلیل حاصل کو اس طرح پر بیان کیا ہے کہ کسی کھیت کی کاشت میں اگر زیادہ محنت اور اصل صرف کیا جاوے تو بالعموم پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ مقابلتہً کم ہوتا ہے اسی قدر محنت اور اصل کی سابق پیداوار سے بشرطیکہ فن زراعت میں کوئی جدید ترقی نمودار نہ ہوئی ہو۔

(منجانب مترجم گزارش ہے کہ مارشل صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے اس قانون کا اصل مفہوم واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ مورلینڈ صاحب نے اوپر جو بحث کی ہے اس میں اس قانون کو کاشت مختتم سے مخلوط کر دیا ہے جو کہ بالکل جداگانہ چیز ہے یہاں پر اس پیچیدگی کی تفصیل بحث بے محل اور قبل از وقت ہوگی صرف اشارہ کافی ہے۔ جب طالب علم کاشت مختتم کے معنوں سے واقف ہوگا تو قانون مذکور کے بیان میں مورلینڈ صاحب نے جو خامی چھوڑی ہے وہ خود نمایاں ہو جاوے گی) خیر مورلینڈ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ معاشیات کا یہ سب سے پہلا اہم قانون ہے اور لفظ قانون کا معاشی مفہوم فصل اول میں بیان ہو چکا ہے۔ قانون محض ایک نتیجہ ہے جو تجربے سے تحقیق ہو گیا ہو اور ہمکو معلوم ہے کہ یہ قانون کس قسم کے تجربے پر مبنی ہے اگر پیداوار میں مصارف کے ساتھ ساتھ یکساں نسبت سے اضافہ ہوتا تو پھر کسی کھیت پر محنت اور اصل صرف کرنے کی کوئی حد ہی نہ ہوتی لوگ سی ایک کھیت میں بے انتہا لاگت لگاتے اور اس کے حساب سے نسبتہً زیادہ پیداوار پاتے۔ لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ پیداوار کا اضافہ ہمیشہ اضافہ مصارف کا ساتھ نہیں دیسکتا کبھی نہ کبھی کاشتکار کوشش کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے آگے بڑھنے کا نتیجہ سوائے نقصان کے کچھ نہیں:

قانون تقلیل حاصل کی دو شرائط

مذکورہ بالا قانون دو شرائط کا خاص طور پر پابند ہے۔ پہلی شرط تو لفظ بالعموم میں مضمر ہے۔ یہ لفظ یا اسی کے مرادف الفاظ ہر معاشی قانون کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہر قانون میں مستثنیات بھی داخل ہیں جو کہ خاص خاص حالتوں میں نمودار ہوتی ہیں اور ہمارا روزمرہ کا تجربہ بھی یہی ہے کہ کبھی خلاف

باب دوم
ص(۰)

توقع بھی واقعات ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ قوانین کے بعض مستثنیات تو بہت دلچسپ ہوتے ہیں کچھ معاشیات جاننے کے بعد ان کے مطالعہ کا موقع آئے گا۔ سردست اس قدر جاننا کافی ہے کہ گو بالعموم یہ قانون صحیح اور درست ہے۔ لیکن ہر ایک کاشتکار اور ہر ایک کھیت پر اس کا منطبق ہونا لازمی نہیں ؛

دوسری شرط کا منشاء یہ ہے کہ اس قانون کا عملدرآمد اُن زمانوں سے مخصوص ہے کہ جن کے دوران میں فن زراعت میں کوئی قابل لحاظ اور اہم تبدیلیاں پیدا نہوئی ہوں۔ اس شرط کی ضرورت اس وجہ سے لاحق ہوئی کہ اگر فن زراعت میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہو جائے تو مصارف اور پیداوار کی باہمی نسبت بالکل تبدیل ہو جانی ممکن ہے شاید ایسی تبدیلی کے بعد زیادہ صرف کرنا کاشتکار کے حق میں مفید ثابت ہو یا مضر۔ لیکن جبکہ تبدیلی ظہور پذیر ہو چکی تو قانون پھر بحال ہو جاتا ہے یعنی بدستور اس کا عملدرآمد شروع ہوجاتا ہے۔ فائدہ مند مصارف کی مقدار بدل جاتی ہے۔ لیکن ایک ایسی حد پھر بھی قائم رہتی ہے کہ اس کے آگے مصارف باعث نقصان ثابت ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ شمالی ہندوستان میں نئے قسم کے ہل استعمال کئے جائیں اور اُن کی چار جوت پُرانے قسم کے ہلوں کی آٹھ جوت کے برابر کارآمد ہوں ایسی حالت میں ممکن ہے کہ زمین کو چھ مرتبہ جوتنا زیادہ مفید ثابت ہو گویا پرانے ہلوں کی آٹھ جوت سب سے زیادہ فائدہ مند تھیں اور نئے ہلوں کی چھ جوت۔ صرف مصارف کی مقدار بدل گئی۔ لیکن حد اب بھی قائم رہی چھ سے زیادہ جوت اب بھی ایسی ہی باعث نقصان ثابت ہونگی جیسے کہ آٹھ سے زیادہ پہلے ثابت ہوئیں ؛

ہر دو مذکورۂ بالا شرائط کے لحاظ سے یہ قانون بالکل درست ہے اور ہندوستان انگلستان اور فرانس وغیرہ سب ممالک کے کاشتکاروں کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔ زرعی زمین کے متعلق یہ نہایت اہم اور نتیجہ خیز قانون ہے یہاں پر تو صرف اس کا بیان مقصود تھا۔ لیکن آگے چل کر اس سے ایک خاص کام لیا جاویگا یعنی یہی قانون مسٹر ریکارڈو کا سنگ بنیاد بنے گا؛

فصل آٹھ

محنت

محنت کی ماہیت۔

پیدائش دولت کا دوسرا عامل محنت کہلاتا ہے۔ انسان جتنے کام کرتا ہے وہ سب محنت کے مفہوم میں داخل ہیں البتہ جانوروں کے کام اس سے خارج ہیں۔ واضح ہو کہ بعض انسانی افعال ایسے بھی ہیں جن سے دولت پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسی بنا پر چند معاشیین نے نہایت اہتمام سے پیدا آور اور غیر پیدا آور محنت کی تفریق نکالی ہے لیکن اس تفریق کا دار و مدار بیشتر لفظ دولت کے مفہوم پر ہے اور بالخصوص اُن چیزوں سے متعلق ہے جن کے دولت ہونے نہ ہونے میں شک اور اختلاف ہے۔ یہاں پر اس تفریق کی بحث چھیڑنی بے محل ہے۔ اول طالب علم کچھ معاشیات پڑھ لیں تب وہ اس تفریق کو بہتر سمجھ سکیں گے۔ لفظ محنت سے مراد کبھی تو کام ہوتا ہے۔ اور کبھی خود کام کرنے والا یعنی مزدور طالب علم کو چاہیے کہ دونوں معنی پیش نظر رکھے۔ کیونکہ کام کرنے والوں سے کام جدا کرنا ممکن نہیں ؛

جو کام لوگ کرتے ہیں ان کی بے شمار قسمیں ہیں۔ کام کچھ تو جسم کے پٹھوں کی مدد سے انجام پاتے ہیں۔ اور کچھ دماغی قوتوں سے لیکن اس بنا پر کام کی تفریق کرنی محال ہے کیونکہ بالعموم لوگ کام کرنے میں پٹھوں اور دماغ دونوں سے مدد لیتے ہیں اور وہ کام دونوں کے اتفاق عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو قلی یا مزدور ہے جو بوجھ اٹھاتا چلا جس کو اپنے دماغ سے بہت کم مدد لینی پڑتی ہے اور دوسری طرف طبیب اور وکیل جیسے لوگ ہیں جو اپنا کل کام دماغ سے لیتے ہیں اور اپنے پیشے کے کام میں ان کو پٹھوں سے مدد لینے کی شاید کبھی ضرورت پڑتی ہو۔ ان ہر دو انتہائی طبقوں کے بین بین اور بہت سے گروہ ہیں جو جسمانی پٹھوں اور دماغی قوتوں سے ایک ہی ساتھ بمدارج مختلف اپنے کام میں مدد لیتے ہیں مثلاً کاشتکار، دستکار اور نقل نویس

باب دوم
فصل (۸)

جس کا کام بیشتر ہاتھ سے سرانجام پاتا ہے بہتر ہوگا کہ محنت کے مضمون کا مطالعہ شروع کرتے وقت ہم اول ایسے شخص کی مثال لیں جو اپنا کام پٹھوں کی مدد سے سرانجام دیتا ہو مثلاً مزدور اور خدمت گار۔

ترغیب کی ضرورت

مزدوروں کی کسی گانوں یا قصبے میں کمی نہیں۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مزدور کام کرتا کیوں ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے۔ اس کو کھانے کپڑے کی ضرورت ہے اور محنت کی جو اجرت ملتی ہے اس سے وہ ضروریات خریدتا ہے۔ گویا مزدور اس لیے محنت کرتا ہے کہ کچھ دولت اس کے ہاتھ آئے جسے صرف کرکے وہ اپنے احتیاجات پورے کرے۔ یہ سچ ہے کہ پٹھوں سے کام لینے میں انسان کو ایک لطف بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ لوگ ورزش کرتے ہیں۔ کرکٹ ہاکی۔ فٹبال جیسے کھیل کھیلتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بطور شوق و تفریح معمولی مزدوروں کا سا کام کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسے لوگوں کی تعداد یورپ کے مقابلے میں یہاں کم پائی جاتی ہے مثلاً باغوں میں کیاری کھودنا، پودے لگانا، لکڑی چیرنا۔ معمولی مزدوروں کو بھی اپنا کام عمدہ طور پر کرنے میں ایسا ہی مزہ آتا ہے جیسا کہ کرکٹ میں اچھی ہولی ہٹ لگنے یا فٹ بال ہاکی میں گیند پر عمدہ چوٹ پڑنے سے کھلاڑی کو لطف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ بالعموم مزدور محض کام کے لطف کی خاطر محنت نہیں کرتا گو ضمناً اس کو لطف بھی محسوس ہو۔ چنانچہ جب کبھی اس کو کام نہیں ملتا تو وہ خالی لطف کے واسطے محنت نہیں کرتا بلکہ بیکار بیٹھا رہتا ہے۔ عام طور پر مزدور کو کام ناخوش گوار معلوم ہوتا ہے مفت میں وہ کبھی کام کرنا گوارا نہ کرے گا۔ بلکہ کافی اجرت کا لالچ دیکر اس سے کام لینا پڑتا ہے مزدور کو جس قدر اجرت ملتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔ یہ ایک غور طلب سوال ہے جس پر ہم آیندہ بحث کریں گے سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگ مفت بیگار میں کام کرکے نہیں دیتے بلکہ اجرت کے لالچ سے ان کو محنت کرنے پر رضامند کرنا پڑتا ہے۔

مزدور کی طرح یہی حال کاشتکار اور دستکار کا بھی ہے۔ جبتک ان کو کچھ معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو وہ کام کو ہاتھ نہیں لگاتے البتہ اس قدر فرق ہے کہ مزدور کو بعد اً

باب دوم
فصل (۸)

یا ماہانہ اجرت ملجاتی ہے اور کاشتکار و دستکار اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں سے اپنا حصہ نکالتے ہیں۔ مثلاً کاشتکار خوب سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنے کھیت کو اچھی طرح پر نہ جوتے اور نہ پانی دے اور کام کا وقت بیکار گنوا دے تو کچھ ماہ بعد جب فصل کاٹنے کا وقت آئے گا تو کچھ بھی پیداوار اس کے پلے نہ پڑے گی۔ یا پڑی بھی تو بہت کم۔ اسی آیندہ پیداوار کی امید پر وہ مہینوں پہلے سے کھیت میں جان مارتا ہے گویا کاشتکار کو مزدور کے مقابلے میں معاوضے کا زیادہ عرصے تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مزدور کو تو روز کے روز یا ماہ بماہ اجرت مل جاتی ہے۔ لیکن کاشتکار کئی ماہ بعد فصل تیار ہونے پر اپنی محنت کا صلہ پاتا ہے۔ مزید براں بالعموم کاشتکار مزدور سے محنت بھی زیادہ کرتا ہے اسی طرح دستکار جانتا ہے اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے تو پھر مصنوعات کیونکر فروخت کرے گا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے سامان کی قیمت کے لالچ ہی سے محنت کرتا ہے اسی قیمت سے بعد کو کھانے پینے اور اپنے آرام کا سامان خریدتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ترغیب کی شکلیں تو مختلف ہوتی ہیں مزدور کے لئے اجرت کاشتکار کے لئے فصل کی پیداوار اور دستکار کے حق میں قیمت مصنوعات۔ لیکن بلا ترغیب بلا معاوضہ محض لطف کی خاطر کوئی بھی کام نہیں کرتا بالعموم محنت ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے اور لوگ اپنی ضروریات حاصل کرنے کی غرض سے محنت کی دشواری برداشت کرتے ہیں۔

مزدوروں کی تعداد اور کارکردگی کا تعلق

اب فرض کرو کہ دیگر عاملین پیدائش یعنی زمین اور اصل کی مقدار میں کمی بیشی نہو وہ معین رہے تو پیدائش دولت کا بیشتر انحصار مزدوروں کی تعداد پر ہوگا۔ جہاں مزدور جس قدر زیادہ کثرت سے مصروف کار ہوں گے وہاں اتنی ہی زیادہ دولت پیدا ہوگی۔ لیکن اس نتیجے کے ضمن میں ایک نکتہ بطور استثنا کے قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ محنت بھی مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ اعلیٰ ادنیٰ مہارت طلب غیر مہارت طلب سہل دشوار، اب اگر چند مہارت یافتہ مزدور اعلیٰ قسم کا کام خوب محنت سے کریں تو وہ غیر مہارت یافتہ اور کاہل مزدوروں کی بڑی جماعت سے کہیں زیادہ دولت پیدا کر سکتے ہیں۔ گویا محنت کو عامل پیدائش تصور کرتے وقت نہ صرف مزدوروں کی تعداد بلکہ ان کی کارگزاری بھی قابل لحاظ ہے یعنی وہ کس قسم کا کام کس

باب دوم فصل (۵)

کوشش سے کرتے ہیں اول ہمکو تعداد کے پہلو پر نظر ڈالنی چاہئیے چنانچہ ذیل میں اول آبادی کا مسئلہ بیان کرتے ہیں کیونکہ لوگوں کی جماعت کثیر ہر جگہ قوت بازو سے روزی کماتی ہے ؛

آبادی پر اثر ڈالنے والے اسباب

ہر زمانے میں آبادی کی کمی بیشی مختلف اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے ان میں سے بعض کا اثر تو انسان کی شرح پیدائش پر پڑتا ہے بعض کا شرح اموات پر اور بعض اسباب کا توطن پر شرح پیدائش سے یہ مراد ہے کہ کس جماعت میں سال بھر کے اندر کس قدر بچے پیدا ہوئے اگر ایک ایک ہزار آدمیوں کی دو جماعتیں ہوں اور سال بھر کے اندر ان میں سے ایک میں چالیس بچے پیدا ہوں اور دوسری میں صرف بیس تو صاف ظاہر ہے کہ اول الذکر جماعت کی تعداد بمقابل آخر الذکر کے بہت سرعت سے بڑھے گی جن جن اسباب کا شرح پیدائش پر اثر پڑتا ہے وہ سب پورے طور پر ابتک تحقیق نہیں ہوئے اور نہ ان کا مطالعہ علم معاشیات کا کوئی جزو ہے بلکہ وہ سب کے سب علم صحت عامہ میں داخل ہیں۔ طالب علم کو اتنا جاننا کافی ہے کہ شرح پیدائش میں جابجا بڑا فرق ہوتا ہے یعنی وہ کہیں زیادہ ہوتی ہے کہیں کم ؛

یہی حال شرح اموات کا سمجھنا چاہئیے۔ مثلاً اگر مذکورہ بالا جماعتوں میں سے ایک میں چالیس آدمی سال بھر میں فوت ہوں اور دوسری میں صرف بیس تو آخر الذکر جماعت کی تعداد اور آبادی اول الذکر کے مقابل جلد جلد بڑھے گی یا اگر ایسا ہو کہ دونوں کی تعداد گھٹ رہی ہو تو اس صورت میں اول الذکر کی تعداد بمقابل آخر الذکر کے زیادہ سرعت سے گھٹنے لگے گی۔

مسئلہ آبادی کے تیسرے شعبے یعنی توطن سے یہ مراد ہے کہ بہت لوگ اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ملکوں کو جاتے ہیں اور بہت سے باہر سے آ آکر انکے وطن میں آباد ہوتے ہیں بحیثیت مجموعی تو ہندوستان میں توطن کا کچھ زیادہ اثر نظر نہیں آتا۔ یعنی نہ بہت سے لوگ باہر جاکر آباد ہوں نہ باہر سے آکر یہاں بسیں تاہم بعض بعض حصص ملک پر اس کا تھوڑا بہت اثر ضرور پڑتا ہے لیکن بعض ایسے ممالک ہیں اور ان کی حالت بھی خاص ہے کہ جہاں توطن کی بدولت آبادی کی تعداد میں بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا ہوں تو عجب نہیں مثلاً کناڈا اور آسٹریلیا جیسے نئے ممالک کی آبادی نو واردوں کی کثرت سے بہت بڑھ رہی ہے اس کے برعکس بعض

باب دوم
فصل (۸)

ممالک اور خصوصاً آئرلینڈ میں آبادی محض اس وجہ سے گھٹ رہی ہے کہ وہاں کے باشندے وطن چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں بس رہے ہیں ؛

شرح پیدائش و اموات کے اسباب کا بیان تو بیشتر معاشیات کے دائرے سے خارج ہے لیکن اسباب توطن کی بحث بہت کچھ معاشیات کا جزو ہے۔ کیونکہ جب بڑی بڑی جماعتیں اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہوتی ہیں تو اُن کا مقصد اکثر یہی ہوتا ہے کہ نئی جگہ زیادہ دولت کمائیں۔ یہ سچ ہے کہ توطن کے اسباب اور بھی ہو چکے ہیں مثلاً تاریخ کا متعلم جانتا ہے کہ وہ مذہبی اسباب تھے جن کی بدولت پارسی بمبئی میں آکر آباد ہوئے یا خاندان ہیوجنیاٹ انگلستان آیا لیکن آجکل بڑے بڑے گروہ ایسے اسباب کی بنا پر وطن نہیں بدلتے لوگ کناڈا جیسے ممالک کو اس لالچ سے جاتے ہیں کہ وہاں اجرت زیادہ ملتی ہے یا وہاں اکثر ممالک یورپ کی نسبت زمین بہت ارزاں ہاتھ آجاتی ہے۔ اسی طرح جنوبی ہند کے بہت سے مزدور بھی اسی وجہ سے سیلون یا برما چلے جاتے ہیں کہ وہاں اجرت زیادہ ملتی ہے۔ توطن کے حالات اور اسکے اسباب معاشی کے واسطے خاص طور پر باعث دلچسپی ہوتے ہیں اُن کے متعلق آیندہ فصل میں کچھ بیان ہوگا۔ لیکن کافی معاشیات جاننے کے بعد تفصیلی بحث کا لطف آئے گا۔

مالتھس کا مسئلہ آبادی

گو یہ مسلم ہے کہ جو اسباب آبادی پر اثر ڈالتے ہیں یعنی جو کہ شرح پیدائش و اموات گھٹاتے بڑھاتے ہیں اُن کی بحث معاشیات کے دائرے سے خارج ہے۔ تاہم اضافۂ آبادی کے متعلق ابتک جو کچھ تجربہ حاصل ہوا ہے معاشیین اُس کو قانون کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور بالخصوص ان میں سے ایک معاشی یعنی مالتھس کی تحقیقات کا بعد کی تصانیف پر اتنا اثر پڑا ہے کہ طالب علم کو مالتھس کے قانون آبادی سے واقف ہونا ضروری ہے گو بحالت مبتدی وہ اسکی اہمیت کا پورے طور پر اندازہ نہ کر سکے۔ تاریخ کے مطالعہ سے مالتھس نے یہ نتیجہ نکالا کہ ہر ملک میں آبادی بہ سرعت اور علی الاتصال بڑھتی ہے اور اگر خاص اسباب آبادی کے اضافے کو نہ روکیں تو بالآخر آبادی اس قدر بڑھ جائے گی کہ خوراک اور دیگر ضروریات بوجہ قلت لوگوں کو میسر نہ آسکیں گی۔ اسی

نتیجے کو بہ شکل قانون یوں بیان کرتے ہیں کہ آبادی اس حد تک بڑھ سکتی ہے جہاں تک لوگوں کی گذران ہو سکے باالفاظ دیگر معاش کی حد تک آبادی کا اضافہ ممکن ہے۔

باب ۱۰۴ حصہ ۳، (۸)

اس قانون آبادی کی بحث کے واسطے تاریخ عالم کا تفصیلی مطالعہ درکار ہے اور نو دست طالب علم کو صرف اس کا مطلب سمجھ لینا کافی ہے۔ قانون آبادی کا بیان یہ ہے کہ بالعموم ہر ملک میں لوگوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن خاص خاص اسباب آبادی کے اضافے کو روکتے اور اُس کو مناسب حدود کے اندر رکھتے ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگ جنگ میں مارے جائیں یا قحط میں بھوکوں مریں۔ یا کوئی وبا مثل طاعون یا ہیضہ ان کا قلع قمع کردے لیکن اگر آبادی کی یوں کاٹ چھانٹ نہ ہوتی رہے تو آبادی کی بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت آجائیگی کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ جس قدر خوراک اور دیگر ضروریات مہیا ہو سکتی ہیں وہ سب صرف میں آجائیں گی۔ اور جب آبادی اس سے بھی زیادہ بڑھیگی تو پھر چیزوں کی قلت محسوس ہوگی، اور کافی ضروریات میسر نہ آسکیں گی ؛

ہندوستان جیسے بڑے ملک میں یہ قانون کیونکر عمل پیرا ہے۔ اس کا پتہ چلانا کچھ آسان نہیں ہے اول ایک گانوں کی مثال لیکر دیکھنا چاہیئے کہ وہاں کی آبادی کو کیا کیا حالات پیش آتے ہیں۔ اس طرح پر یہ قانون زیادہ سہولت سے سمجھ میں آسکے گا۔ فرض کرو کہ کسی گانوں کی آبادی بس اس قدر ہے کہ لوگ اسکے گرد و نواح کی کل زمین کاشت کرکے زندگی بسر کرسکیں۔ نیز فرض کرو کہ وہاں کے لوگ زراعت کے سوا اور کوئی کام نہیں کرسکتے اور یہ بھی مان لو کہ وہاں کی کل پیداوار انھیں لوگوں کے صرف میں آجاتی ہے۔ باہر والوں کے ہاتھ فروخت نہیں ہوتی۔ اب اگر آبادی بڑھے تو پھر کیا نتیجہ ہوگا۔ زیادہ خوراک درکار ہوگی اور اب تک جس اہتمام سے کاشت ہوتی تھی۔ اس سے زیادہ اہتمام کرنا پڑیگا تاکہ زمین کے اس رقبے سے زیادہ زیادہ پیداوار حاصل ہو لیکن گذشتہ فصل میں ثابت ہو چکا ہے کہ جب کاشت میں بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے تو قانون تقلیل حاصل کا عمل درآمد شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی مزید پیداوار کی مقدار بمقابل سابق

کم ہونے لگتی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ بڑھتے بڑھتے بالآخر آبادی کی یہاں تک نوبت آسکتی ہے کہ لوگوں کو کافی خوراک میسر نہ ہو۔ پیداوار کی مجموعی مقدار فی نفسہ تو بمقابل سابق زیادہ ہوگی لیکن فرداً فرداً لوگوں کے حصے میں کم آنے گی۔ حالات شاہد ہیں کہ وقتاً فوقتاً ہیضہ اور طاعون جیسی وبائیں نمودار ہو کر آبادی کو کم کرتی رہتی ہیں تاکہ وہ حد مناسب سے تجاوز نہ کر سکے لیکن ایسی وباؤں کی بہت کچھ روک تھام ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اکثر ممالک یورپ ان سے محفوظ ہیں اور امید ہے کہ جب صفائی کا زیادہ اہتمام کیا جائے گا تو ہندوستان سے بھی یہ امراض دفع ہو جائیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قدر گنجان آبادی والے گانوں میں کیا صورت پیش آتی ہے۔ کچھ باشندے ضرور بہ تلاش روزگار وہاں سے چل دیں گے اور قرب وجوار میں دوسری جگہ ہنچکر اونچی ذات والے تو سپاہی اور چپراسی بن جائینگے اور نیچ ذات کے لوگ کارخانوں یا کوٹھی کی کانوں میں مزدوری کرنے لگیں گے لیکن فرض کرو کہ ملک کے تمام گانوں قصبوں اور شہروں میں آبادی کی اسی قدر کثرت ہو جسقدر کہ یہاں ہے تو پھر اس گانوں کے باشندے کہاں جائیں گے اور جائیں تو گھر رہکر کیا کھائینگے اب یا تو کافی کھانا نہ ملنے کی وجہ سے لوگ مرنے شروع ہونگے یا وہ کوئی ایسی ترکیب نکالیں گے کہ آبادی اس حد سے آگے نہ بڑھ سکے جس حد تک روٹی میسر آسکتی ہے چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض بعض قوموں نے آبادی روکنے کے عجیب عجیب طریق اختیار کر لیے تھے۔ مثلاً جو بوڑھے لوگ کام کاج سے معذور ہو جاتے تھے یا تو وہ مار ڈالے جاتے تھے یا وہ بھوکوں مرجاتے تھے کوئی اُن کی دستگیری نہ کرتا تھا۔ اور کل کی بات ہے کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں لوگ کم سن بچوں کو مار ڈالتے تھے اور طفل کشی روکنے کے واسطے ابتک خاص قانون نافذ ہے لیکن آبادی محدود کرنے کے ایسے طریقے مہذب ممالک میں نہیں برتے جا سکتے ہیں وہاں پر آبادی کو حد سے نہ بڑھنے دینے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ مرد اور عورتیں ضبط سے کام لیں تاکہ کم اولاد پیدا ہو۔

یہ وہ خطرناک حالت ہے جو مالتھس کے پیش نظر تھی۔ گویا اسکے نزدیک ایک

باب دوم
فصل (۵)

ایسا وقت آنے والا تھا کہ لوگوں کو اپنی اولاد کی تعداد معین کرنی پڑتی تاکہ آبادی بڑھکر حدود معاش تک نہ آ لگے یعنی اس قدر نہ بڑھ جائے کہ ناگزیر ضروریات مثل خوراک وغیرہ بہ قلت میسر ہوں بجائے اس کے کہ جماعت کثیر افلاس و مصیبت میں زندگی کے دن تیر کرے یہ بہتر ہے کہ مختصر گروہ آرام و راحت سے رہے۔ اور بمقدار مناسب ضروریات زندگی کا لطف اُٹھائے۔ واضح ہو کہ جس زمانے میں مالتھس نے مثلاً آبادی پر قلم اُٹھایا تھا دنیا کی حالت آجکل کے مقابل بالکل جداگانہ اور مختلف تھی۔ کس کو معلوم نہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے۔ جبکہ ریل اور دخانی جہازوں کے ذریعے سے خوراک اور دیگر ضروریات کی کثیر مقداریں دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک مہیا کرینگی۔ یہ پیش کردہ مسئلہ اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر ملک کو اپنے واسطے سامان خوراک خود ہی پیدا کرنا پڑتا ہے ورنہ مالتھس کے زمانے میں حالت بھی یہی تھی لیکن اب معاملہ دگرگوں ہے۔ اب بیا ہے تو ایک ملک اپنا کل سامان خوراک دوسرے ملک سے منگا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی دوسری شکل میں کافی دولت پیدا کرتا ہو جس کو بطور قیمت معاوضے میں دے سکے مثلاً انگلستان اپنی خوراک کا بہت تھوڑا حصہ خود پیدا کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی گوناگوں مصنوعات کے عوض میں دوسرے ملکوں سے خوراک کا سامان لیتا ہے۔ لیکن اگر انگلستان میں اتنا لوہا اور کوئلہ نہ ہوتا جس سے بیشمار کارخانے چلتے ہیں اور مصنوعات تیار ہوتے ہیں تو وہ اپنے سامان خوراک کی قیمت کہاں سے ادا کرتا اور اگر دوسرے ملکوں سے خوراک نہ منگاتا تو اتنی کثیر آبادی کا انگلستان کی پیداوار پر گزارہ ہونا محال تھا۔ باہر سے خوراک نہ منگانے کی حالت میں وہ ضرور بمقابل حال زیادہ مقدار اپنے ہاں پیدا کرتا لیکن جب وہ ناکافی ثابت ہوتی تو مجبوراً لوگ وطن چھوڑ چھوڑکر دوسرے ملکوں میں جا آباد ہوتے اب سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی ملک اپنے واسطے کیونکر کافی خوراک پیدا کرے۔ بلکہ یہ کہ وہ کیونکر اس قدر دولت پیدا کرے کہ مطلوبہ مقدار خرید سکے۔ یہی ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ابتک پیدائش دولت کا عام ذریعہ زراعت ہے۔ پیداوار خوراک کی مقدار ایک اہم چیز مانی جاتی ہے لیکن ایسی حالت میں بھی یہ ممکن ہے کہ ایک فرقہ مثلاً روئی یا سن جیسی چیزیں کاشت

باب دوم
فصل (۵)

کرے اور اس کی قیمت سے خوراک خریدے ؛

اس مسئلے میں اور چند امور بھی غور طلب ہیں لیکن اُن کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔ وہ آئندہ بیان ہوں گے۔ سردست صرف اس قدر جتانا باقی ہے کہ اگرچہ ہندوستان کے بعض حصوں میں آبادی اس درجہ گنجان ہے کہ وہاں ذرائع معاش پر بار بنی ہوئی ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی آبادی کی حالت ایسی نہیں۔ اور مدبرین ہند کو جو فکر ہے وہ یہ نہیں کہ آبادی رُکے بلکہ یہ کہ وہ مساوی طور پر کل ملک میں پھیلے اور دولت کی پیداوار میں اضافہ ہو۔ اس کی سبیل بس یہی ہے کہ زراعت کو ترقی ہو صنعت و حرفت پھیلے اور ملک میں اس کی بہت گنجائش موجود ہے اگر ایسا ہوا تو جو آبادی اس وقت زائد نظر آتی ہے وہ بھی کام سے لگ جائے گی اور اپنی روزی آپ کمانے لگے گی ؛

فصل نو

مزدوروں کی نقل و حرکت

آبادی کی عدم مساوات

جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان ہو چکا ہے۔ مزدور تمام ہندوستان میں مساوی طور پر پھیلے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بعض قصبے اور شہر تو از حد گنجان آباد ہیں اور بعض میں اس قدر گنجائش باقی ہے کہ موجودہ آبادی سے کہیں زیادہ لوگ وہاں رہکر بسر اوقات بخوبی کر سکتے ہیں بالعموم آبادی زرخیزی زمین کے مطابق پھیلتی ہے چنانچہ وہ وسیع اور زرخیز میدان جس میں گنگا جمنا بہتی ہیں آبادی سے معمور ہے۔ حالانکہ کوہ ہمالیہ اور ممالک متوسط کے پہاڑی سلسلوں میں بلحاظ رقبہ آبادی بہت کم ہے آبادی کی گنجانی یوں معلوم ہوتی ہے کہ فی مربع میل اس کا اوسط نکال لیا جاوے۔ مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ اضلاع ہند میں آبادی کا اوسط کچھ کم تیس سے لیکر تقریباً ہزار آدمی فی مربع میل تک نکلتا ہے گویا آبادی کی تقسیم از حد غیر مساوی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ آبادی کی گنجانی کم و بیش زمین کی زرخیزی کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اس اصول پر بھی ہمیشہ عمل نہیں ہوتا اور تقسیم آبادی میں جو فرق پڑ جاتے ہیں وہ مدت میں رفع ہو سکتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ جہاں نئے نئے کارخانے اور کاروبار جاری ہوں اور جہاں عمدہ ذرائع معاش میسر آسکیں وہاں لوگ فوراً بہ تعداد کثیر جا آباد ہوں۔ بلکہ اس صورت میں بھی آبادی تھوڑی تھوڑی بتدریج بڑھتی ہے۔ چنانچہ کلکتہ، بمبئی اور کانپور جیسے کاروباری مرکزوں میں بعض وقت کارخانوں کے واسطے کافی مزدور نہیں ملتے۔ حالانکہ اسی زمانے میں ممالک متحدہ اور بہار میں بہت سے مزدور قریب قریب بیکار رہتے ہیں اور اُن کو کنبہ پالنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ یعنی کبھی تو مزدور اچھی سی اچھی اجرت پر بھی میسر نہیں آتے اور کبھی وہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جب آبادی

کی تقسیم غیر مساوی ہو تو اسقدر دولت پیدا نہیں ہوسکتی جتنی کہ اس حالت میں ہوتی۔ جبکہ آبادی کاروباری ضروریات کے مطابق منقسم ہوتی۔ یعنی آجر کو مزدور ملنے میں دقت نہ ہوتی اور مزدور بھی کم بیکار رہتے :

کسی زمانے میں تو یہ نوبت آگئی تھی کہ ہندوستان میں بعض حکومتیں نیز ذی اثر لوگ مزدوروں کو مجبور کرکے وہاں لیجاتے تھے جہاں اُن کی ضرورت ہوتی تھی۔ بیگار ابتک گاؤں والوں کو یاد ہے۔ بعض دیسی ریاستوں میں ابھی رواج ہو تو عجب نہیں۔ لیکن حکومت برطانیہ کے زیر سایہ ہندوستان میں حتی الوسع مزدور کو ذاتی آزادی سے مستفید ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ شاید اب بھی دیہات میں زمیندار لوگ مزدوروں سے بیگاری کام لیتے ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کام کی غرض سے کوئی شخص جماعت کثیر کو بالجبر کسی دور مقام پر لیجائے۔ اگر آجر مزدوروں کو کہیں لیجانا چاہتا ہے تو ان کو اعلیٰ اجرت اور گوناگوں رعایتوں سے وہاں جانے کی ترغیب دینی پڑتی ہے :

یورپ کے سابق معاشیین میں سے بعض نے یہ فرض کر لیا تھا کہ مزدور بہ تمام و کمال نقل پذیر ہے گویا اعلیٰ اجرت ملنے پر مزدور بھی اسی قدر بے تکلف اور جلد ہر کہیں جاسکتے اور جاتے ہیں جس طرح کہ پانی بلندی سے نشیب کی طرف بہتا ہے ایسی مکمل نقل پذیری تو دنیا کے کسی حصے میں بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ معاشیات کی مابعد تصانیف میں تو زیادہ تر ان موانعات سے بحث کی گئی ہے جو نقل محنت میں سد راہ ہوتی ہیں ملک ملک اور صدی صدی میں ان موانعات کی قوت مختلف رہی ہے۔ لیکن ان سب کی نوعیت بہت کچھ یکساں ہے۔ آؤ شمالی ہندوستان کی موجودہ حالت پر ایک نظر ڈالیں تاکہ ان موانعات کا حال کھلے :

سب سے اول تو مستقل اور عارضی توطن میں فرق جاننا ضروری ہے۔ یا تو مزدور جہاں کام ملے وہیں رہ پڑے اور ہمیشہ کے واسطے اپنا وطن بدلدے یا وہ اپنے کام کی جگہ تھوڑے بہت عرصے تک مقیم رہے لیکن بالآخر اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں لوگ مستقل طور سے متوطن ہو رہے ہیں۔ مثلاً ہزارہا لوگ کناڈا اور آسٹریلیا میں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان

میں یہ طریق مروج نہیں۔ بنگالیوں کے چند خاندان بنگال سے شمالی ہندوستان میں آکر سارتی ، الہ آباد اور دوسرے شہروں میں ضرور آباد ہو گئے ہیں۔ اسیطرح شمالی ہندوستان اور مدراس کے بعض خاندان حیدرآباد میں آبسے ہیں لیکن جو لوگ یوں مستقل طور پر وطن بدلتے ہیں اُن کی تعداد مجموعی آبادی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

— ۱۹۰۰ء
ص ۱۰۱

البتہ عارضی توطن کا اچھا خاصا رواج ہے لوگ ملازمت کے سلسلے میں یا ریل کے کارخانہ جات اور کانوں میں کام کرنے کے لئے کنبے کو چھوڑ کر گھر سے دور دور چلے جاتے ہیں وہاں سے کما کما کر گھر کو خرچ بھیجتے رہتے ہیں اور کچھ عرصے بعد خود بھی وطن کو پلٹ آتے ہیں ؛

آجکل ہندوستان میں نقل مکنت پر ذات اور مقام کا خاص اثر پڑتا نظر آتا ہے۔ بعض ذاتوں کے لوگ جو بعض بعض مقامات میں رہتے ہیں ہندوستان میں ہر کہیں جانے کو تیار ہیں اور جاتے ہیں۔ عارضی توطن ان لوگوں میں اس قدر عام ہے جس قدر دنیا میں کہیں اور ہو سکتا ہے۔ مثلاً جونپور اور اعظم گڈھ کے چمار دور دور سائیس کا کام کرتے ہیں۔ اودھ کے برہمن اور چھتری لوگ ہندوستان کے دور دور حصے میں بطور سپاہی اور ہرکارے بنتے ہیں اسی قسم کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔ اس کے برعکس کاشتکار اور کھیتی باڑی کے مزدور بہت کم گھنے ہیں۔ اول تو وہ اپنے گاؤں سے باہر قدم نہیں رکھتے اور بدرجۂ مجبوری اگر جاتے بھی ہیں تو قرب و جوار سے آگے نہیں بڑھتے۔ صناع اور دستکار البتہ کاشتکاروں کے مقابلے میں وطن چھوڑنے پر زیادہ آمادہ رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک گذشتہ فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ کسی زمانے میں وہ شاہی دربار کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ جہاں دارالسلطنت قائم ہوا وہیں انھوں نے خیمہ لا ڈالا۔ یہ لوگ اب بھی منفعت کی خاطر شہر بہ شہر پھرتے رہتے ہیں ؛

پس معلوم ہوا کہ ایک حد تک شمالی ہندوستان کے مزدوروں میں نقل و حرکت جاری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ بعض جگہ کے چند فرقے تو اس درجہ نقل پذیر ہوں۔ اور باقی اتنے کثیر فرقے وطن سے باہر قدم نہ دھریں۔ اس کا صحیح جواب تو ملک کی تاریخ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ایسی تاریخ ابتک

باب دوم
فصل (۱)

کبھی نہیں گئی اور کوئی قطعی نتیجہ اخذ کرنا دشوار ہے۔ البتہ اس قدر تحقیق ہوا ہے کہ شمالی ہند کے باشندے بالطبع وطن چھوڑنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور صرف خاص خاص حالتوں میں لوگ دوسری جگہ جاکر آباد ہوتے ہیں جن لوگوں کو مزدور درکار ہوں اُن کو چاہئیے کہ ان خاص حالتوں کا مطالعہ کریں۔ ان کے اسباب کی ٹوہ لگائیں اور اگر ہوسکے تو خود بھی ایسے اسباب پیدا کریں تاکہ جہاں ضرورت ہو وہاں مزدور چلے جائیں۔ اس مسئلے کا مطالعہ کرتے وقت یہ بھی لحاظ رکھنا چاہئیے کہ ہندوستان کی بیشتر آبادی کھیتی باڑی سے روزی کماتی ہے۔ کاشتکار اور دستکار میں ایک بہت بڑا فرق ہے وہ یہ کہ کاشتکار اپنے آلات و اوزار جابجا نہیں لیجا سکتا صناع یا دستکار تو اپنے اوزاروں کی تھیلی کندھے پر ڈال، اور کچھ گٹھری میں باندھ جہاں چاہے چلا جاتا ہے اور وہیں اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ کچھ بھی وقت نہیں ہوتی لیکن غریب کاشتکار کی مشکل ہے اول تو اس کو کھیت کی حالت اور اس کے خواص جاننے ضروری ہیں اور اگر وہ کھیت بدلتا رہے تو پرانی معلومات سے دست بردار ہو کر اس کو ہر مرتبہ از سر نو اپنے نئے کھیت سے واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ صرف یہی کیا کم دردسر ہے اور وہ کہیں دور دراز مقام کو چلا گیا۔ تو اسکو نئی آب و ہوا۔ نئے موسم اور نئی نئی فصلوں سے سابقہ پڑے گا۔ اور پوری واقفیت کیلئے مدت درکار ہوگی۔ چنانچہ ہر ملک میں یہی حالت ہے کہ کاشتکار اپنی جگہ سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ اور ہندوستانی کاشت کار کا تو یہ خاصہ ہے۔ کاشتکاروں کی جماعت سب سے بڑی ہے لہذا ان کے طرز عمل کا ملک کے دوسرے طبقوں پر بھی اثر پڑتا ہے اور بالعموم گاؤں کے باشندے کہیں گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔ البتہ اگر کوئی مجبوری آپڑے یا خاص لالچ دیا جائے تو دوسری بات ہے شاید وہ دوسری جگہ جا بسیں یا چند روز کے لئے کام کرنے چلے جائیں؛

تمدنی (۱)
معاشی (۲)

گھر سے باہر نکلنے کے واسطے جو دباؤ پڑ سکتا ہے وہ یا تو تمدنی ہوتا ہے یا معاشی اگر کسی شخص کی زمینداری سے ان بن ہو جائے یا کوئی شخص برادری میں مطعون ہو بالخصوص اگر اس کے چال چلن پر دھبہ آگیا ہو تو اُس کو ضرور کہیں اور جاکر بسنا پڑے گا اسی قسم کی مجبوریوں کا نام تمدنی دباؤ ہے یہ مجبوریاں طرح طرح پر پیش

س ۱۰۰
مسل ۹۱

آسکتی ہے۔ یا تو زمیندار اس کو گاؤں سے نکال دے۔ یا وہ اپنی برادری سے خارج کر دیا جائے اور کوئی اس کا ہمدرد نہ ہو بہر صورت اس کو اپنی زندگی بہت دوبھر معلوم ہوگی اور وہ کہیں قصبے میں جا کر آباد ہوگا جہاں اس کو کچھ دوست ملاقاتی میسر آسکیں۔ اس قسم کا تمدنی دباؤ معاشی نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں۔ جو لوگ اس طرح وطن بدلتے ہیں ان کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعض شہروں میں بدچلن لوگوں کی کثرت کیوں ہے۔ مثلاً کانپور میں اسی طرح کے خارج شدہ گنوار آبستے ہیں اور فساد مچاتے ہیں ؛

جب کوئی شخص اس وقت محسوس کرے کہ وطن میں رہ کر وہ روزی نہیں کما سکتا تو اس حالت کو وطن بدلنے کے لحاظ سے معاشی دباؤ کہتے ہیں۔ توطن کا یہ سبب فی نفسہ کچھ زیادہ اہم اور نتیجہ خیز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے گاؤں میں کمائی نہیں کر سکتے یا کم کرتے ہیں وہ بالعموم دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں بہت خراب اور نکمے ہوتے ہیں۔ وہ خواہ کہیں چلے جائیں ان سے کام نہیں چلتا علاوہ ازیں بوجہ جہالت وبے خبری کے نہ تو وہ یہ جانتے ہیں کہ کہاں جانا بہتر ہوگا اور باہر جانے کی ان کو ہمت پڑتی ہے۔ پس وہ یونہی تھوڑی سی کمائی پر اپنے گاؤں میں پڑے رہتے ہیں۔ جب کبھی محنت مزدوری مل گئی کر لی۔ اور کچھ خوشحال پڑوسیوں کی امداد وبخشش سے کام چلایا۔ غرض کہ تنگی ترشی سے اپنے ہی گاؤں میں زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر معاشی دباؤ پڑنے کے ساتھ ساتھ کچھ مزید ترغیب مل جائے تو دونوں اسباب کا مجموعی اثر توطن پر اچھا خاصا پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ زیادہ کمائی کے لئے بہت سے مزدور دور دراز مقام پر جا کر کام کرتے ہیں مثلاً اودھ کے رہنے والے نوجوان چھتری کو معلوم ہوا کہ باپ کی کھیتی باڑی میں کام کرنے کی ضرورت نہیں اور باپ کی کمائی کنبے کی پرورش کے واسطے ناکافی بھی ہے تو اس بات کو معاشی دباؤ سمجھنا چاہئے لیکن ممکن ہے کہ وہ اس پر بھی گھر نہ چھوڑے۔ اور تنگدستی گوارا کرلے۔ اب فرض کرو کہ اس کے دوست احباب دور دور مقامات مثلاً کلکتہ، حیدرآباد یا لاہور میں کام کرتے ہیں اور خوب کما کما کر گھر کو روپیہ بھیجتے ہیں۔ اب تو اس کے دل میں بھی گدگدی پیدا ہوگی ہمت باندھ کر وہ بھی وہیں

باب دہم
فصل (۹)

پہنچے گا اور دوستوں کے ذریعے سے جب وہ کام سے لگ جائے گا تو اسی طرح گھر کو خرچ بھیجنے لگے گا۔ یا مثلاً ولائتی کپڑے کی وجہ سے جولاہے کا کام مندا ہو جائے یعنی اُس کا بنا ہوا کپڑا فروخت نہ ہو یا کم فروخت ہو تو وہ اپنے اُن دوستوں کے پاس چلا جائیگا جو بمبئی یا احمد آباد میں روئی کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور ان کے سہارے سے خود بھی وہیں کام شروع کر دے گا۔ ایسے توطن کی ایک نہایت واضح مثال ناگپور کے قریب وارڈرا کی کوئلے کی کانوں میں نظر آتی ہے ۱۸۷۰ء میں جب وہاں کان کھودنے کی تجویز ہوئی تو ایک شخص بھوانی دین دکشت نے جو قریب کے ریلوے اسٹیشن پر ملازم تھا اپنے وطن رائے بریلی سے مزدور لانے کا ذمہ لیا چنانچہ ترغیب دے دلاکر وہ اپنے ہم وطن مزدوروں کا ایک گروہ لے آیا اور جب وہ کان ختم ہوئی تو یہ مزدور خوب کما کما کر اس وقت تک خوشحال ہو گئے اب ان کو کمائی کے لالچ نے ایسا گھیرا کہ وہیں رہ پڑے۔ اور کان کھودنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ جبتک کانیں جاری رہیں وہ لوگ وہیں لگے رہے۔ مگر جب کام سے واقف ہو گئے تو انھوں نے دوسری جگہ بھی جاجاکر کانیں کھودنی شروع کر دیں چنانچہ بنگال کی بہت سی کانوں میں یہی لوگ کام کرتے ہیں۔

توطن کا رواج

پس حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے وطن میں اپنے احباب و اعزا کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اور نئی نئی جگہ اجنبیوں میں جاکر رہنا ان کو پسند نہیں اور بالعموم ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں جانا ان کے حق میں مفید ہو گا۔ یہ بات کچھ ہندوستان ہی کے واسطے مخصوص نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی یہی حالت ہے۔ حاصل کلام یہ کہ دنیا بھر میں نقل محنت کے واسطے موانعات موجود ہیں۔ جن میں سے بعض کو جی چرانے سے تعبیر کر سکتے ہیں اور باقی کو جہالت سے۔ البتہ ان کے اثر کی قوت اور وسعت ہر ملک میں یکساں نہیں چند روز سے عارضی توطن کا رواج ہندوستان میں بھی بہت کچھ بڑھ گیا ہے اور غالباً بڑھتا رہے گا حتی کہ کاروباری ضروریات کے موافق مزدور ملک میں تقسیم ہو جائیں گے اور آجروں کو ہر جگہ کافی تعداد میسر آنے لگے گی۔ اس تبدیلی کا ایک خاص باعث تو اضافہ معلومات ہے۔ گانوں کے لوگ اب جان گئے ہیں کہ دوسری جگہ زیادہ روپیہ کمانا ممکن ہے اور اُن کو یہ بھی معلوم ہو چلا ہے کہ وہ مقامات کون سے ہیں اور کہاں ہیں بالفاظ دیگر جہالت کے موانعات ضعیف ہوتے جاتے

باب دوم
فصل (۹)

ہیں ایک دوسرا خاص باعث ریلوں کی توسیع بھی ہے۔ جن کی بدولت مزدور جلد اور تھوڑے سے خرچ سے دور دور اپنے کام کی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً اودھ کا نورباف دو روز میں چند روپے کے صرف سے بمبئی پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ صرف چند ماہ کے کام کی خاطر بہت سے نورباف شمالی ہندوستان سے بمبئی جاتے رہتے ہیں۔ اب اگر ریل نہ ہوتی تو بمبئی پہنچنے میں کتنے ماہ اور کس قدر روپیہ صرف ہوتا۔ اور تکلیف اٹھانی پڑتی سو الگ۔ ریل نے طرح طرح سے ہندوستان کی پیداآوری میں اضافہ کیا ہے۔ جنمیں سے ایک صورت یہاں بیان ہوئی کہ مزدور بلا تکلف دور دور جاکر کام کرتے اور روپیہ کماتے ہیں ؛

ابتک ہم صرف ایک قسم کی نقل پذیری سے بحث کرتے رہے۔ یعنی مزدور کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ لیکن نقل پذیری میں پیشہ بدلنا بھی شامل ہے فرض کرو کہ کوئی شخص پیتل کے برتن بناتا ہے اب اگر پیتل بہت گراں ہو جائے یا لوگ برتن کم خریدیں یا کسی اور وقت کی وجہسے یہ پیشہ گذر کے قابل نہ رہے تو پھر اُس کو کیا کرنا چاہیئے۔ ایک سبیل تو یہ ہے کہ وہ کہیں دوسری جگہ جاکر برتن بنانا شروع کردے۔ دوسری یہ کہ جہاں ہے وہیں رہے اور کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرلے پیشہ تبدیل کرنا ممکن ہے اور بعض وقت لوگوں کو مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بالعموم اس تبدیلی میں ہر جگہ دقت پیش آتی ہے اور خاصکر ہندوستان میں تو ذات پات کے ایسے جھگڑے پیچھے لگے ہیں کہ پیشہ بدلنا سخت دشوار ہے فرض کرو کہ موچی اس زمانے میں روپیہ خوب کما رہے ہوں اور جوتوں کی خرید زوروں پر ہو۔ لیکن پیتل کا کام کرنے والا جس کو ٹھٹیرا کہتے ہیں موچی بننا ہرگز گوارا نہ کرے گا اور اُس کو اپنے حق میں توہین سمجھے گا۔ یوں تو ہر جگہ ٹھٹیرے کے واسطے موچی بننا اسلئے بھی دشوار ہوگا کہ وہ چمڑے کے کام سے ناواقف ہوگا۔ اور بعض پیشوں میں تو مدتوں کی مشق اور تعلیم سے مہارت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں تو اس تبدیلی کا خیال بھی وہ اپنے دل میں نہ لائے گا کیونکہ اس کی ذات کے قواعد کی رو سے اس کے حق میں ایسی تبدیلی پیشہ قطعاً ممنوع ہے نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے پیشے جن میں خاص مہارت درکار ہے چند فرقوں کے اجارے میں آگئے ہیں۔ یعنی انکے

سوا اور کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار نہیں کر سکتا۔ اور اسی ذات بندی کی بدولت جس کا ہندوستان کے سوا کہیں وجود نہیں حسب ضرورت کسی پیشے میں مزدوروں کا اضافہ کرنا سخت دشوار ہو گیا ہے۔ اگر کوئی ماہر دستکار اپنا کام چھوڑ بیٹھے تو وہ اُن معدودے چند پیشوں میں سے کوئی پیشہ اختیار کر سکتا ہے جو کسی ذات اور فرقے کے واسطے مخصوص نہیں۔ مثلاً کاشتکاری یا حمالی لیکن حسب دلخواہ ہر کسی پیشے میں وہ شریک نہیں ہو سکتا ذات پات کے قواعد ایسی آزادی کے مانع ہیں۔ لیکن زمانے کی مجبوریاں ان قواعد کو توڑ رہی ہیں۔ اور اب ذات کا اثر پہلا سا عام اور قوی نہیں ہا جیسا کہ اوپر بھی ذکر آچکا ہے۔ اگر ذات پات کی بندشیں نہ ہوتیں تو بھی پیشہ بدلنا کوئی آسان کام۔ نہ تھا۔ البتہ بحالت آزادی لوگ اپنی اولاد کے واسطے وہی پیشے تجویز کرتے ہیں جو کہ سب سے زیادہ مفید معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً معمار کو اختیار ہے کہ خواہ لڑکے کو اپنا ہی کام سکھائے یعنی اس کو معمار بنائے یا کسی اور پیشے میں ڈالے۔ مثلاً زرگری ہے علمی یا دکانداری ہے۔ والدین وہی پیشے منتخب کرتے ہیں جنمیں شرح اجرت زیادہ ہو۔ اور جن میں مزدوروں کی کھپت بھی ہو۔ اسیلئے ہر ایک پیشے میں جسقدر آدمی درکار ہوتے ہیں بہم پہنچ جاتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مزدور ہمیشہ ہر پیشے میں بس ضرورت کے موافق شریک رہیں نہ کم نہ زیادہ۔ بلکہ کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ حالت موجودہ پر نظر کر کے لوگ اپنے لڑکوں کو کسی پیشے کے واسطے تیار کریں۔ لیکن ان کے تیار ہونے کے وقت تک حالات اس قدر بدل جاویں کہ اس پیشے میں بہت کم لوگوں کی گنجائش باقی رہے اور بہت سے نئے پیشے در زائد از ضرورت ثابت ہوں۔ چنانچہ یورپ میں بھی جہاں تبدیلی پیشہ کے متعلق ہر قسم کی آزادی حاصل ہے مزدور ٹھیک ٹھیک ضرورت کے موافق پیشوں میں منقسم نہیں ہوتے کہ دولت کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیدا ہو۔ بلکہ ہر زمانے میں بعض پیشوں میں مزدور ضرورت سے زائد شریک رہتے ہیں اور بعض میں ان کی قلت ہوتی ہے بحالت اول بہت سے مزدوروں کو کم کام ملتا ہے اور ان کا بہت سا وقت بیکار ضائع ہوتا ہے۔ بحالت دوم مزدور نہ ملنے کی وجہ سے دیگر عاملین پیدائش یعنی اصل اور زمین سے پورا کام نہیں لیا جاتا اور وہ بھی ایک حد تک قلت محنت کی وجہ سے ناکارہ بن جاتے ہیں۔

باب دوم
فصل ۱۹

لیکن ذات پات کے جھگڑوں کے طفیل سے ہندوستان میں بمقابل یورپ پیشوں اور مزدوروں میں مساوات اور بھی کم ہے۔ نہ صرف یہ کہ مزدور خود پیشہ نہیں بدل سکتے۔ بلکہ وہ اپنی اولاد کے واسطے بھی کوئی جدید پیشہ تجویز نہیں کر سکتے۔ ذات نے ہمیشہ کے واسطے ان کو اور ان کی اولاد کو اسی ایک پیشے میں مقید کر دیا ہے۔ آگے چل کر واضح ہوگا کہ اس عدم مساوات کا اثر تقسیم دولت پر خاص طور سے پڑتا ہے سردست ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ پیدائش دولت پر اس کا اثر کیا ہے۔ سوائے مضرت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بعضے پیشوں میں تو مزدوروں کی از حد کثرت اور افراط ہوتی ہے۔ اور بعض پیشے محض اس وجہ سے ترقی نہیں کر سکتے کہ کافی مزدور نہیں ملتے اور ہر دو صورت میں پیدائش دولت میں ہرج واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت ملک کے روبرو یہ ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے کہ مزدوروں اور پیشوں میں کیونکر کافی مساوات قائم رکھی جائے۔ نہ کہیں مزدوروں کی کثرت ہو نہ قلت جس پیشے میں جس قدر گنجائش ہو کم و بیش اسی قدر مزدور شریک ہوں یہاں پر تو تفصیلی بحث کا موقع نہیں۔ آیندہ اس پر خاص غور کرنے کی ضرورت ہوگی؛

اس بحث کو ختم کرنے کے قبل یہ جتا دینا ضروری ہے کہ پیدائش دولت اعظ نظر سے بھی ذات پات کا طریق مضرت محض نہیں ہے۔ اگلی فصل میں واضح ہوگا کہ یہ طریق بھی مزدوروں کی تعلیم و تربیت کے واسطے ضرور کارآمد ہے۔ ورائس کی بدولت بھی محنت کی عمدگی بہت کچھ بحال رہتی ہے۔ یعنی بڑے بڑے کاریگر اور صناع پیدا ہوتے ہیں؛

فصل دس

مزدوروں کی خوبی یا کارکردگی

صحت و طاقت

ابتک ہم مقدار محنت پر غور کرتے رہے۔ یعنی کسی کام کے واسطے کافی مزدور کیونکر مہیا ہوں۔ لیکن اب محنت کی دوسری خاصیت پر نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ جسکو مزدوروں کی خوبی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اور وہ اصطلاحاً کارکردگی کہلاتی ہے عام تجربہ ہے کہ مزدور مزدور میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ آجر بہت سے مزدوروں میں سے حسب ضرورت چند کو منتخب کرلیتے ہیں۔ کبھی فرقے فرقے کو کام میں ایک دوسرے پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہوتی ہے اس امتیاز کی بنا یا تو صحت و توانائی ہوتی ہے یا مہارت یا صفات اخلاقی ؛

جیسا کہ اس کے قبل بیان ہوچکا ہے دستی کام سے مراد خاص طور پر پٹھوں کو استعمال کرنا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ کمزور اور روگی مزدور کے مقابل تندرست اور طاقتور مزدور خوب محنت کرکے زیادہ دولت پیدا کرسکتا ہے۔ طاقت و توانائی کی خوبی کچھ تو نسل پر منحصر ہے اور کچھ بچپن کی پرورش اور تربیت پر ان دونوں اسباب کو جدا کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ بالعموم وہی قومیں طاقتور ہوتی ہیں جن کے بچے کھیل کود اور ورزش کے ذریعے سے اپنی صحت اچھی رکھتے ہیں۔ پس یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ کس قدر طاقت پیدائشی ہے اور کتنی طاقت تربیت جسمانی سے حاصل ہوئی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ مزدوروں میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اودھ کے مزدور کے مقابل پنجابی مزدور زیادہ کام کرسکتا ہے لیکن بنگالی مزدور اودھ والے سے بھی کم محنت کرتا ہے علاوہ ازیں پیٹ بھر کھانا کھائے بغیر طاقت بحال رہنی محال ہے۔ بھوکے مزدور سے دن بھر کام نہیں ہوسکتا پس محنت کی ایک شرط یہ بھی

باب دوم فصل ۱۰،۱

ہے کہ مزدور کو عمدہ کھانا کافی مقدار میں ملتا رہے۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ آدمی فطرتاً مضبوط اور طاقتور ہو اور اس کو کھانا بھی کافی اور عمدہ ملے لیکن وہ بیمار پڑ جائے مثلاً بخار آنے لگے جس کی وجہ سے وہ عرصے تک کام کرنے سے معذور رہے اور اس کا بہت سا وقت بیکاری میں برباد ہو۔ اگر شہر اور بستیوں میں صفائی وغیرہ کا انتظام بہتر ہو جائے تو پیدائش دولت میں ترقی ہوگی وجہ یہ ہے کہ شرح اموات گھٹ جانے سے مزدوروں کی تعداد بڑھ جائے گی اور وہ اپنی محنت کے ذریعے سے زیادہ دولت پیدا کرینگے۔ اور بالخصوص ہندوستان میں صفائی کے اہتمام سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوگا یہاں پر بخار بہت تباہی پھیلاتا ہے۔ اس سے رہائی پانا بڑی بات ہوگی یوں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اگر مزدور بیمار پڑ جائے تو کام میں ہرج واقع ہوگا لیکن جو لوگ ہزار ہا مزدوروں سے کام لیتے ہیں اُن سے پوچھیئے کہ ایسے ہرج مرج سے پیدائش دولت کی رفتار کس قدر سست پڑ جاتی ہے پس شہروں میں صفائی وغیرہ کا اہتمام کئی لحاظ سے بہت ضروری ہے اول تو مزدوروں کی تعداد بڑھ جاوے گی۔ دوم مزدوروں کی صحت اور تندرستی قائم رہے گی اور وہ کام کر سکیں گے؛

مہارت

مزدوروں کے امتیاز کا دوسرا باعث مہارت ہے۔ اس کا دارومدار اول تو پٹھوں کی حرکت پر ہے جس کو دستی کام کہتے ہیں۔ جو طالب علم کوئی کھیل کھیلتے ہیں یا جمناسٹک کرتے ہیں اُن کا تجربہ ہے کہ اول اول پٹھوں کو کسی خاص طور پر حرکت دینے سے تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن چند ہی روز میں مشق ہونے کے بعد وہ حرکت بالکل سہل معلوم ہونے لگتی ہے شروع شروع میں تو حرکت آہستہ آہستہ کرتے ہیں پھر بھی کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے طبیعت بھی پورے طور پر متوجہ رکھنی پڑتی ہے کہ خلل نہ کوئی اور دھیان نہ آئے۔ لیکن رفتہ رفتہ تکلیف کم ہونے لگتی ہے اور حرکات نہایت عمدگی سے جلد جلد کرنے میں کوئی دقت نہیں معلوم ہوتی حتیٰ کہ مشق کی بدولت ملاغور وتوبہ کے لوگ نہایت دشوار اور پیچیدہ حرکات اس طرح بے تکان و بلا تکلف کرتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہو مثلاً کرکٹ کا کھیل ہے۔ مشاق گیند بازکو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ کسی خاص وضع سے آنے والی گیند کو بلا مارنے کے واسطے ٹانگوں کلائیوں پہنچوں اور کندھوں کو حرکت کیونکر دینی چاہیئے بلکہ

باب دوم
فصل (۱)

ادھر گیند انداز نے گیند پھینکی اور ادھر گیند باز نے فوراً جانچ کر اس میں بلا مارا کہ یہ جا وہ جا۔ اگر وہ غور و فکر کرنے لگے کہ بلا کیونکر مارنا چاہیے تو گیند لپک کر وکٹ اُڑا دے اور یہ حضرت آؤٹ ہو کر خراماں خراماں واپس چلے آئیں۔ مزدور جو اپنے کام میں مہارت رکھتا ہے اسکی حالت بھی کھلاڑی کی سی سمجھنی چاہیے مشق ہو جانے پر وہ بلا تکلف حرکات کرتا رہتا ہے سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ حتیٰ کہ جو لوگ کاریگروں کو کام کرتے دیکھتے ہیں وہ ان کا کام محض اس وجہ سے سہل خیال کر لیتے ہیں کہ کاریگروں کو اس کے کرنے میں کوئی بھی اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔ جلد جلد یوں کام کرتے ہیں گویا کل چل رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب مشق کا طفیل ہے نیا آدمی وہی کام کرے تو حقیقت کھل جائے۔ مثلاً کمہار کا کام کتنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ چاک پر کچھ مٹی رکھکر اسکو گھمایا مٹی کو ہاتھ سے دبایا چاقو سے کچھ چھیلا چھالا اور چاک کو روک لیا بس صراحی یا پیالہ تیار ہو گیا۔ اور کمہار نے اُس کو اُتار کر دوسرے برتنوں کے پاس رکھدیا۔ اور سب کو ایک ساتھ آوے میں رکھکر پکا لیا لیکن اگر کوئی دوسرا شخص وہی کام کرنا چاہے تو برتن بنانے میں اس کو بہت سی دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اول تو چاک کو مناسب رفتار سے گھمانا پھر اس کے مرکز پر مٹی جمانا اور پھر ہاتھ کے دباؤ اور چاقو کی تراش خراش سے خوشنما برتن تیار کرنا یہ سب کام نئے آدمی کے بس کے نہیں اگر وہ نہایت بھونڈا اور بد وضع برتن بھی بنالے تو تعجب ہے۔ سب قسم کے دستی کاموں کی یہی حالت سمجھنی چاہیے۔ مشق ہوتے ہوتے پٹھے اس سہولت اور باقاعدگی سے حرکت کرنے لگتے ہیں کہ گویا کوئی بات ہی نہیں ؛

ذات پات کا اثر

اس ذات پات اور فرقہ بندی کے طریق میں ایک یہ تو بہت بڑا فائدہ ہے کہ بچپن ہی سے کام سکھایا جاتا ہے اور مزدوروں کو عمدہ مشق حاصل ہو جاتی ہے گویا اس لحاظ سے فرقہ بندی بھی پیدائش دولت کی معاون ہے کمہار کا بچہ جب سے پیروں چلتا ہے اپنے باپ کو یہی کام کرتے دیکھتا ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو وہ بھی یہی کام شروع کرتا ہے اور اس کا باپ اس کے پاس بیٹھکر نہایت شفقت اور کوشش سے اس کو ہاتھ چلانا سکھاتا ہے۔ دوسرے ملکوں میں کام سکھانے کا طریق یہ ہے کہ بچوں کو کاریگروں کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی نگرانی میں اس سے

باب دوم
فصل (۱)

کام لیں اس کو اصطلاحاً طریق کارآموزی کہتے ہیں۔ لیکن کوئی کاریگر دوسرے کے بچے کو کام سکھانے کی اس قدر کوشش کیوں کرنے لگا جتنی کہ باپ اپنے بچے کے ساتھ کرتا ہے اور ہندوستان میں بھی ماہر دستکاروں کی اتنی ہی کثرت ہے جتنی کہ اور کہیں ہوسکتی ہے وجہ یہ ہے کہ لوگ بچپن میں اپنے والدین ہی سے کام سیکھتے ہیں پس واضح ہوا کہ ذات بندی کا طریقہ مہارت کو ضرور برقرار رکھتا ہے۔

دستکاری میں جو مہارت حاصل ہوتی ہے وہ عرصے تک مشق کرتے کرتے پٹھوں کے حرکات پر قابو پانے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اعلیٰ درجے کی مہارت بہ صرف پٹھوں کی حرکت پر قابو پانے سے حاصل ہوتی ہے بلکہ اُسکے واسطے قوت تیزی بھی درکار ہے جو کہ مشق اور تجربے سے حاصل ہوتی ہے یعنی یہ کہ حصول مقصد کے واسطے پٹھوں کو کیونکر حرکت دینی سب سے زیادہ موزوں و مفید ہوگی۔ مثلاً معمولی کمہار تو پٹھوں کی صرف وہی حرکات جانتا ہے جن کے ذریعے سے وہ گھڑا اور پیالہ جیسے معمولی برتن بنا سکے۔ اگر اس کو کوئی جدید قسم کا اعلیٰ نمونہ دیا جائے تو اس کی نقل اُتارنے میں باوجود احتیاط کے اول اول وہ ضرور خطا کرے گا ورمتواتر کوشش کے بعد بھی ویسا برتن نہ بنا سکے گا لیکن جو کمہار زیادہ کاریگر ہوگا اور طرح طرح کے برتن بنانے جانتا ہوگا اپنے تجربے کی بدولت اس نمونے کی نقل جلد اُتارے گا اور شروع شروع میں کم غلطی کرے گا۔ علیٰ ہذا معمولی کمہار صرف اُن حرکات کا عادی ہے جو چکنی مٹی کے برتن بنانے کے واسطے موزوں ہیں۔ اگر وہ کہیں ایسی جگہ چلا جائے جہاں کی مٹی مختلف قسم کی ہو تو اُس کو برتن بنانے میں ضرور دقت ہوگی اور دیر لگے گی۔ لیکن جو کمہار اپنے کام میں زیادہ ماہر ہوگا اُسکو طرح طرح کی مٹیوں کا تجربہ ہوگا، وروہ اس دوسری قسم کی مٹی سے بھی بآسانی کام نکال لیگا۔

تیسری
مزاحمت

پس تحقیق ہوا کہ ایک حد تک طریق ذات بندی سے مہارت نسل درنسل چلتی ہے اس طریقے میں یہ نقص البتہ ہے کہ مہارت میں اضافہ کرنے کا موقع نہیں ملتا باپ جو کچھ جانتا ہے اس سے زیادہ بچے کو نہیں سکھا سکتا۔ اور بیٹا باپ کے سوا کسی اور سے کام سیکھتا نہیں آجکل ہندوستان کے دیہات میں جس قدر بھی کام ہوتا ہے اس کے واسطے زیادہ اعلیٰ قسم کی مہارت درکار ہے۔ یہ ضرورت دولت اور علم کے

باب دوم
فصل (۲)

اضافہ سے پیدا ہوگئی ہے لوگ طرح طرح کی چیزوں کے شائق ہیں اُن کو وہ چیزیں درکار ہیں جن کو اُن کے بزرگ جانتے بھی نہ تھے۔ نئی نئی قسم کی پیداوار خام مصنوعات کے واسطے دستیاب ہو رہی ہیں اور آلات واوزار بھی بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ نئے آلات واوزار برتنا نئی پیداوار خام سے جدید قسم کی چیزیں تیار کرنا دستکار کے واسطے بہت ضروری ہے۔ ورنہ اس کی پرانی وضع کی مصنوعات کون خریدے گا لیکن دقت یہ ہے کہ باپ خود ان تبدیلیوں سے ناواقف ہے تو پھر بیٹے کو نیا کام کس طرح سکھائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو چیز باپ بناتا تھا بیٹا بھی بعینہ وہی بناتا ہے۔ لوگ دوسرے ملک کی بنی ہوئی نئی نئی وضع کی چیزیں خریدتے ہیں اور اپنے ہاں کی چیزوں کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ جہالت اور ناواقفیت کا وبال خود انہیں دستکاروں کے سر پڑتا ہے اس مرض کا ایک علاج ہے وہ یہ کہ دستکاروں کے لڑکوں کی صنعتی تعلیم کا کوئی ایسا اہتمام کیا جائے کہ وہ نئے آلات نئی پیداوار خام نئی مصنوعات۔ ان سب سے واقف ہو کر ایسی ہی عمدگی سے نیا کام کریں جیسے ان کے بزرگ پرانا کام کرتے تھے۔ چنانچہ صنعت وحرفت کے جو مدرسے جاری ہو رہے ہیں ان کا یہی مقصد ہے کہ تعلیم پاکر آجکل کے دستکار جدید وضع کی چیزیں ایسی ہی نفیس اور عمدہ تیار کرسکیں جیسے کہ ان کے بزرگ اپنے زمانے میں کیا کرتے تھے گویا مہارت ویسی ہی عمدہ رہے بلکہ اس سے اعلیٰ ہو اور ساتھ ہی نئی وضع کی چیزیں تیار ہوں جن کا آجکل رواج پھیلا ہوا ہے۔ پرانی وضع کی چیزیں بنانے میں خواہ وہ کیسی نفیس ہوں ہندوستانی دستکار اپنا وقت ومحنت ضائع نہ کریں اس لئے کہ اب اُن کا کوئی خریدار نہیں جو چیزیں مطلوب ہوں وہی بنائیں؛

مہارت کی مذکورہ بالا مثال میں دستکاروں کا کام پیش کیا گیا لیکن انہی معنوں میں مہارت کا اطلاق زراعت کے کام پر بھی ہوسکتا ہے جو شخص ہل جوتتا ہے یا گاڑی ہانکتا ہے اُس کو بھی مہارت درکار ہے۔ یعنی اسکو بھی کچھ مشق اور واقفیت کی ضرورت ہے۔ اور جب کسان کے بال بچے کھیتی باڑی کے کام کاج میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کو اس قسم کی مہارت حاصل ہوجاتی ہے لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ فن زراعت کو بھی اسی طرح بدلنا ضرور ہے۔ جیسے کہ

باب ۴ فصل ۱
صنعت و حرفت کو پُرانی فصلیں متروک ہو کر نئی نئی چیزیں کاشت ہوتی ہیں اور پیداوار بڑھانے کے لئے نئے نئے آلات و اوزار سے کام لیا جاتا ہے اور جب کاشتکار خود ہی ان تبدیلیوں سے بیخبر ہو تو بھلا وہ اپنی اولاد کو کیا سکھائیگا۔ ع۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پس اگر لڑکے باپ سے بھی کام سیکھیں اور ساتھ ہی انکو ایسی تعلیم دی جائے کہ نئی نئی ضرورتوں سے بھی واقف ہو جائیں تو زراعت کے حق میں بہت مفید ہو حاصل کلام یہ کہ پیدائش دولت کے ہر دو شعبوں میں خواہ زراعت ہو یا صنعت و حرفت اسی امر کی ضرورت ہے کہ لڑکے والدین سے بھی کام سیکھیں اور کسی دوسرے ذریعے سے نئے طریقوں اور چیزوں کو معلوم کریں تاکہ ہر لحاظ سے اُن کی مہارت عمدہ ہو جائے۔

صفات اخلاقی
صفات اخلاقی سے اس قسم کی خوبیاں مراد ہیں جیسے کہ ایمانداری باقاعدگی اور تندہی وغیرہ جو کہ پیدائش دولت میں بہت معاون اور قابل قدر ہیں۔ ایک تو وہ مزدور ہے جو کسی نگرانی بغیر بھی نہایت محنت اور استقلال سے کام کرتا ہے اور دوسرا وہ کہ سستی او بددلی سے کام ٹرخاوے اور جہاں آیا اٹھا اُس نے ہاتھ پاؤں ڈالدئے۔ بھلا اس کام چور کا پہلے مزدور سے کیا مقابلہ۔ بعض مزدور سونے چاندی کا کام کرتے ہیں اور کیا امکان کہ ایک رتی کا فرق کریں۔ اور ایسے بھی مزدور ہوتے ہیں کہ ذرا آنکھ بچی اور مال غائب۔ غرض مزدور مزدور سب ایک سے نہیں ہوتے۔ بعض زیادہ محنتی اور ایماندار ہوتے ہیں اور بعض اُس کے برعکس کاہل اور ہاتھ چالاک۔ علم معاشیات میں وہ سب اسباب تو بیان ہو نہیں سکتے جن سے ایمانداری اور جفاکشی جیسی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں بعض اہم اسباب تو قوم کی تاریخ میں مضمر ہیں بعض کا پتا اس تعلیم و تربیت سے چلے گا جو بچوں کو دیجاتی ہے۔ بعض کا منبع وہ مذہبی اور اخلاقی خیالات و روایات ہیں جو قوم میں رائج ہیں لیکن ایک معاشی سبب بھی بہت پُر اثر اور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ عمدہ کام کرنیکا انعام دینا۔

عام مقولہ ہے کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔ اگر معمولی اجرت کے علاوہ عمدہ کام پر کچھ انعام بھی دیا جائے تو غالباً مزدور اچھا کام کرے گا اور ممکن ہے کہ کام کی عمدگی

انعام سے بھی بڑھی رہے یعنی انعام دینے میں آجر کا جو کچھ خرچ ہو اس سے زیادہ رقم کام کی عمدگی سے وصول ہو جائے۔ مزدور کے رجحان کی یہ سب سے سادہ مثال ہے مزدور کو اجرت زیادہ ملے گی تو وہ کام بھی اچھا کرے گا چنانچہ ایک حد تک اجرت بڑھا کر آجر پیدائش دولت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ لیکن اضافہ اجرت کی بھی ایک حد ہے اور وہ حد بہت غور طلب ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مزدور کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے اسکے پٹھے سست پڑ جاتے ہیں۔ بدن دکھنے لگتا ہے۔ اور جب مزدور کام کئے ہی چلا جائے اور آرام نہ لے تو پٹھے اور جسم تھک جانے کی وجہ سے ضروری حرکات جلد اور ٹھیک ٹھیک نہیں ہوتیں کام بھی خراب ہونے لگتا ہے اس کی دوسری مثال یوں سمجھو کہ کرکٹ میں جب گیند انداز تھک جاتا ہے تو خواہ کیسا ہی مشاق اور باکمال کیوں نہ ہو گیند ٹھیک ٹھیک نہیں پھینک سکتا۔ پس جو انعام دیا جاوے وہ اس قدر ہو کہ مزدور اچھے سے اچھا کام کر دکھائے۔ نہ اس قدر کہ وہ جان کھپانے اور از حد تھکنے پر مجبور ہو۔ اس لئے انعام کی مناسب مقدار تجویز کرنی ہی آجر کے واسطے ایک نازک کام ہے ؛

جس رجحان کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ ایک حد تک تو وہ مزدوری پیشہ لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن ان دستکاروں اور کاشتکاروں پر اس کا اثر اور بھی غالب ہے جو خود اپنے مزدور ہیں۔ یعنی جو نہ اجرت پہ بلکہ بطور خود کام کرتے ہیں اور عمدہ کام کرتے ہیں۔ اس سے جو مزید آمدنی ہوتی ہے اُسکے خود ہی مالک بنتے ہیں۔ چنانچہ تحقیق ہوا ہے کہ بحیثیت مجموعی یہ لوگ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں سے کہیں زیادہ عمدہ کام کرتے ہیں۔ لیکن ایسی عمدہ حالت برقرار رہنے کے لئے اُن کو یہ یقین ہو جانا بھی ضرور ہے کہ وہ جو کچھ کمائیں گے انہی کا حصہ ہوگا۔ کوئی دوسرا اُس کو نہ چھین سکے گا۔ اگر دستکار کو یہ خوف ہو کہ چور ڈاکو اُس کا مال لے جاویں گے یا کسی خود سر حکومت کے افسر اُس کا مال ضبط کر لیں گے تو وہ پھر دل لگا کر کام نہ کرے گا۔ اسی طرح اگر کاشتکار کو اندیشہ ہو کہ زائد منافع زمیندار لگان کے بہانے سے ہتھیا لے گا تو وہ بھی کھیتی باڑی میں جان نہ مارے گا بلکہ کچھ یوں ہی گزر کرتا رہے گا۔ اب یہاں ایک بڑا مسئلہ چھڑ جاتا ہے وہ یہ کہ عمدہ حکومت کے کیا برکات ہیں اور عمدہ قوانین مزارعین کے کیا کیا فوائد ہیں۔ لیکن یہ بحث یہاں بے محل

باب ۴ ازوقت ہوگی۔ اس پر غور کرنے کا طالب علم کو آئندہ موقع ملے گا۔ سردست اس قدر
ص ۴۴ جاننا کافی ہے کہ ان چیزوں یعنی حکومت اور قوانین کا بھی مزدوروں کے کام کی
خوبی اور عمدگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے ؛

معاشیات میں مزدوروں کے سلیقے کو کارکردگی سے تعبیر کرتے ہیں اس لفظ سے مراد
یہ ہے کہ محنت کی کسی مقدار سے جس قدر دولت پیدا ہو وہ اس کے مصارف سے
حتی الوسع زیادہ ہو اور ہر ایک آجر کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جس قدر مزدوروں
کو کام میں لگائے اُن میں اعلیٰ سے اعلیٰ کارکردگی موجود ہو۔ یعنی مصارف کے مقابل
پیداوار بہت زیادہ رہے۔ آجر کو اعلیٰ اجرت اور نیز انعام وغیرہ مزدوروں کے
واسطے پیش کرنے چاہئیں تاکہ وہ جس قدر عمدہ کام کرسکیں کریں۔ سامان جو کام میں
درکار ہو اس کو ضائع نہ کریں۔ آلات و اوزار جن سے کام لیا جاوے ان کو خراب
نہ کر ڈالیں۔ غرضکہ تندہی اور احتیاط سے کام کریں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ مزدور
کس حالت میں کام کرتے ہیں مثلاً اگر کمروں میں کافی روشنی یا ہوا کا گذر نہ ہو تو وہاں
عمدہ کام نہیں ہوسکتا۔ مزدوروں کی صحت کی خاطر کارخانے کی صفائی وغیرہ کا اہتمام
بھی ضروری ہے۔ اور کبھی کبھی تو عالی حوصلہ آجر مزدوروں کی اولاد کو تعلیم دیتے اور
کام سکھاتے ہیں تاکہ آئندہ وہ کارخانے کے عمدہ کاریگر بنیں۔ گویا مزدوروں کی
نگہداشت اور رکھ رکھاؤ آجر کا ایک اہم فرض ہے ؛

معاشیات کے اکثر کتب نصاب میں تقسیم عمل کے متعلق لمبی چوڑی بحث پیش کیجاتی ہے
تسلسل مضامین تو مقتضی ہے کہ مختصراً وہ بحث اس موقع پر درج ہو لیکن اس کو اچھی
طرح پر سمجھنے کے واسطے اول لفظ اصل کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ پس اسوقت
ہم اس بحث کو ملتوی کرکے محنت کی اعلیٰ قسموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو دماغی
کام کہلاتی ہیں ؛

باب دوم
فصل ۱۱

فصل گیارہ

دماغی کام

آٹھویں فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ کام کرنے میں کچھ مدد پٹھوں سے لیجاتی ہے اور کچھ دماغ سے۔ جس محنت کا بیشتر مدار جسم پر ہے نہ کہ دماغ پر۔ اس کی مقدار اور عمدگی کے متعلق چند نہایت ضروری شرطیں گذشتہ دو فصلوں میں بیان ہو چکی ہیں۔ اب ہمکو دیکھنا ہے کہ یہ شرائط دماغی کام پر کس حد تک عائد ہوتی ہیں جو لوگ اب ہمارے پیش نظر ہیں وہ یا تو سرکاری ملازم ہیں یا علمی کام کرنے والے مثلاً ڈاکٹر اور وکلا یا تاجر اور کارخانے دار۔ یہ لوگ جو محنت کرتے ہیں اسکی عام خصوصیت یہ ہے کہ دماغ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور پٹھوں سے بہت کم ہندوستان میں عام طور پر لوگ ان سب طبقوں کو ایک جنس نہ مانیں گے مثلاً سرکاری ملازم اب بھی تاجروں سے زیادہ معزز مانے جاتے ہیں لیکن معاشی نقطۂ نظر سے دونوں ہم پایہ ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی قسم کا کام سرانجام دیتے ہیں ۔

ترقی کا دماغی کام سے تعلق

دیہات کے اکثر باشندے جسمانی محنت کے ذریعہ سے روزی کماتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد آبادی کی مقدار پر منحصر ہے۔ لیکن دماغی محنت کرنے والوں کے متعلق یہ قول درست نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مجموعی آبادی کا ایک جزو قلیل ہوتے ہیں۔ اور اُن کی تعداد بیشتر قوم کی ترقی پر منحصر ہوتی ہے پس ماندہ قوم میں جہاں علم اور کاروبار کا چرچا نہ ہو دماغی کام کرنے والے مفقود ہوں گے۔ لیکن جوں جوں علم، تجارت اور صنعت و حرفت پھیلتی ہے اُن کی جماعت بھی بڑھنی شروع ہوتی ہے۔ گویا دماغی محنت کرنے والے تہذیب و تمدن کی ترقی سے پیدا ہوتے ہیں ۔

بلحاظ نقل و حرکت دماغی کام کرنے والے جسمانی کام کرنے والوں کے مقابلے میں زیادہ آزاد ہیں مثلاً تاجر یا ڈاکٹر یا وکیل جہاں چاہے دور سے دور مقام پر

باب ۴ فصل (۱)

جاکر اپنا کاروبار شروع کر سکتا ہے۔ وہ اس معاملے میں دستکار کی طرح پورا آزاد ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ وسعت معلومات کی بدولت وہ بہ سہولت معلوم کر سکتا ہے کہ کہاں جانا سب سے زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ لیکن وکیل یا تاجر کو بھی قطعاً آزاد نہ سمجھنا چاہئے۔ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی اپنے گھر کنبے میں رہنے کا شائق ہے۔ اور اگر وہ پردیس میں جاکر کام شروع کرے تو اُس کو اپنے چلتے ہوئے کام یا کاروبار پر دلعزیزی سے دست بردار ہونا پڑے گا جو اُس کو وطن میں حاصل تھی۔ کارخانہ دار کو جگہ بدلنے میں یہ بھی دقت ہوگی کہ وہ کارخانگی عمارات اور کلوں کو کہاں اور کیونکر لیجائے۔ پس معلوم ہوا کہ مزدوروں کے اُن طبقوں میں بھی جو دماغی کام کرتے ہیں نقل مقام کمل نہیں۔ یعنی یہ لوگ بھی بلا تکلف ہر جگہ نہیں جا سکتے اور رہا نقل و حرکت کا دوسرا پہلو یعنی پیشہ بدلنا یہ بھی اس وجہ سے مشکل ہے کہ ان پیشوں کے واسطے خاص خاص قسم کی تربیت درکار ہے۔ مثلاً وکیل کے واسطے یہ تو ممکن ہے کہ وہ سرکاری ملازمت کرے یا تاجر بن جائے لیکن جب تک تعلیم پائے بغیر وہ ڈاکٹر یا انجینیر نہیں بن سکتا۔ ان پیشوں کے واسطے [illegible] مخصوص تعلیم درکار ہے کہ جب تک والدین لڑکوں کو شروع ہی سے ویسی تعلیم نہ دلائیں وہ ان پیشوں کو نہیں چلا سکتے خاص تعلیم حاصل کئے بغیر ہر کوئی اُن میں شریک نہیں ہو سکتا مثلاً کوئی لڑکا یا اُس کے والدین یہ قرار دیں کہ وہ وکیل یا ڈاکٹر بنے اب اگر وہ امتحان پاس کر کے سند حاصل کرے تو اُس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اپنا کام شروع کرے جگہ منتخب کرنے میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہاں پیشے کے واسطے کس قدر گنجائش ہے۔ یعنی کسقدر ڈاکٹر یا وکیل موجود ہیں اور کتنوں کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ وہاں ایسے بارسوخ لوگوں سے تعلقات بھی ہوں کہ جنکی مدد سے اپنے کاروبار کو فروغ ہو۔ ان پیشوں میں اثر اور تعلقات کو بڑا دخل ہے۔ اُن کی بدولت آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے:

ذات پات

دماغی کام کرنے والوں پر ذات پات کا اثر اس قدر گہرا نہیں ہے جتنا کہ جسمانی کام کرنے والوں پر۔ یہ ضروری نہیں کہ وکیل کا لڑکا بھی وکیل ہو بلکہ وہ چاہے تو ڈاکٹر۔ پروفیسر یا تاجر بن سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ دماغی کام کرنیوالوں

کی مناسب تعداد بآسانی بہم پہنچ جاتی ہے۔ تاہم عادات اور خاندانی روایات کا بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہندوستان میں پیدائش دولت محض اس وجہ سے بہت رُکی ہوئی ہے کہ لوگ چند پیشوں مثل وکالت اور ملازمت کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور یہ نہیں کہ کارخانے اور کاروبار جاری کریں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ابتک بیشتر دماغی کام چند اعلیٰ فرقوں کے حصے میں رہا ہے کہنے کو تو پیشہ اختیار کرنے میں ہر کسی کو آزادی حاصل ہے لیکن وقت یہ ہے کہ اول تو ادنیٰ ذات والوں کو کافی تعلیم میسر نہیں ہوتی۔ دوم پرانے تعصبات ان کی ترقی میں سدِراہ ہوتے ہیں۔ مثلاً نیچ ذات کا بچہ پڑھ لکھکر خواہ کتنا ہی قابل بن جائے لیکن پھر بھی اونچی ذات والے اس کو اعزاز کی نظر سے نہ دیکھیں گے البتہ کہیں پردیس میں اس کو عروج ہو تو ہو۔ وطن میں اس کو ترقی کی بہت کم امید ہوسکتی ہے ؛

ماہر دم ضس ۱۱۱

اب دماغی کام کرنے والوں کی خوبی یا کارکردگی پر غور کرو تو اس کے بھی وہی تین اسباب ہیں جو کہ جسمانی کام کرنے والوں کے متعلق بیان ہوچکے ہیں۔ مزدور کو جسمانی طاقت درکار ہے تو دماغی کام کرنے والوں کو قوت دماغ کی ضرورت ہے اور اب تک قطعی طور پر یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ یہ دونوں قسم کی قوتیں کسی قوم یا فرقے میں کیونکر بڑھائی جا سکتی ہیں دماغی کام کرنے والوں کو پٹھوں کے بجائے ذہن کی تربیت سے مہارت حاصل ہوتی ہے اور یہی تربیت عام تعلیم کا اصل مقصد ہے السنہ تاریخ، منطق، فلسفہ اور علم ریاضی وغیرہ کے مطالعے سے اول اول طالب علم کے ذہن کو مشق اور تربیت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے قوائے ذہنی پوری نشو ونما پالیتے ہیں۔ اور جب یہ بات پیدا ہوگئی تو پھر وہ جو پیشہ اختیار کرنا چاہے اُسی کے متعلق علوم وفنون خاص طور پر کچھ عرصے تک مطالعہ کرے بالفاظ دیگر اسکو کسی ٹریننگ کالج میں داخل ہونا پڑے گا جہاں وکلاء یا ڈاکٹروں یا معلموں کو تعلیم دی جاتی ہو یا کسی کارخانے یا دفتر میں رہ کر کام سیکھنا ضروری ہوگا۔ بالعموم جو تربیت دماغی کام کے واسطے درکار ہے اس کے حاصل کرنے میں بمقابل جسمانی کام کی تربیت کے زیادہ وقت اور محنت صرف ہوتی ہے۔ حالانکہ ہر دو قسم کی تربیت کی ماہیت ایک ہی ہے۔ یعنی وہ کام کی مشق اور تکرار سے حاصل ہوتی ہے ؛

باہم مقابلہ — وہ صفاتِ اخلاق بھی جن کا کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یکساں ہیں۔ تندہی طاقت اور ایمانداری کی حاکم وکیل یا تاجر کو اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ مزدور یا دستکار کو۔ اور کام کا جو معاوضہ ملتا ہے اس کا بھی بہر صورت کام کرنیوالے کی طبیعت اور کارکردگی پر یکساں اثر پڑتا ہے یعنی اجرت کی بیشی سے وہ خوش ہوتا ہے اور کمی سے پژمردہ اور "مزدور خوش دل کند کار بیش" کا مقولہ سب پر صادق آتا ہے۔ رہا یہ کہ مزدور فی نفسہٖ کام کا کس قدر خیال اور اس کی اہمیت کا کس قدر لحاظ کرتا ہے اس میں مزدوروں کی حالت مختلف ہوتی ہے بعض تو کام کی زیادہ پروا کرتے ہیں اور بعض کم اور مزدوروں کی اس خاصیت کا پیدائش دولت پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔

عمدگی کی خواہش — ہر شخص کی یہی کیفیت ہے کہ اچھا کام کرنے سے اُس کو تھوڑی بہت مسرت ضرور محسوس ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت کا ایک خاصہ ہے معاشیات کو اسکے اسباب سے تو کچھ بحث نہیں۔ البتہ اس کے اثرات ضرور قابل لحاظ ہیں دستکار یا مزدور بھی اچھا کام کر کے خوش ہوتا ہے۔ خاکروب تک اپنے کام کی عمدگی پر ناز کرتا ہے۔ ادنیٰ درجے کے مزدور اس خوشی کی کچھ پروا نہیں کرتے لیکن وہ محسوس ان کو بھی ہوتی ہے اور جب کام بگڑ جاتا ہے تو ان کو بھی قلق ہوتا ہے لیکن دماغی کام کرنے والوں کو اپنے کام کی عمدگی کا بڑا خیال رہتا ہے۔ اور کام کی خوبی پر اس کا اثر بھی بہت پڑتا ہے۔ نفاست کے کاموں مثلاً تصنیف و تالیف یا مصوری و نقاشی وغیرہ میں عمدگی اور خوبی کی فکر بہت غالب رہتی ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اکثر لوگ محض شوق کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔ اور جو کچھ مالی منفعت یا شہرت و عزت حاصل ہوتی ہے اسکا ان کو بہت کم خیال ہوتا ہے۔ بعض بعض ڈاکٹر ان غریبوں کا علاج معالجہ جو فیس دینے کی استطاعت نہیں رکھتے اسی غور و توجہ سے کرتے ہیں جیسے کہ امیروں اور دولتمندوں کا۔ اعلیٰ درجے کے معلموں کو پڑھانے کے معاوضے کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ اور جو لوگ علمی تحقیقات میں معروف ہیں وہ تو کام کے شوق میں مالی نقصان تک گوارا کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے کام کرنے والوں میں تو عمدہ کام کرنیکی خوشی خوب نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خوشی کاشتکار کو بھی محسوس ہوتی ہے

باب دوم فصل ۱۱
جبکہ وہ کھیت میں سیدھا اور ہموار ہل چلاتا ہے یا کمہار کو جبکہ وہ چکنی مٹی لیکر چاک پر سڈول اور خوشنما صراحیاں اور پیالے بناتا ہے ؛

معاشی کو تو صرف اس واقعے سے سروکار ہے کہ لوگوں کو عمدہ کام کرنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس بڑی خاصے کا اثر پیدائش دولت پر بہت کچھ پڑتا ہے۔ عمدہ بنی ہوئی چیزیں خراب بنی ہوئی چیزوں سے زیادہ کارآمد اور قابل قدر ہوتی ہیں گویا وہ دولت کی بڑی مقدار ہیں پس اگریوں ہی جلدی میں خراب چیزیں تیار کردی جائیں ان کا شمار دولت میں اس حدتک نہ ہوگا جتنا اُن عمدہ چیزوں کا جن سے احتیاجات بدرجۂ اعلیٰ پوری ہوتی ہیں گویا کسی کام سے دولت میں جسقدر اضافہ ہوتا ہے اس کی مقدار پر کام کی خوبی کا بھی اثر پڑتا ہے۔ مثلاً ایک سنار ہے جس کو اپنے کمال پر بہت ناز ہے اور جو اچھی سے اچھی چیزیں گھڑتا ہے اور کبھی چلتا ہوا کام نہیں بناتا۔ اب فرض کرو کہ وہی سنار کسی صراف کا قرضدار ہو جائے اور اسی کے ہاں اجرت پر کام کرے۔ صراف کو تو معمولی قسم کی چیزیں بنوانی منظور ہیں جو عوام خریدتے ہیں۔ سنار کو صراف کی مرضی کے تابع ہوکر معمولی چیزیں تیار کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اب وہ عمدہ کام کرنے کی خوشی سے محروم رہتا ہے اور اس کی قوت پیدآوری بھی ضائع ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ رفتہ رفتہ وہ معمولی کام کا اس درجہ عادی ہو جاتا ہے کہ اگر آئندہ اس کو آزادی حاصل ہو بھی تو مہارت نہ رہنے کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجے کا کام نہیں کرسکے گا اور غالباً اس کا دل بھی مرجائے گا اور عمدہ کام کو نہ چاہے گا۔ اس صورت میں قوت پیدآوری بہت برباد ہوتی ہے۔ خواہ کوئی سنار کسی صراف کے ہاں حسب مثال بالا کام کرتا ہو یا ہوشیار معلم ایسے لوگوں کی ماتحتی میں کام کرے جن کو عمدہ تعلیم کی قدر نہ ہو یا کوئی عالی خیال مصنف کسی اخبار کے واسطے ادنیٰ درجے کے مضامین لکھے۔ ہندوستانی طالب علموں کے واسطے یہ بحث خاص طور پر قابل توجہ ہے کیونکہ قدیم صنعت و حرفت میں خوبیاں محض اس وجہ سے غائب ہوتی جاتی ہیں کہ ہوشیار کاریگروں اور دستکاروں سے ادنیٰ قسم کا کام کرایا جاتا ہے ؛

اس فصل میں بخوبی واضح ہوگیا کہ بکیفیت عاملین پیدائش جسمانی محنت اور دماغی

باب دوم
فصل ۱۱

محنت کی ایک سی حالت ہے۔ گو وہ محنت کی دو جداگانہ قسمیں ہیں۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم تبادلہ ممکن ہے اور اس وقت ترقی کا رجحان یہ ہے کہ جسمانی کام گھٹا کر دماغی کام بڑھایا جاوے۔ البتہ ہندوستان میں ابھی تک یہ تبدیلی بہت کم عمل میں آئی ہے چنانچہ ہندوستانی طالب علم کو تعجب ہوتا ہے کہ یورپ کے معاشئین اپنی تصانیف میں جسمانی محنت کا اس قدر کم ذکر کیوں کرتے ہیں مذکورہ بالا تبدیلی کی دو صورتیں ہیں۔ انجنوں کا استعمال اور کلوں کا رواج ؛

حیوان یا انسان کی جسمانی طاقت کے بجائے بھاپ یا برقی قوت کے زور سے انجن چلتے ہیں اول اول انسان اپنی ہی طاقت سے کام کرتا تھا اس کے بعد حیوانوں سے کام لینے لگا۔ مثلاً ہل یا گاڑی کو بیلوں کی جوٹ کھینچتی ہے لیکن اگر چاہیں تو چند آدمی بھی مل کر کھینچ سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ بیل اور گھوڑوں کی بدولت بہت سے لوگوں کی محنت بچ جاتی ہے اسی طرح جس قدر کام ایک محرک انجن کرتا ہے اس کو بیلوں کی بہت سی جوتیں مل کر انجام دے سکتی ہیں مثلاً مال گاڑی جس میں ایک انجن لگا ہوتا ہے بارہ ہزار من یا اس سے بھی زیادہ مال لیجاتی ہے اب خیال کرو کہ اس قدر بوجھ کھینچنے کے واسطے کتنے سو بیل درکار ہونگے اور پھر انکی چال کو ریل کی رفتار سے کیا نسبت یہ اس کی گرد بھی نہیں پا سکتے جب انجن کی طاقت کا یہ حال ہو تو ان کا سا کام ہزارہا آدمی بھی مل کر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ آجکل ہندوستان میں ریل کے انجن جسقدر کام کر رہے ہیں اتنا کام اگر ہندوستان کے کل باشندے بھی اپنی مجموعی جسمانی طاقت سے کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایسی گراں وزن اور اتنی بیشمار سواری اور مال گاڑیاں انسان اپنی طاقت سے اتنی دور دور شب و روز اس رفتار سے دوڑاتے پھرے ہندوستان میں ریلوں کے علاوہ ابتک دوسرے کاموں میں انجن کم استعمال ہوتے ہیں لیکن کچھ عرصے سے ان کا رواج ہر طرف پھیل رہا ہے اور اب ہندوستان میں کپاس اوٹنے اور روئی دابنے کپڑا بننے آٹا پیسنے کاغذ بنانے اور سن بٹنے کے کارخانے جاری ہو رہے ہیں جن میں انجن اور کلوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور قسم کے کاموں میں بھی تیل یا بھاپ سے چلنے والے انجن استعمال ہونے لگے ہیں ان بیشمار انجنوں سے جسمانی طاقت کی جسقدر کفایت ہوتی ہے

اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ انجن سے مراد وہ کل یا مشین ہے جو قوت محرکہ مہیا کرے یعنی جسکے زور سے باقی کلیں چلیں۔ محض کل یا مشین سے ایسی چیزیں مراد ہیں جن سے کام میں مدد ملے اور جو ساخت میں آلات یا اوزار سے زیادہ پیچیدہ ہوں۔ پہلے تو لوگ سب کام ہاتھ سے کرتے تھے۔ یا آلات و اوزار استعمال کرتے تھے۔ لیکن اب اکثر کاموں میں کلوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔ مثلاً آجکل درزی ہاتھ کی سوئی کے بجائے سنگر مشین سے کپڑا سیتے ہیں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جسمانی محنت میں پٹھوں کو حرکت دینی پڑتی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ چیزوں کی ترکیب اور ترتیب بدل جائے تجربے سے ثابت ہوا کہ ایسی کلیں بھی بن سکتی ہیں جو پٹھوں کی سی حرکت کریں کلیں بالکل انسان کی طرح حرکت کرتی ہیں۔ اور زیادہ سرعت سے کرتی ہیں۔ خصوصاً اگر انہیں انجن لگا ہو۔ دنیا کا بیشتر کام آجکل کلوں ہی سے چلتا ہے لیکن ابھی تک اُن کا رواج مقابلتہً ہندوستان میں کم ہے۔

ملب دوم ص ۱۱۱

ایک سیدھا سا کام لو۔ مثلاً کپاس کی اوٹائی یعنی بنولہ سے ریشہ جدا کرنا پہلے کپاس ہاتھ سے اوٹی جاتی تھی عورتیں اور بچے ایک ہاتھ سے تو چرخی میں کپاس ٹھونستے اور دوسرے ہاتھ سے چرخی چلاتے تھے۔ جب کپاس چرخی کے دونوں بیلنوں میں دبتی تھی تو روئی بنولے سے الگ ہو جاتی تھی۔ اب بھی کبھی کبھی لوگ ہاتھ سے کپاس اوٹتے ہیں۔ لیکن اکثر مقامات پر جہاں کپاس بکثرت پیدا ہوتی ہے کارخانے قائم ہو گئے ہیں جہاں کپاس کل سے اوٹی جاتی ہے کاشتکار اپنی کپاس کارخانہ والے کے ہاتھ بیچ کر الگ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ کی چرخی مشین کی چرخی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے البتہ یہ فرق ہے کہ کل کی چرخی کے بیلن بہت لمبے ہوتے ہیں اور ہاتھ کے بجائے وہ دخانی انجن کے زور سے چلتی ہے اسی طرح اب کتائی اور بنائی کا کام بھی کل کے ذریعہ ہوتا ہے سوت کاتنے اور کپڑا بُننے کے بڑے بڑے کارخانے جاری ہیں۔ چرخہ تو مدت ہوئی بند ہو گیا البتہ نوربافت کا کرگھا ابھی تک قصبات میں چلتا رہتا ہے۔ تاہم ترقی یافتہ ممالک میں کپڑے کی صنعت پر کل نے جس قدر تسلط پایا ہے اس کی مثال کم نظر آتی ہے۔ انجن اور کلوں نے بعض ملکوں خصوصاً انگلستان میں اس درجہ رواج پایا ہے کہ زراعت کے سوا اور کہیں ہاتھ سے کام کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔

باب دوم
فصل (۱۱)

انگلستان میں بیشتر مال و سامان کل کے ذریعہ سے تیار ہوتا ہے وہاں ایسے بے شمار کارخانے موجود ہیں جیسے کہ چند کلکتہ۔ بمبئی یا کانپور میں قائم ہیں۔ مقامی حالات سے متاثر ہو کر انگریزی معاشیین تو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ہر کہیں کلوں کا اسی قدر رواج ہے گویا کہ یہ عام حالت ہے۔ ہندوستان میں بھی کلوں کا رواج پھیل رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ کا کام قصبات بلکہ دیہات تک میں بہت کچھ ترک ہو جائے گا اور جو کام ہوگا کل کے ذریعہ سے ہوگا۔ گویا ہندوستان میں بھی محنت کی وہی حالت ہوتی جاتی ہے جو یورپ میں نظر آتی ہے اگرچہ ابھی تک بہت فرق باقی ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے کہ اس تبدیلی کا یعنی کل کے رواج کا پیدائش دولت اور مزدوروں کی بہبودی پر کیا اثر پڑے گا۔ بالعموم تو اس تبدیلی سے پیدائش دولت میں اضافہ ہوا ہے اور مزدوروں کی حالت بھی سدھر گئی ہے لیکن جبتک تبدیلی پورے طور پر جاگزیں نہ ہو جائے۔ یعنی کلوں کا رواج خوب نہ پھیل جائے تب تک دوران تبدیلی میں مزدوروں کو بیشک سخت مصیبت اٹھانی پڑتی ہے جب مشین اول اول بہت سا کام کرتی ہے تو بہت لوگوں کی مزدوری چھوٹ جاتی ہے کچھ تو ان کی ضرورت نہیں رہتی اور کچھ انہیں کلوں پر کام کرنا نہیں آتا۔ البتہ کچھ عرصے بعد جب کارخانے ترقی کرتے ہیں تب مزدور بھی کل چلانا اور اُن پر کام کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ یورپ کی معاشی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ کلوں کا رواج ہوتے وقت دوران تبدیلی میں مزدور بہت تباہ ہوئے گو بعد کو اس نقصان کی تلافی ہو گئی۔ ان تواریخ کے مطالعہ سے ہم کو یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ اس قسم کے مصائب سے ہندوستان میں مزدور کیوں کر محفوظ رکھے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا ضرور ہے کہ تبدیلی گو اغلب ہے تاہم لابد نہیں ہے۔ کسی آئندہ فصل میں اس مسئلہ پر مزید بحث کریں گے ؛

فصل بارہ

اصل

اصل کا مفہوم

اب ہم تیسرے عامل پیدائش پر غور کرتے ہیں جس کو اصطلاحاً اصل کہتے ہیں۔ پہلے اصل کی جگہ لفظ راس المال مستعمل تھا۔ چنانچہ اب بھی تجارت میں یہ لفظ رائج ہے۔ لیکن درحقیقت راس المال اصل کا جزو اعظم ہوتا ہے کل اصل کا راس المال ہونا ضروری نہیں۔ اب کاروباری زبان اور تصانیف معاشیات میں لفظ اصل بکثرت رائج ہوگیا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم سرسری طور پر پہلے بھی بیان ہوچکا ہے۔ پیداوار خام جس سے مصنوعات تیار ہوں آلات واوزار اور کلیں وغیرہ جو استعمال ہوں اور نیز زرنقد جو مزدوروں کو اجرت دینے اور دیگر ضروریات متعلقہ کاروبار میں صرف ہو۔ یہ سب مدیں اصل میں داخل ہیں مصنفین میں اصل کے مفہوم کی بابتہ بھی اختلاف رائے پھیلا ہوا ہے۔ کسی کے نزدیک اس کے معنی کچھ ہیں اور کسی کے نزدیک کچھ۔ پس کتاب پڑھتے وقت یہ تحقیق کرلینا ضروری ہے کہ اس کے مصنف نے اصل سے کیا معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن اس قدر سب کو تسلیم ہے کہ اصل بھی دولت کا ایک جزو ہے۔ دوم یہ کہ اصل کے مفہوم سے زمین خارج ہے۔ گویا زمین کے علاوہ جو دولت ہے اصل اسی کا ایک حصہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس قسم کی دولت تو اصل شمار ہوتی ہے اور کس قسم کی نہیں ہوتی ؛

دولت محض اور اصل کے فرق کا پتہ ایک تو مالک دولت کی نیت اور ارادے سے چلتا ہے کہ وہ اپنی دولت کیونکر کام میں لانا چاہتا ہے اگر وہ دولت سے مزید دولت پیدا کرنے کا کام لے تو ایسی دولت اصل کہلائیگی اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ دولت اصل نہیں شمار ہوسکتی بلکہ دولت محض ہے۔ البتہ اگر وہ آئندہ اپنی رائے بدلدے اور اس سے پیدائش دولت کا کام لینا شروع کرے تو وہ اسوقت ٹھیک

باب۴ فصل۵

داخل اصل ہو جائیگی پس سردست اصل کی یہ تعریف کافی ہوگی کہ اصل سے مراد زمین کے سوا وہ دولت ہے جو مزید دولت پیدا کرنے کے کام آئے۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس تعریف میں دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور یہی حال دوسری تعریفوں کا بھی ہے۔ لیکن بالفعل یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ مفہوم کی وسعت پر گو اختلاف ہوتے رہیں لیکن اصل کا مفہوم جو یہاں پیش کیا گیا ہے وہ دنیا کے قریب قریب کل اصل پر صادق آتا ہے ؛

اصل کی مثالیں

اصل کا مفہوم ان چند مثالوں سے خوب واضح ہوگا جو پانچویں فصل میں بیان ہو چکی ہیں۔ ہمکو یہ معلوم ہے کہ کسان بھی بہت سا اصل استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کنواں، مویشی آلات کشاورزی، تخم، کھاد اور زر نقد یا غلہ جس سے مزدوروں کی اجرت دیتا ہے اور اپنا کنبہ پالتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو غلہ کاشتکار کے گھر میں رکھا ہوا ہے وہ اصل ہے یا نہیں اس کا جواب کاشتکار کی نیت پر منحصر ہے اگر وہ غلہ کاشتکار کی پرورش یا مزدوروں کی اجرت یا مویشیوں کے دانے یا کھیت کے بونے میں صرف ہو تو بیشک اصل ہے۔ لیکن اگر وہ خیرات دینے کے لئے رکھا ہے تو اصل نہیں ہو سکتا چونکہ کاشتکار بالعموم کچھ غلہ خیرات دیا کرتے ہیں۔ غالباً اس ذخیرہ کا ایک حصہ اصل نہ ہوگا ؛

ایک اور مثال لو۔ مثلاً کسی زمیندار کے پاس ایک لاکھ روپیہ جمع ہے تو کیا یہ اصل ہے ؟ اگر یہ روپیہ بطور اندوختہ محض بیکار رہے تو اصل نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اگر وہ کسی کام میں لگا دیا جاوے۔ مثلاً کاشتکاروں کو مویشی اور تخم خریدنے کے واسطے قرض دیا جاوے تاکہ اس سے مزید دولت پیدا ہو تو وہ ضرور اصل شمار ہوگا۔ گویا سارا دارومدار نیت پر ہے اگر اس رقم سے زمیندار کا ارادہ کام لینے کا ہو تو وہ رقم دولت محض کے بجائے اصل بنجاتی ہے ؛

اسی طرح ہر چیز کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیا وہ اصل ہے یا نہیں۔ صرف یہ دیکھنا چاہئیے کہ اس چیز کا صرف کیا ہے۔ طلبہ کو چاہئیے کہ قصبات و دیہات میں جو جو چیزیں ان کی نظر پڑیں۔ ان کے متعلق غور و بحث کریں کہ آیا وہ اصل ہیں یا نہیں ؛

ہندوستان میں جس قدر لوگ بھی دولت پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ تھوڑا بہت اصل ضرور استعمال کرتے ہیں گو اس کی مقدار کے بیشمار مدارج ہیں۔ پانچویں فصل

باب دوم حصہ ۱۴۱

تیہ گھسیارے کی جو مثال ہمنے بیان کی تو محض سہولت کی خاطر ہمنے یہ مان لیا کہ اول اول
اس کے پاس کوئی آلہ یا اوزار نہ تھا۔ لیکن از حد پس ماندہ ملکوں کی جنگلی قوموں کے
سوا کہیں بھی یہ ممکن نہیں کہ آدمی بالکل نہتا ہو اور اس کے پاس کام کرنے کا کوئی
سامان ہی نہ ہو۔ سقہ کے پاس بھی مشک ہوتی ہے خاکروب تک جھاڑو استعمال کرتا
ہے پس معلوم ہوا کہ اصل عامل پیدائش ہے اور ایک ناگزیر عامل ہے۔ اس کے بغیر
لوگ دولت پیدا کر ہی نہیں سکتے اور بالخصوص ممالک یورپ میں تو جہاں صنعت وحرفت
بدرجہ اعلیٰ ترقی کر چکی ہے۔ اصل گویا پیدائش دولت کی روح رواں ہے۔ معاشی تاریخ
پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ترقی کا رجحان ہی یہ ہے کہ مزدوروں کی تعداد کے مقابل اصل
زیادہ بڑھے یا یوں کہو کہ بہ نسبت سابق مزدوروں کو زیادہ زیادہ اصل سے کام لینا
پڑے۔ مثلاً جو درزی پہلے چھدام کی سوئی سے اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا سیتا تھا۔ معمولی کپڑا
سینے میں بھی اب وہ دوسو روپیہ کی سنگر مشین سے کام لیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ
جو شخص دولت پیدا کرنی چاہے وہ اصل کہاں سے لائے یا تو وہ خود پس انداز کرے
یا کسی اور سے مستعار لے۔ ان ہر دو طریق پر غور کرنیکی ضرورت ہے۔

پہلا طریقہ [illegible]

پس انداز کرنے یا جوڑنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص جس قدر کمائے اس سے
کم خرچ کرے اور جو باقی بچے اس کو آئندہ کے واسطے رکھتا جائے مذکورۂ بالا گھسیارے
نے پیسہ روز جوڑ جوڑ کر چار آنے جمع کئے اور پھر اس سے کھرپا خریدا۔ بس یہی وہ طریق ہے
جس سے ملک میں دولت بڑھتی ہے اور بالعموم دولت بڑھانے کی اور کوئی سبیل
نہیں اگر لوگ جس قدر پیدا کریں اسی قدر صرف کر ڈالیں تو پھر کس طرح پر اندوختہ فراہم
ہو سکے۔ گویا جس قدر دولت اصل کا کام دے وہ گذشتہ زمانے میں کسی وقت
پس انداز ہوئی ہو گی۔ اصل حاصل کرنے کا جو ہمنے دوسرا طریق بتایا ہے کہ کسی سے مستعار
لے لیا جائے تو اس سے اسکی مقدار میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ رہا تیسرا طریق یعنی
کسی سے جبر کر کے یا دھوکا دیکر اصل لے لینا۔ ہندوستان میں یہ طریقہ بھی مدتوں جاری
رہ چکا ہے لیکن جب کبھی ذی اقتدار حکومت قائم ہو جاتی تھی تو پھر ایسا کرنے کی ہمت
نہیں پڑتی تھی۔ اب تو قانون تعزیرات ہند نے جبر اور دھوکا دہی کو سنگین جرم
قرار دیدیا ہے اور پولیس بھی ایسے لوگوں کی تاک میں لگی رہتی ہے حصول اصل کی ایک

باب دوم
فصل (۱۱۲)

صورت وراثت بھی ہے کہ دولت باپ یا کسی عزیز سے ترکے میں پہنچے چنانچہ اکثر ایسا واقع ہوتا ہے لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ عین احتیاج کے وقت ورثہ ملے۔ بہت لوگوں کو اصل کی ضرورت ہو وہ کیونکر دولتمند اعزا کی موت پر منحصر رہ سکتے ہیں ؛

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی کسی کو اپنی خوشی سے اصل دیدے ہندوستان میں اصل یوں بھی میسر آجاتا ہے لیکن اس کی مقدار بہت قلیل ہوتی ہے لہذا حصول اصل کا یہ ذریعہ کچھ زیادہ کارآمد نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قریب قریب کل اصل یا تو بطور ورثہ ملتا ہے یا ایک چوتھے طریق پر یعنی بطور قرض کے کہ جو اصل لیا جائے۔ لینے والا اس کی واپسی کا وعدہ کرے اور اکثر قرض کے علاوہ کچھ مزید رقم قرض دینے والے کو بطور سود یا منافع بھی دے ؛

فراہمی دولت

تاریخ ہندوستان کا اس زمانے تک پتا چلنا دشوار ہے جبکہ پس اندازی کے طریق کی ابتدا ہوئی یعنی جب تک کہ دولت کا کوئی اندوختہ ہی نہ تھا وہ زمانہ اس عہد سے پہلے گذرا ہوگا جس کا ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں ذکر ہے۔ کیونکہ ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے زمانے میں تو دولت کا اچھا خاصا اندوختہ موجود تھا۔ دنیا کی موجودہ پس ماندہ قوموں کی حالت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اوّل پس اندازی کا طریق بہت آہستہ آہستہ بڑھا ہوگا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو یہ عادت پڑی ہوگی کہ جو کھانا زائد از ضرورت ہو اس کو اگلے وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔ انھوں نے بہت سیدھے سادے آلات و اوزار بنائے ہونگے جو وحشی قوموں میں مستعمل پائے جاتے ہیں نیز مویشیوں کو سدھایا اور پالتو بنایا ہوگا۔ اغلب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول اول دولت انہی تین شکلوں میں پس انداز ہوئی ہوگی۔ یعنی خوراک۔ آلات اور مویشی۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی ابتدا کب ہوئی اور کس ترتیب سے ہوئی بہرحال یہی تین چیزیں یعنی آئندہ کے واسطے خوراک کا ذخیرہ آلات و اوزار اور پالتو جانور اصل کے قدیم مفہوم میں داخل ہیں اور جب یہ مہیا ہوگئے تو دولت فراہم کرنے اور اندوختہ سے مزید دولت پیدا کرنے کی صورت نکل آئی پس اندازی کی رفتار تو معاشی تاریخ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ البتہ دولت کا یہ خاصہ ثابت ہے کہ وہ روز افزوں سرعت سے بڑھتی ہے۔ کبھی کبھی فراہمی دولت میں رکاوٹ بھی پیدا ہوتی

ہوگی۔ بلکہ جنگ اور قحط جیسے مصائب سے کبھی کبھی اندوختہ ضائع اور برباد بھی ہوگیا ہوگا۔ لیکن ہمیں [illegible]
دولت میں جو سب سے بڑی سد راہ ہے وہ ایک ایسی حکومت کی عدم موجودگی ہے جو لوگوں کو [illegible] (۱۱۲)
اطمینان دلا سکے کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کے خود مالک رہیں گے کوئی دوسرا اسکو نہ چھین سکے گا۔

زبردست اور مستحکم حکومت کی اہمیت جتانی ضرور ہے وجہ یہ ہے کہ جب وہ قائم ہو جاتی ہے تو لوگ اس کا ہونا ایک قدرتی امر خیال کرکے اس کی خوبیوں پر تو نظر کم کرتے ہیں اور اس کے نقائص کی شکایت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ لوگ اسی وقت اپنی دولت لگا کر مزید دولت پیدا کریں گے جبکہ ان کو پختہ یقین ہو کہ جو کچھ دولت پیدا ہوگی وہی مالک بنکر اس کا لطف بھی اٹھائیں گے۔ اگر ان کو یہ اطمینان نہ ہو تو وہ اپنی مملوکہ دولت سے کیوں کام لینے لگے۔ اور اپنی دولت بڑھانے کا انھیں کیا شوق ہوگا۔ پس جبکہ سرکار کی سختی اور پولیس کی چیرہ دستی کی شکایات سنی جائیں تو اسوقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گو چوری اور دغابازی کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا گو اب بھی رشوت چلتی ہو۔ تاہم لوگوں کی جماعت کثیر کو اطمینان ہے کہ وہ جو کچھ دولت کمائیں گے انھی کی ملک ہوگی اور جبتک یہ اطمینان حاصل نہ ہو ممکن نہیں کہ لوگ مزید دولت پیدا کرنے میں جان کھپائیں اور پسینہ بہائیں گویا امن و امان بغیر دولت فراہم ہونی محال ہے:

حکومت کی [illegible] ضرورت

ابتک ہم ذخیرۂ دولت فراہم ہونے کا حال بیان کرتے رہے لیکن اس ذخیرے اور ذخیرۂ اصل میں فرق ہے۔ اگر لوگ ذخیرہ جمع کریں لیکن اس سے مزید دولت پیدا کرنی مقصود نہ ہو تو وہ ذخیرہ دولت ہوگا۔ لیکن جب ارادہ بدل جائے اور مزید دولت پیدا کرنے کی نیت ہو تو وہی ذخیرہ اصل شمار ہوگا۔ دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی لوگوں کو دولت فراہم کرنیکا شوق ہے۔ لیکن ابھی یہاں اندوختے کو بطور اصل کام میں لانے کا رواج کم ہے۔ چنانچہ اندوختے کا جزو اعظم دولت ہے۔ حالانکہ اگر مالک اس سے مزید دولت پیدا کرنے کا فیصلہ کرلیں تو وہ اصل بن جائے۔ اس عدم توجہی کا خاص باعث یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے قیام سے پہلے یہاں صدیوں بدامنی رہ چکی ہے اور لوگوں کے دل سے اعتبار اور اطمینان غائب ہوگیا۔ لوگوں کو دولت کی ضرورت تو اس زمانے میں بھی تھی لیکن حاصل ہونے بعد اسکی نگہداشت دشوار تھی۔ پس لوگوں کو عادت پڑ گئی کہ اپنی دولت ایسی شکل میں رکھیں کہ اس کو بآسانی چھپا کر ہر کہیں ساتھ لیجا سکیں۔ چنانچہ بیشتر دولت، سونے چاندی اور جواہرات

دولت اور اصل کا [illegible]

کی شکل میں بنتی تھی۔ ان کا چھپانا اور لیجانا دونوں کام سہل تھے۔ اب تک یہ حالت ہے کہ جب دولت کی ضرورت نہیں ہوتی تو اسکو بطور دفینہ چھپا کر رکھتے ہیں لوگوں کی بے شمار دولت محض معطل و بیکار پڑی ہوئی ہے۔ حالانکہ زراعت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے ۔۔۔ بہت سے اصل کی سخت ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک بہت غریب ہے حالانکہ اتنا افلاس نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جب پیدائش دولت کے ذرائع سے پورا پورا کام نہیں لیا جائے تو یہی حالت ہوگی جو اب ہے۔ معاشیات کے متعلم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسوقت ملک کو سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ جو دولت بیکار پڑی ہوئی ہے اس سے بطور اصل کام لیا جائے یعنی اس کو مزید دولت پیدا کرنے کے کام میں لگایا جائے تاکہ زراعت پھلے پھولے اور صنعت و حرفت کو بھی ترقی ہو۔

باب ۱۳
فصل ۱۳، ۱

فصل تیرہ

پیدائش کا انتظام۔ اپنی ضروریات خود بہم پہنچانے کا زمانہ

مدارج پیدائش

اب ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ عاملین پیدائش جو اوپر بیان ہو چکے ہیں کیونکر انتظام پاتے ہیں یعنی وہ کس اصول پر باہم مل جل کر کام کرتے ہیں۔ کس طرح پر پیدائش دولت کے انتظام نے ترقی کی۔ یہ مسئلہ معاشی تاریخ کا ایک نہایت اہم جزو مانا جاتا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق دوسرے ملکوں کی معاشی تاریخ میں تو بہت کچھ معلومات موجود ہے۔ لیکن ہندوستان کی معاشی تاریخ میں ابھی بہت سے واقعات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور تحقیق کرنے کی بہت ضرورت اور گنجائش باقی ہے۔ پیدائش کا انتظام بتدریج بڑھا اور پھیلا۔ تبدیلیاں اکثر آہستہ آہستہ نمودار ہوئیں۔ لیکن اس مسئلے کی مفصل بحث بہت طویل ہوگی۔ اور اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ سردست ہم یہ کر سکتے ہیں کہ انتظام کی ترقی کے چند دور قرار دیں۔ اور تبدیلیوں کے جو اسباب تھے ان کو تحقیق کر ڈالیں۔ پیدائش کے انتظام میں ترقی کے تین دور حسب ذیل معین کرتے ہیں:

(ا) خود پروروں کا عہد یعنی اپنی ضروریات خود بہم پہنچانا۔

(ب) دستکاروں کا عہد یعنی چھوٹے پیمانے پہ بازار کے واسطے سامان تیار کرنا۔

(ج) کارخانوں کا عہد یعنی بڑے پیمانے پر بازار کے واسطے سامان بنانا۔

یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ملک بھر میں ترقی کے یہ دور یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے ظہور پذیر ہوئے جیسے کہ مارچ کے بعد اپریل آتا ہے اور اپریل کے بعد مئی۔ جہاں تک پتا چلتا ہے ترقی بہت تدریج کے ساتھ ہوئی۔ اور اس کی رفتار جگہ جگہ مختلف رہی ہے۔ حتیٰ کہ بعض وقت ایک ہی جگہ تینوں دور پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں اور یہ دیکھنے کا خوب موقع ملتا ہے کہ تبدیلیاں کیونکر عمل میں آتی ہیں۔ چنانچہ آجکل بھی یہ حالت ہے کہ ایک طرف تو ازحد قدیم طریق پر عمل پیدائش جاری ہے اور اسی کے مقابل جدید ترین ایجادات

باب ۱۳ فصل ۲۱۶

سے کام لیا جا رہا ہے دنیا بھر میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں اس مسئلے کے مطالعے کے واسطے صرف ایک ہی دور نظر آئے۔ یعنی ہر ملک میں کم وبیش تینوں دور موجود ہیں۔ تبدیلی کی رفتار نہ صرف ملک ملک میں مختلف رہی ہے بلکہ صنعت صنعت کے لحاظ سے بھی اس میں فرق پڑ جاتا ہے۔ زراعت نے بالخصوص بہت سست رفتاری سے ترقی کی ہے۔ ہندوستان میں پیدائش دولت کا یہ شعبہ ابھی انتظام کے پہلے ہی دور میں چلا جاتا ہے اور عجب نہیں کہ عرصے تک اسکی یہی حالت رہے ؛

ہمنے جو پہلے دور کو اپنی ضروریات خود بہم پہنچانے کے عہد سے نامزد کیا ہے تو آمر اس جملے کا کیا مفہوم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ کے لوگ اپنی کل ضروریات باہم مل کر خود مہیا کریں اور باہر والوں سے کچھ نہ لیں۔ بعض جنگلی قوموں کی غالباً ابتک یہی حالت نظر آئے گی گو عملی حیثیت سے ایسی انتہائی حالت قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ہر گروہ اور ہر طبقے کے لوگ اپنی ضرورت کی تھوڑی بہت چیزیں دوسروں سے ضرور خریدتے ہیں تاہم واقعہ یہ ہے کہ قریب قریب کل ملک میں طریق زراعت کم وبیش اسی قدیم طریق پر جاری ہے اور بہت سے گانوں اب بھی اپنی اکثر ضروریات خود مہیا کرتے ہیں۔ باہر سے شاید ہی کوئی چیز منگاتے ہوں۔ اور چونکہ ہندوستان کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہی ہے۔ لہذا انتظام کے اس پہلے دور پر تفصیل نظر ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے ؛

اپنی ضروریات خود مہیا کرنے والے گانوں کی حالت

اگر ملک کے پس ماندہ حصوں کی حالت پر غور کرو اور جدید کاروبار کی ترقی سے جو حالتیں پیدا ہوگئی ہیں انکو نظر انداز کردو تو معلوم ہوگا کہ گانوں کے رہنے والے ابتک اپنی ضروریات خود مہیا کرتے ہیں۔ دیہاتیوں کے تین طبقے ہیں کاشتکار جن کے پاس زمین ہو۔ مزدور جو کاشتکار کے ہاں کام کریں۔ اور نوکر چاکر یا دستکار۔ کاشتکار کھیت بوتے ہیں اور فصل کی پیداوار کاشتکاروں، مزدوروں، ملازموں، اور دستکاروں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور اسی پر سب کی گذر ہے۔ اس کی تفصیل پر نظر ڈالو۔ لوگوں کو کھانے، کپڑے، مکان، آگ اور روشنی، برتن اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے مزید براں کاشتکار کو تخم، مویشی اور آلات بھی درکار ہیں کھانے کے واسطے تو وہی غلہ، شکر اور روغن کافی ہے جو گانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ لباس کے واسطے گانوں کی روئی کاتکر وہیں کپڑا بنتے ہیں رہنے کے واسطے مٹی کے کچے مکان بناتے ہیں اور جنگل کی لکڑی لیکر ان کو پاٹتے ہیں۔ یا ان پر گھاس پھونس

کی چھپر یا گانؤں کی بنی ہوئی کھپریل ڈالتے ہیں اُفتادہ زمین کے درخت اور مویشیوں کا گوبر ایندھن بن جاتا ہے۔ روشنی کے واسطے بعض تخموں شلاً گڑ۔ تل اور سرسوں سے تیل نکل آتا ہے اور گانؤں ہی میں کمہار مٹی کے برتن بنا دیتا ہے۔ کنویں یا ندی نالے سے پانی مل جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گانؤں بساتے وقت پانی کی فکر ضرور کرلی جاتی ہے خواہ وہ کنوؤں سے ملے یا ندی نالے سے۔ اب رہیں کاشتکار کی خاص ضروریات۔ تخم تو خود کھیت کی پیداوار سے نکل آتا ہے گانؤں کا بڑھئی آلات کشاورزی تیار کردیتا ہے۔ رہے مویشی سو وہ زمینوں پر چر چرا کر پل جاتے ہیں۔ اگر کچھ لگان یا مالگذاری ادا کرنی ہوئی تو وہ بھی فصل کی پیداوار میں سے ادا ہو جاتی ہے *

ماسہم ایندھن

صل (۱۳)

تجارت کی ابتدا

پس اگر گانؤں کے باشندے ایک دوسرے کی مدد کریں اور کرتے ہی ہیں تو گانؤں کی ضروریات خود وہیں مہیا ہو جائیں۔ باہر سے سامان منگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ شکر موجود ہے اور دوسرے کے پاس روئی تو وہ دونوں اپنی چیزوں کا مبادلہ کر سکتے ہیں۔ یعنی روئی کو شکر سے بدل لیں اور اُن کو نہ تو باہر والوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت کرنا ضرور ہے اور نہ ان سے خریدنا۔ گویا نہ تو زر کی ضرورت ہے اور نہ تجارت کی۔ گو آجکل یہ سمجھ میں آنا ذرا دشوار ہے کہ کسی ملک میں زر اور تجارت بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ تاہم غالباً پہلے پہل ان دونوں چیزوں کے بغیر دیہات میں زراعت جاری ہوئی یعنی گانؤں کی مختلف قسم کی پیداوار کا وہیں کے باشندے آپس میں مبادلہ کرلیتے تھے۔ نہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور نہ باہر والوں سے کوئی کاروباری واسطہ تھا *

لیکن دو ضرورتیں ایسی ہیں کہ جن کا ابھی تک ذکر نہیں ہوا۔ اور جنکے لحاظ سے مندرجۂ بالا بیان میں کچھ ترمیم ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک تو نمک ہے کہ جو ہر جگہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ گو کبھی کبھی مٹی دھو کر نمک نکالتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس طرح پر بعض گانؤں کو نمک میسر ہوگیا ہو تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمک اُن معدودے چند چیزوں میں سے ہے جن کی خاطر اول اول تجارت شروع ہوئی۔ تاجر گانؤں گانؤں نمک لیجاتا تھا اُس کو غلے سے بدلتے تھے چنانچہ ملک کے بڑے حصے میں اب بھی یہ طریق جاری ہے۔ دوسری ضرورت آہنی آلات و اوزار کی ہے۔ زراعت میں جو بہت سے بہت

باب دوم
فصل (۱۴)

سے آلات کام آتے ہیں۔ یورپ کے مقابل تو ہندوستان میں آلات کشاورزی کی تعداد
کم ہے تاہم متعدد آلات رائج ہیں مثلاً ہل، پھاوڑا، کھرپا، درانتی اور ایسے ہی کچھ اور
آلات ہیں جن میں لوہا لگا ہوتا ہے اور ان کا مدت سے استعمال جاری ہے۔ ممکن ہے
کہ کسی زمانے میں لوہا زراعت میں بالکل کام نہ آتا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جن
چیزوں کی سب سے اول تجارت شروع ہوئی ان میں سے ایک چیز لوہا بھی ہے؛

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانے میں پیدائش دولت کی کیا حالت تھی۔ اول تو کاشتکار
کے پاس زمین تھی جس کو اس نے خواہ افتادہ پاکر گھیر لیا ہو۔ یا پیداوار کا ایک حصہ
دینے کے وعدے پر جسکو لگان کہتے ہیں۔ راجہ یا زمیندار سے لے لی ہو۔ جب زمین ایک
دفعہ مل گئی تو وہ اسی کاشتکار کے پاس رہتی تھی۔ چونکہ آبادی تھوڑی تھی۔ زمین کی
افراط تھی جو جیسی زمین چاہتا تھا لے سکتا تھا رہی محنت سو کاشتکار اسکا کنبہ اور
گانوں کے مزدور سب کام سے لگے رہتے تھے۔ مزدوروں کے دل میں گانوں چھوڑکر
جانے کا خیال بھی نہ آتا تھا۔ اپنے گانوں میں کاشتکاروں کا کام کاج کرتے۔ اور پیداوار میں
سے حصہ بانٹ لیتے تھے اس پر ان کی گذر تھی۔ اب اصل کو لو۔ اس میں اول تو مویشی
شامل تھے۔ جن کی تعداد بڑھتی رہتی تھی اور جن کے چرنے کے واسطے بہت سی افتادہ
زمین ہر جگہ موجود تھی۔ دوسرے آلات و اوزار جو گانوں میں بنتے تھے اور جن کی بنوائی
میں غلہ دیا جاتا تھا۔ رہا تخم سو وہ بھی گھر کی پیداوار میں سے نکل آتا تھا؛

تجارت کا
خرابی دولت
پر اثر

ایسی حالت میں جبکہ تجارت بالکل بند ہو نہ گانوں کی زائد پیداوار برائے فروخت باہر بھیجی جائے
اور نہ ضروریات دوسرے مقامات سے منگائی جائیں۔ ملک کی دولت کیونکر بڑھ سکتی ہے اور اگر
بڑھے بھی تو کسقدر بس یونہی برائے نام سا۔ اسی طرح عاملین پیدائش سے بھی پورا پورا کام نہیں لیا جا سکتا
اگر فصل اچھی ہوئی تو کچھ پیداوار جو خرچ سے بچ گی آئندہ کے واسطے پس انداز کر رکھیں گے اور وہ
خرابی فصل کے زمانے میں ذخیرے کے طور پر کام آئے گی لیکن جس قدر ضرورت ہوگی اس سے زیادہ
غلہ پیدا کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوگی۔ پس گانوں کی آبادی کے واسطے جس قدر پیداوار درکار
ہوگی اسکے لحاظ سے تھوڑی سی زمین کاشت ہوتی رہے گی باقی غیر مزروعہ پڑی رہے گی
اچھی بری فصلیں مل ملاکر گانوں کی ضرورت کے واسطے کافی ہوں گی
اگر آبادی گھٹی تو کھیت بھی کم ہو جاوینگے اور آبادی بڑھی

باب دہم ص (۱۳۱)

تو چند افتادہ زمینوں پر نئی کاشت پھیل جاوے گی اور غالباً قدیم کھیتوں میں زیادہ محنت کی جانے گی تاکہ پیداوار بڑھ جائے۔ ایسی جماعت سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کچھ دولت فراہم کر سکے گی اب فرض کرو کہ ایسے گانوں کے قریب ہی جو کہ اپنی ضروریات خود مہیا کرتا ہے ایک قصبہ آباد ہو۔ یہاں کے باشندے گانوں کے لوگوں سے بہت سی ضروریات خریدتے چاہیں گے مثلاً غلہ۔ دال ترکاری۔ دودھ۔ گھی۔ روئی اور شکر اور ان کے معاوضے میں وہ ایسی چیزیں لاکر گانوں والوں کو دیں گے مثلاً تانبے پیتل کے برتن، لٹھا، ململ جیسے باریک کپڑے اور کچھ روپیہ وغیرہ اب دیہاتیوں کی حالت بدلنے لگتی ہے۔ ایسی ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جنکا کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ خود بخود ایسی چیزیں لینے کو ان کا دل چاہنے لگتا ہے۔ اور اگر کاشتکار سادہ مزاج بھی ہوں تو ان کی بیویاں تو ضرور نئی چیزوں کی فرمائش کریں گی۔ نئی چیزیں خریدنے کے شوق میں اب وہ اپنی پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں گے خود بھی زیادہ محنت کریں گے اور اپنے مویشیوں اور مزدوروں سے بھی زیادہ کام لینگے یا تو زیادہ زمین کاشت کریں گے یا انہیں پہلے کھیتوں کو اچھی طرح جوتیں بوئیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ بہ نسبت سابق ایسی حالت میں گانوں میں پیداوار بہت زیادہ ہوگی۔ دیہاتی لوگ ضرورت سے زائد پیداوار قصباتیوں کے ہاتھ فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی نئی چیزیں خریدیں گے جو کہ قصبے میں فروخت ہوتی ہیں:

گویا اب گانوں اپنی کل ضروریات خود مہیا نہیں کرتا۔ اب وہاں انتظام پیدائش کی ترقی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جسکو ہم دستکاروں کے عہد سے تعبیر کر چکے ہیں یعنی چھوٹے پیمانے پر بازار کے واسطے سامان تیار ہونے لگتا ہے۔ اب کاشتکار نہ صرف اپنے واسطے بلکہ قصبے والوں کے واسطے غلہ ترکاری بھی بوتے ہیں اور معاوضے میں کچھ اپنی ضرورتیں انسے وصول کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس تبدیلی کا فراہمی دولت پر کیا اثر پڑتا ہے اسمیں تو شک نہیں کہ گانوں کی پیداوار بڑھ جاوے گی اور مزید پیداوار کا جو روپیہ ہاتھ آئے گا وہ دیرپا چیزیں خریدنے میں صرف ہوگا۔ مثلاً تانبے کے برتن یا چاندی کا زیور اس کے معنی یہ ہوئے کہ دولت کا اندوختہ بڑھ جائیگا۔ دوسرے جب روپیہ ملے گا تو اس کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوگا کیونکہ یہ زر اندوزی انسانی فطرت کا خاصہ ہے

باب ۴ ۳ روپے کا ذخیرہ بڑھانے کی خاطر بھی لوگ بہت بہت محنت اور کوشش کریں گے اور اصلاح
فصل ۱۲ فراہم شدہ دولت میں اور اضافہ ہوگا۔ اب تو گاؤں والے بھی دولتمند بننے لگیں گے۔
بادی النظر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی صرف کاشتکاروں کی حالت میں نمودار ہوگی۔ اور سب سے اول انہی کو فائدہ پہنچے گا۔ لیکن جب قصبے میں محنت کی طلب بڑھے گی تو قرب و جوار کے دیہات میں مزدور بھی چونکیں گے اور زیادہ اجرت کے لالچ سے وہ قصبے میں جا کر کام کرنے لگیں گے۔ جب کچھ مزدور گاؤں کا کام یوں چھوڑ دیں گے اور ساتھ ہی کھیتی باڑی کا کام بڑھ جائے گا تو پھر کاشتکار ان کی اجرت بڑھا کر ان سے زیادہ زیادہ کام لیں گے اس طرح پر کچھ عرصے میں گاؤں کے مزدوروں کی کمائی بھی بڑھ جاوے گی اسی طرح دستکار اور ملازمت پیشہ لوگ بھی زیادہ کمائی اور تنخواہ کے شوق میں قصبے جا پہنچیں گے۔ لیکن گاؤں میں بھی تو ان کی ضرورت ہے ان کو روکنے کی خاطر گاؤں میں بھی ان کی اجرت بڑھانی پڑے گی اور اس طرح پر سلسلہ بہ سلسلہ مزید دولت میں سب حصہ بانٹ لیں گے۔ یہ تو عجب نہیں کہ کسی کو فائدہ زیادہ پہنچے اور کسی کو مقابلتہً کم لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف ایک خاص گروہ فائدہ اٹھائے اور باقی بالکل محروم رہیں۔

گذشتہ چند صدیوں نے اس قسم کی تبدیلی ہندوستان میں بتدریج پھیل رہی ہے محض سہولت کی خاطر ہم نے فرض کر لیا کہ تبدیلی یکایک نمودار ہوئی۔ ورنہ در حقیقت ایسا کم واقع ہوتا ہے۔ اگر کوئی دار السلطنت قائم ہو تب تو بہت جلد تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے ورنہ ملک کے بڑے حصے میں یہ تبدیلی بتدریج پھیلتی اور نمودار ہوتی ہے تجارت نے بھی بہت آہستہ آہستہ پیر پھیلائے ہیں تاجر کبھی کوئی چیز خریدنے گاؤں آئے اور کبھی کوئی چیز خریدنے اسی طرح گاؤں میں بھی نئی چیزیں رفتہ رفتہ داخل ہوئیں۔ یہ تبدیلی ابتک جاری ہے ملک کے بعض حصے بہت ترقی کر گئے ہیں اور بعض مقابلتہً کم۔ لیکن اس تبدیلی کا عام اثر یہ ہے کہ زمین کی پیداوار بہت بڑھ گئی اور جو لوگ اس کے حصہ دار ہیں وہ بھی زیادہ متمول بن گئے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سب طبقے یکساں بہت خوش حال ہیں۔ بعض زیادہ ہیں بعضے کم اور بعضے اُلٹے خستہ حال ہو گئے ہیں۔ لیکن حصوں کی یہ کمی بیشی تقسیم دولت کی بحث سے متعلق ہے نہ کہ پیدائش دولت سے یہ تبدیلی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہندوستان میں ایسے مقامات بہت کم ہیں جہاں زراعت ترقی کے دوسرے

دور تک پہنچ گئی ہو اور جیسا کہ اوپر خیال ظاہر کیا جا چکا ہے ممکن ہے کہ پورے طور پر ولایت (ما ۔ ۱۰۹)
کو یہ دور کبھی نصیب نہ ہو۔ اگر کوئی گاؤں اس دور میں داخل ہو جائے تو وہاں کے کاشتکار (حص ۱۴۱)
اپنی کل پیداوار فروخت کر کے کھانے پینے کا سامان تک دکان سے خریدنے لگیں گے۔
چنانچہ بعض مغربی ملکوں میں ایسا ہوتا بھی ہے۔ لیکن جو لوگ ہندوستان کے کاشتکاروں
سے واقف ہیں ان کو یہاں اس درجہ ترقی کی امید نہیں ہو سکتی اور یوں دیہات میں
کایا پلٹ ہو جائے تو دوسری بات ہے ترقی کے دوسرے دور کی مثالیں قصبات
میں البتہ بکثرت نظر آتی ہیں ؂

فصل چودہ

پیدائش کا انتظام۔ دستکاروں کا زمانہ

(۱) دور دوم میں پیدائش کی حالت

ہم نے جو ترقی پیدائش کے تین دور قرار دیئے ہیں ان میں سے دوسرے دور پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ ابتدائی دور سے تو وہ اس طرح پر مختلف ہے کہ اس میں لوگ اپنی احتیاجات براہ راست ان چیزوں سے پوری کرنا نہیں چاہتے جو انھوں نے خود تیار کی ہیں۔ بلکہ بنائی ہوئی چیزیں اکثر دوسروں کے کام کی ہوتی ہیں جو کچھ معاوضے پر دیدی جاتی ہیں۔ معاوضے میں یا تو اپنی ضرورت کی چیزیں ملجاتی ہیں مثلاً غلہ، کپڑا یا زر جس کے ذریعے سے ہر قسم کی ضروریات خریدی جا سکتی ہیں۔ ترقی کا یہ دور ہندوستان کے ہر قصبے میں کم و بیش جاری ہے۔ اکثر دستکار اسیطرح اپنی مصنوعات فروخت کرکے ضروریات خریدتے ہیں۔ نور باف، رنگریز، موچی، اور تانبے پیتل کے برتن بنانے والے یہ سب لوگ ایسی چیزیں بناتے ہیں کہ جو ان کی ضروریات میں بہت کم داخل ہیں پس وہ اپنی مصنوعات دوسروں کے ہاتھ فروخت کرکے ان کی قیمت سے کھانا کپڑا وغیرہ خریدتے ہیں اب دیکھنا چاہیئے کہ ہر سہ عاملین پیدائش کی احتیاج کے لحاظ سے دستکاروں کی کیا حالت ہے یعنی ان کو ہر ایک عامل کسقدر درکار ہے۔

اوّل زمین کو لیجئے۔ دست کاروں کو بہت تھوڑی زمین درکار ہوتی ہے۔ اس سے بھی کم جتنی کہ چھوٹے سے کاشتکار کے لیئے ضروری ہے۔ لیکن جیسا کہ چھٹی فصل میں بیان ہو چکا ہے دستکاروں کے واسطے زمین کا موقع محل بہت بڑی چیز ہے دستکار کو ایسی جگہ رہنا چاہیئے کہ خریداروں کو بلا دقت اس کا پتہ مل جائے محض قصبے میں رہنے سے کام نہیں چلتا بلکہ دکان ایسی سڑک پر بازار میں واقع ہونی ضرور ہے کہ جہاں اور بھی یہی کاروبار کرتے ہوں اور لوگوں کو بھی اس بات کا علم ہو۔ مثلاً ایک بازار ہے جہاں جوتے خرید و فروخت ہوتے ہیں۔ ایسے مقام پر جو دکان ملے گی اس کا بہت

زیادہ کرایہ دینا موجبی بخوشی گوارا کرے گا۔ لیکن غلے کی منڈی میں وہ اپنی دکان کم کرایہ پر بھی کھولنی پسند نہ کرے گا۔ پس معلوم ہوا کہ دستکار کو بہت تھوڑی زمین درکار ہوتی ہے۔ لیکن حسب دلخواہ موقع کی اتنی سی زمین بھی مشکل سے ہاتھ لگتی ہے اور اسکی آمدنی کا ایک بڑا حصہ کرایہ کی نذر ہو جاتا ہے ؛

باب ہجدہم ضمن ۱۴۱

دوسرا عامل محنت ہے۔ بیشتر کام تو دستکار اور اس کا کنبہ ملکر انجام دیتا ہے۔ بشرط ضرورت ایک دو مزدور بھی لگا لیئے جاتے ہیں بالعموم وہ تھوڑا سا سامان لیکر اس سے مصنوعات تیار کرتا ہے جو صرف چند وضع کی ہوتی ہیں اور مدت تک وہی مصنوعات بنانے بناتے اس کا ہاتھ بہت صاف ہو جاتا ہے اور عمدہ چیزیں تیار ہونے لگتی ہیں۔ لیکن مصنوعات تیار کرنے کے علاوہ دستکار کو اور بہت سا کام بھی کرنا پڑتا ہے یعنی اول تو مصنوعات کے واسطے موزوں پیداوار خام منتخب کرنا۔ اس کی قیمت چکانا کیا کیا چیزیں کتنی کتنی تیار ہونی چاہئیں یہ طے کرنا۔ اور پھر مصنوعات کی طرف خریداروں کو رجوع کرنا اور ان کے ہاتھ مال بیچنا۔ یہ سب کام دستکار کے ذمے رہتا ہے۔ جس زمانے میں لوگ اپنی ضروریات خود مہیا کرتے ہیں تب بھی ان کو مصنوعات بنانے کے علاوہ بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ اکثر چیزیں اپنی ہی ضروریات کے واسطے بناتے ہیں ان کا کاروبار اس قدر دشوار نہیں ہوتا جتنا کہ دستکاروں کا جن کو دوسروں کے واسطے مصنوعات تیار کرنی پڑتی ہیں۔ گویا دستکاروں کو یہ پتا چلانا پڑتا ہے کہ لوگوں کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اور اپنی ضروریات سمجھنے کے مقابلے میں یہ کام کہیں زیادہ دقت طلب ہے۔ اگر اس نے لوگوں کی ضروریات کا غلط اندازہ کیا تو گویا اس کی کل محنت اور لاگت بیکار گئی اس کی مصنوعات کون خریدے گا۔ اور جب وہ فروخت نہ ہونگی تو وہ نئی مصنوعات کے واسطے پیداوار خام کہاں سے لائے گا۔ اپنی گذر کہاں سے کرے گا اور کاروبار کیونکر چلائے گا ؛

ترقی پیدائش کے ابتدائی دور میں تو خریداروں کی ضروریات کا پتہ چلانا دستکاروں کو ایسا دشوار نہیں۔ اس زمانے میں لوگوں کی ضروریات انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں ان میں مدتوں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور جب تجارت مختصر ہو تو چیزوں کے انتخاب

کاروباری تقسیم

باب دوم
فصل ۱۱

میں بھی کیا وقت ہوسکتی ہے۔ لیکن دولت کے صرف کے بیان میں آگے چل کر واضح ہوگا کہ معاشی ترقیات سے مراد یہ ہے کہ ضروریات کی تعداد بڑھے۔ ان کی اقسام بڑھیں اور ساتھ ہی نہیں تو ہم پہنچانے کے ذرائع میں بھی اضافہ ہو۔ اس حالت میں خیال کرو کہ تبدیلیوں کا ساتھ دینا دستکار کے واسطے کس قدر مشکل ہے اور جہاں اس نے خطا کی کل قیمت اور لاگت اکارت گئی۔ پارچہ بافی اس کی بہت اچھی مثال ہے کل کی سی بات ہے کہ سوائے چند دولتمند لوگوں کے سب انہی جولاہوں کے ہاتھ کا بنا ہوا دیسی کپڑا پہنتے تھے صرف چند قسم کا کپڑا ملتا تھا جو عمدہ بنا ہوا نہایت پائدار مگر ذرا موٹا اور بھدا ہوتا تھا سب لوگ ایک ہی وضع کا لباس پہنتے تھے لیکن اب تو گاؤں والے بھی طرح طرح کے کپڑے پہنتے ہیں چاہیں تو وہ پرانی وضع کا دیسی کپڑا خریدیں یا بمبئی اور کانپور کے کارخانوں کا نفیس کپڑا یا ولایتی کارخانوں کا سب سے بڑھیا کپڑا جو کہ افریقہ اور امریکہ کی روئی سے تیار ہوتا ہے اور گرہ میں دام ہوں تو اونی اور ریشمی کپڑے تک خریدلیں اب لوگوں کو تو طرح طرح کے کپڑوں کا شوق ہوگیا اور بیچارہ جولاہا وہی قدیم وضع کا کپڑا بنے جاتا ہے اور وہ بھی کیا کرے نہ اس کے پاس موزوں سامان ہے نہ ضروری آلات واوزار ہیں۔ نہ فنی علم و واقفیت کہ فیشن کے کپڑے تیار کرے نتیجہ یہ ہے کہ اس کے کپڑے کی خریداری روز بروز گھٹ رہی ہے حتیٰ کہ بعض وقت تو دیسی کپڑا فروخت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جو دستکار دوسروں کے ہاں اجرت پر کام کرنے کے بجائے اپنے طور پر کام کرتا ہے وہ محنت تو ضرور زیادہ کرتا ہے اسلیئے کہ اسکی آمدنی اس کی مہارت اور کوشش پر منحصر ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ وہ نت نئی تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا نہ جدید بازاروں سے فائدہ اٹھاسکتا ہے۔ چنانچہ معاشی ترقیات کے بعد اکثر جب دستکاروں نے بطور خود کام کرنے کی کوشش کی تو انکو نفع کے بجائے نقصان اٹھانا پڑا۔

اب اصل کی باری آئی۔ دستکار دستکار کی ضروریات میں بہت بڑا فرق ہے بعض کے آلات واوزار بہت قیمتی ہوتے ہیں اور اگر بعض کے سادے ہیں تو ان کو پیداوار خام میں بہت روپیہ لگانا پڑتا ہے اور بعض کی مصنوعات اتنی مدت میں تیار ہوتی ہیں کہ عرصے تک

اُن کو اپنی گرہ سے کھانا پڑتا ہے۔ لیکن اصل کی ضرورت ہوتی سب کو ہے خواہ کسی حیثیت سے ہو اگر وہ پس انداز کر کے خود اپنا اصل فراہم کریں یا ہو ورثتاً اپنے بزرگوں سے پائیں تو بہتر کیا کہنا۔ آزادی سے کام کریں، وہ فائدہ اٹھائیں اگر بلحاظ حالات گردوپیش اُنکی کاروباری قابلیت اچھی ہے تو وہ خرچ سے زیادہ کما سکیں گے، اور بچا بچا کر کچھ جمع بھی کریں گے۔ لیکن اکثر دستکاروں کے پاس ضرورت کے موافق اصل نہیں ہوتا اور کچھ۔ نتیجہ اُن کو دوسروں سے قرض لینا ہی پڑتا ہے۔ اور اس پر جو سود واجب الادا ہوتا ہے۔ اس کی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ بعد ادائیگی ان کے پاس اتنا ہی بچ رہتا ہے کہ بسر اوقات کر سکیں پس اندازی کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی گویا دستکاروں کی حالت بیشتر شرح سود پر منحصر ہے۔ اس نکتے سے تقسیم دولت کے تحت میں آیندہ بحث کی جاوے گی۔ ہندوستان میں شرح سود اس قدر زیادہ ہے کہ دستکاروں کی کمائی کا بڑا حصہ قرض خواہوں کی جیب میں چلا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ غریب دستکاروں کو پس اندازی کا موقع بہت کم نصیب ہوتا ہے جو کچھ دولت پیدا کرتے ہیں اس میں سے کچھ اپنی اور کنبے کی پرورش میں صرف ہو جاتا ہے اور باقی پر قرض خواہ قبضہ کر لیتے ہیں روز بروز طرح طرح کی ضروریات بڑھ رہی ہیں اور ان کی بہم رسانی میں دستکاروں کو جو دقت پیش آتی ہے اس کا ایک اہم باعث شرح سود کی زیادتی بھی ہے۔ جیسا کہ ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں ہندوستانی کاشتکار بھی ترقی پیدائش کے ابتدائی دور سے کچھ آگے ضرور بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ اب وہ نہ صرف اپنی ضرورت کے لائق فصل بوتا ہے بلکہ کچھ پیداوار دوسروں کے ہاتھ بھی فروخت کر ڈالتا ہے۔ تاہم ابھی وہ اس دور سے دور تک نہیں پہنچا جو دستکاروں کو حاصل ہے اور اس میں شک ہے کہ اس کو پورے طور پر یہ دور کبھی نصیب ہو لیکن جس حد تک وہ اپنی ضرورت کے علاوہ فروخت کے واسطے فصل تیار کرتا ہے اس کو بھی دستکار کی طرح کاروبار کی دقتیں پیش آتی ہیں کہ کیا فصل بوئی جائے۔ اور کہاں فروخت ہو۔ اگر کاشتکار اپنی پیداوار صرف قریب کے قصبوں میں بیچیں تب تو زیادہ دقت نہیں۔ لیکن جب وسعت تجارت کی بدولت یہ نوبت آ جائے کہ دور دور جا کر مال فروخت ہو اور دنیا کے دور دراز مقامات کی پیداوار سے مقابلہ آ پڑے تو بیشک مال کی نکاسی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ مثلاً ہندوستانی کاشتکار کو نہیں معلوم کہ انگلستان یا جرمنی میں کس قسم کے گیہوں

ماس دوم
فصل ۱۲، ۱۱

باب دوم فصل (۲)

یا رو غندار تخم کی سب سے زیادہ مانگ ہے اور گوان کا مال پڑا نہیں رہتا۔ اور کچھ نہ نہ کچھ دام وصول ہو ہی جاتے ہیں۔ تاہم اگر مطلوبہ اقسام کے بجائے جن کی قیمت بہت اعلیٰ ہے بوجہ بیجبری وہ دوسری اقسام بوئیں جس کی مانگ کم ہے تو انکو مقابلۃً بہت مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یا کاشتکار کوئی چیز اس امید پر بوئے کہ اس کی طلب زیادہ ہے لیکن تیار ہوتے ہوتے اس کی مانگ گھٹ جائے خواہ اس وجہ سے کہ اسکی ضرورت ہی نہ رہے یا کوئی دوسری چیز اس کے بجائے استعمال ہونے لگے تب بیچارے کاشتکاروں کو حتی الوسع جلد کاشت میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔ وہ زمین سے دوسرے طرح کے کام لیں گے اور مروجہ فصل کی بابتہ جو کچھ تجربہ حاصل ہوا وہ سب بیکار جائے گا۔ شمالی ہندوستان میں ایسے دو واقعات حال میں پیش آچکے ہیں۔ کبھی نیل کثرت سے بویا جاتا تھا۔ لیکن جب سے ولائتی رنگ چلے اس کی کاشت ہی بند ہو گئی۔ اسی طرح جب سے چین والوں نے افیون کھانی چھوڑی ہندوستان میں پوست کی کاشت بہت گھٹ گئی۔ جنگ کی وجہ سے جو ولائتی رنگ آنے بند ہوئے تو اب پھر نیل کے کام میں جان پڑ رہی ہے؛

ایک تو کاشتکار کو یہ دقت درپیش ہے کہ وہ دور دراز کے گاہکوں کی ضروریات سے بیخبر ہے اس پر طرہ یہ کہ دیگر ممالک نے اس کے ملک یعنی ہندوستان کی ضروریات کا پتہ لگا لیا ہے اور اس کی آنکھوں دیکھتے ہندوستانی بازاروں پر چھاپا مارتے ہیں اور کاشتکار سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ مثلاً شکر ہے کہ ہندوستان میں کروڑہا من باہر سے آ آکر فروخت ہوتی ہے اور دیسی کھانڈ کو بہتیرے ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کاشتکاروں کو گڑ، کھانڈ فروخت کرنے میں دقت ہوتی ہے اور بمقابل سابق اب وہ یہ چیزیں کم تیار کرتے ہیں؛

جب شرح سود زیادہ ہو اور کاشتکار کے پلے کافی اصل نہ ہو تو اس کو بھی ایسا ہی نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ دستکار کو۔ اور جب سے مال باہر جانے لگا ہے کاشتکار کو بہت زیادہ اصل کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً جو کے مقابل گیہوں کی کاشت میں زیادہ لاگت لگتی ہے اور اکھ میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس میں شک نہیں کہ پیداوار بھی اسی حساب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ لیکن اگر شرح سود بہت اعلیٰ ہو تو فصل کی

سب زائد قیمت سود کی نذر ہو جائے گی اور کاشتکار بالکل محروم رہے گا۔ چنانچہ توسیع تجارت کے طفیل سے گو ملک میں دولت بہت بڑھی لیکن اس کا بڑا حصہ انہی لوگوں نے سمیٹ لیا جو اصل دار ہیں اور دوسروں کو قرض دیتے ہیں ؛

باب ۴ فصل ۱۴۲،

پس واضح ہوا کہ جس حد تک کاشتکار فروخت کی غرض سے فصل تیار کرتا ہے اس کو بھی انہی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے جو کہ دستکار کو پیش آتی ہیں۔ کاروبار چلانا روز بروز دشوار ہوتا جاتا ہے اور اصل بہت گراں ہے یعنی شرح سود بہت چڑھی ہوئی ہے اور جوں جوں کاشتکار دوسرے دور میں قدم بڑھاتا ہے یہ دقتیں اور بھی بڑھ رہی ہیں ؛

فصل پندرہ

پیدائش کا انتظام۔ کارخانوں کا زمانہ

اب ہم انتظام پیدائش کے تیسرے دور میں داخل ہوتے ہی دیکھتے ہیں کہ مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں آجر کی نگرانی میں کام کرتی ہیں یورپ میں تو یہ طریق اس قدر مروج ہوگیا ہے کہ بطور خود کام کرنے والے دستکار کسی شمار قطار میں نہیں اور ہندوستان کی بعض صنعت و حرفت میں بھی یہ رواج پھیل گیا ہے مثلاً کان کنی یا پارچہ بافی ہے کہ ہزارہا مزدور کارخانوں میں اجرت پر کام کرتے ہیں۔ زراعت میں یہ طریق نہ چل سکا اور آئندہ بیان سے اس کے اسباب بھی معلوم ہوں گے۔ تاہم چاء کی کاشت اسی طریق پر ہوتی ہے؟

کارخانے کی مثال

ایک سادہ مثال لو۔ مثلاً کوئی شخص تنخواہ دار نوربافوں سے اپنے مکان میں اجرت پر کپڑا بنوائے اور اجرت خواہ وقت کے حساب سے دے یا بنائی کے حساب سے۔ آجر خود سوت اور دیگر ضروری سامان خریدتا ہے۔ جیسا کپڑا چاہتا ہے بنواتا ہے اور اس کی فروخت کی سبیل نکالتا ہے۔ اور جو کچھ قیمت وصول ہوتی ہے اپنی جیب میں ڈالتا ہے۔ اس انتظام کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کاروبار چلانا اور جسمانی محنت دو الگ الگ چیزیں ہوگئیں نورباف کو اب غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو صرف آجر کی خواہش کے مطابق کپڑا بنتا اور اپنی اجرت پاتا ہے۔ کاروبار کا چلانا آجر کے ذمے ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ نورباف کو اصل کی ضرورت نہیں رہی۔ سب سامان آجر مہیا کرتا ہے گذر کے واسطے نورباف کو اجرت مل جاتی ہے۔ سامان خریدنے اور اجرت دینے کے لئے آجر کو اصل کی فکر کرنی پڑتی ہے؛

کاروبار اور محنت کی علیحدگی

گذشتہ فصل میں دستکار کے متعلق جو دقتیں بیان کی گئی تھیں اب وہ تو رفع ہوگئیں مثلاً نورباف کے واسطے کپڑا بننا تو آسان ہے لیکن کاروبار چلانا اصل مہیا کرنا کارے دارد اگر طریق پیدائش میں کوئی اور تغیر نہ ہو تو یہ کام آجر کے حق میں بھی مفید ہے کہ وہ کلہا

چلائے اور اصل مہیا کرے کیونکہ وہ حالات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ سامان ارزاں خریدے گا اور مال عمدہ قیمت پر نکالے گا۔ اور بیکار مال بھی تیار نہ کرائے گا کیونکہ وہ گاہکوں کا مذاق اچھی طرح (فصل ۱۵،۱) پر جانتا ہے۔ لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ اس طریق پر نورباف کپڑا اس قدر نہیں بیں گے جتنا کہ بطور خود بنتے اس قدر محنت کی امنگ دل میں باقی نہ رہے گی۔ اب تو وہ اتنا ہی کام کریں گے کہ جرمانہ یا برطرفی کی نوبت نہ آئے۔ حالانکہ پہلے فاقے کے خوف سے جان مارتے تھے۔ لیکن یہ سوال پیدا بھی نہ ہوگا کیونکہ ساتھ ہی ساتھ طریق پیدائش میں بھی ضرور تغیر و تبدل ہوگا:

تقسیم عمل

جو تبدیلی سب سے اول نمودار ہوگی وہ معاشی زبان میں **تقسیم عمل** کہلاتی ہے۔ نورباف ہمیشہ کپڑا ہی نہیں بنتے بلکہ ان کو وقتاً فوقتاً پان بھی کرنی پڑتی ہے ہر قصبے میں نورباف یہ کام خود کرتے ہیں۔ اکثر سڑک کے کنارے کچھ کچھ فاصلے پر بانس کے اڈے کھڑے کرکے تانے تنتے ہیں اور کوچ کر کرکے سوت کو مانڈی پلاتے ہیں نوربافوں کا بہت سا وقت پان کرنے میں لگتا ہے۔ لیکن اگر بہت سے لوگ کام کرتے ہوں تو بہتر یہ ہوگا کہ کچھ پان کریں اور کچھ کپڑا بنیں۔ اسی کا نام تقسیم عمل ہے۔ اسی طرح پان کرنے کا کام بھی تقسیم ہو سکتا ہے۔ کچھ مانڈی تیار کریں اور کچھ سوت پر چڑھائیں ہر شخص ایک ایک وضع کا کپڑا بنے کہ جس میں اس کو سب سے زیادہ مہارت ہو۔ کاریگر لوگ باریک اور نفیس کپڑا تیار کریں۔ ایک یا دو آدمی سوت کا ذخیرہ مہیا رکھیں جو کپڑا تیار ہو اس کو ناپیں اور اس کو گاہکوں تک پہنچائیں۔ کرگھے بنانے اور اس کی مرمت کرنے کے واسطے ایک بڑھئی بھی رہنا چاہیے۔ اس طور پر سب کے سب نورباف کپڑا نہ بنیں گے بلکہ کارخانے میں کام کے درجے ہوں گے۔ اور ہر درجے کے واسطے آجر موزوں مزدور رکھے گا تاکہ کم سے کم مصارف پر زیادہ سے زیادہ مال تیار ہو سکے:

تقسیم عمل سے پیدائش میں جو گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں معاشیات کی بڑی بڑی تصانیف میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ چند خاص فوائد یہ ہیں (۱) مدت تک ایک ہی کام کرتے کرتے مہارت میں ترقی ہوتی ہے اور (۲) ہر مزدور سے اس کے مناسب حال بہترین کام لینے کا موقع ملتا ہے۔ دسویں فصل میں تحصیل مہارت کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا اس میں کچھ اضافہ کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے جس قدر خاص

باب دوم
فصل (۱۵)

قسم کی حرکات متواتر کی جا دیں گی۔ اسی قدر ان کے کرنے میں سہولت اور کمال حاصل ہو گا۔ رہا دوسرا فائدہ سو بعض کام زیادہ پیداآور ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی زیادہ دشوار بھی۔ جو نور باف عمدہ خوش وضع کپڑا بن سکتا ہے وہ موٹے جھوٹے کپڑے بننے والے سے زیادہ پیدا کرے گا۔ لیکن اگر اول الذکر نور باف بطور خود کام کرے تو اس کو کبھی کبھی مجبوراً گھٹیا کپڑا بھی بننا پڑے گا۔ کیونکہ بعض وقت بڑھیا کپڑے کا بازار مندا پڑ جاتا ہے۔ لیکن کارخانے میں اس کو بازار کی حالت سے کچھ سروکار نہیں۔ مال کی نکاسی تو تاجر کے ذمہ ہے وہ تو بےفکری سے عمدہ کپڑا بنتا رہے گا جس کی اُس کو خوب مہارت ہے ؛

کارخانوں میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ چونکہ ان میں مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں مل کر کام کرتی ہیں وہاں پر تقسیم عمل کی گنجائش خوب ہوتی ہے اور کام مقدار میں نسبتہً زیادہ اور نیز عمدہ ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ کاریگروں کو ایک ہی کام کرتے کرتے خوب مشق و مہارت ہو جاتی ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ بوجہ کثرت کارمشین بھی چل سکتی ہے دیکھنے کو تو کارخانے میں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے۔ دھواں بھاپ۔ گڑگڑاہٹ اور شور ہزارہا کل پرزے بڑی تیزی سے حرکت کر رہے ہیں۔ غور سے دیکھو تو ہر ایک کل ایسا ہی کام کر رہی ہے جیسے کہ مزدور کرتے ہیں اور اُن سے کہیں جلد اور زیادہ۔ مثلاً کسی کارخانے میں کپڑا بننے کی کل غور سے دیکھو تانے میں نال کس تیزی کے ساتھ ادھر اُدھر لپکتی ہے اور بانیکا تاگا جو نال ڈالتی ہے وہ نال کی واپسی سے قبل کیونکر ٹھک ٹھک کر اپنی جگہ آجاتا ہے دستی کرگھے میں بھی یونہی کپڑا بنا جاتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کل کی بنائی بہت تیز ہے۔ گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہوتا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ کل آدمی کی طاقت سے نہیں بلکہ انجن کی طاقت سے چلتی ہے اور انجن بھاپ کے زور سے چلتا ہے دراصل بننے کے کرگھے میں کوئی بڑا فرق نہیں۔ خواہ وہ دستی ہو یا کل دار البتہ چلانے والی طاقت میں زمین آسمان کا فرق ہے کہاں آدمی کا ہاتھ اور کہاں انجن۔ کارخانوں کی قریب قریب تمام کلوں کا یہی حال ہے۔ جو باقاعدہ حرکت انسان کر سکتا ہے۔ کل بھی کر سکتی ہے۔ مثلاً چیزوں کو آگے پیچھے ہٹانا یا اوپر نیچے لیجانا۔ یا ان کو گردش دینا۔ سننے میں یہ بات کس قدر عجیب معلوم ہو گی کہ یورپ میں کلوں سے رقمیں جوڑنے کا کام لیا جاتا ہے۔

باب دوم
فصل (۱۵)

ہندوستان میں چونکہ کم تنخواہ کے محاسب مل جاتے ہیں اس لئے کلوں کا رواج نہیں ہوا۔ کلوں نے یورپ میں اس درجہ ترقی کی ہے کہ بہت سے کام جو آدمی کرتا ہے وہ بھی کر سکتی ہیں اور اگر مقابلۃً خرچ کم پڑے تو بلا تکلف ان سے کام لیا جاتا ہے۔

کلوں کا استعمال

کپڑے کے کارخانے کی جو مثال ہمنے اوپر بیان کی ہے اُس میں سو نور باف اجرت پر ہاتھ سے کپڑا بنتے ہیں۔ لیکن جب کارخانہ دار کو پتہ لگے گا کہ انجن سے چلنے والی کلوں کے ذریعے سے کپڑا تیار کرنے میں زیادہ فائدہ ہے تو وہ کارخانے میں ضرور کلیں جاری کر دیگا اور کپڑے کی دستی بنائی ترک ہو جائے گی۔ حالانکہ اب بھی اتنے ہی مزدور یعنی سو نور باف کارخانے میں کام کریں گے لیکن کپڑا زیادہ تیار ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ اب دستی کرگھوں کے بجائے کلوں سے کپڑا بنا جائیگا جو بہت تیز چلتی ہیں۔ مزدوروں کا کام کیا رہ گیا۔ کل چلانا اور روکنا اور دوسری قسم کی دیکھ بھال۔ نتیجہ یہ ہے کہ نور بافوں کی مہارت اور ہاتھ کی کاریگری دھری رہ گئی۔ عمدہ کل بھی ویسا ہی بلکہ اس سے بہتر کام کر سکتی ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ تھکتی نہیں۔ جبتک خراب نہ ہو برابر چلتی رہتی ہے اب ماہر نور باف کی جگہ دوسری قسم کی مہارت والوں کی ضرورت ہو گی یعنی کل سازوں کی جو کل چلانا اور درست کرنا جانتے ہوں۔ پھر اب ہوشیار اور کاریگر نور بافوں کی حاجت ہی کیا رہی کم اجرت پر عورتیں اور لڑکے بھی کلوں کے ذریعے سے کام کر سکتے ہیں۔ صرف ترتیب یافتہ کل سازوں کی نگرانی کافی ہے؛

صرف یہی ایک تبدیلی نہو گی کہ انجن سے چلنے والی کلوں کے کرگھے کپڑا بنیں گے بلکہ پان کرنے اور اسی طرح کے دوسرے کاموں میں بھی کل استعمال ہو گی اور کارخانہ دار چاہے تو سوت کاتنے کی کلیں بھی جاری کر دے اب تو کارخانہ بہت بڑھ جائے گا۔ قرب و جوار میں نور باف جس قدر کپڑا ہاتھ سے بنتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یہاں تیار ہونے لگے گا صرفہ بھی مقابلۃً کم پڑے گا اور لوگ کارخانے کا بنا ہوا ارزان کپڑا خریدنا شروع کر دیں گے یوں تو کارخانے میں بہت سے لوگ روزی سے لگ جاوینگے اور پرورش پائیں گے لیکن بیچارے ماہر نور باف کہیں کے نہ رہیں گے اب ان کا مال کون خریدے گا؛

کارخانوں کی خصوصیات

تمثیلاً ہم نے کارخانے کو بتدریج بڑھتے ہوئے دکھایا ہے اول اول کارخانے

باب سوم
فصل (۱۵)

یوں ہی رفتہ رفتہ بڑھا بھی کرتے تھے۔ لیکن اب تو لوگ کارخانوں کے قاعدوں قرینوں سے خوب واقف ہو گئے ہیں۔ مکمل کارخانے کا ایک ساتھ ہی اہتمام کر لیتے ہیں اور بعض صنعت و حرفت کے کارخانوں کا اہتمام کرنا تو ایک جداگانہ فن مانا جاتا ہے اور بعض لوگ کمیشن لیکر کارخانوں کا ابتدائی اہتمام کرتے ہیں لیکن خواہ مکمل حالت میں جاری ہوں یا ابتدائی حالت سے بتدریج ترقی کریں چند باتیں سب کارخانوں میں یکساں نظر آتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں :

(۱) پیداوار خام خریدنا۔ تیار شدہ مال فروخت کرنا اور کاروبار کی عام نگرانی، یہ سب کام مصنوعات کی تیاری سے جداگانہ شمار ہوتے اور انجام پاتے ہیں۔ آجر کام چلاتا ہے اور کاریگر اجرت پر مال تیار کرتے ہیں :

(۲) اصل مہیا کرنا آجر کا کام ہے۔ کاریگروں کو اس سے کچھ سروکار نہیں اور نہ ان کو زمین سے مطلب وہ تو صرف محنت کرتے ہیں گویا یہ عامل پیدائش تو ان کے سپرد ہے اور باقی دونوں آجر کے ذمہ :

(۳) کارخانے کا اس طرح سے انتظام کرتے ہیں کہ تقسیم عمل اور کل کے جاری ہونے سے مصارف پیدائش کم سے کم رہیں اور حسن انتظام کی بدولت پیداوار کی مقدار اس سے کہیں بڑھ جائے جو کہ مزدوروں کے بطور خود جدا جدا کام کرنے سے حاصل ہوتی :

(۴) کام کرنے والے مزدوروں کے حساب سے تو کارخانوں میں پیداوار کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بہت سے لوگ جو ایک ہی قسم کا کام جانتے ہیں ان کارخانوں کی بدولت ذریعۂ معاش سے بھی محروم ہو جاتے ہیں :

زیادہ اصل کی ضرورت

یہ تو بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اگر کارخانوں کے ذریعے سے بڑے بڑے پیمانے پر مال تیار کرایا جائے تو بہت زیادہ اصل درکار ہوگا اور اگر لوگ بطور خود چھوٹے چھوٹے پیمانے پر ہاتھ سے مال تیار کریں تو بہت کم اصل سے کام نکل جائے گا۔ عمارات انجن کلیں یہ سب بہت سا اصل ہضم کر جاتی ہیں پھر مال تیار اور فروخت ہونے سے قبل پیداوار خام خریدنی پڑتی ہے۔ مزدوروں کو اجرت دی جاتی ہے جو روپیہ اس

مد میں صرف ہوتا ہے وہ اصل دائر کہلاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تک ملک مستعد ۔ب،م
ترقی نہ کرے کہ افراد کے اندوختے فراہم کر کے لوگ بڑے بڑے کاروبار جاری کریں صل(۵۱)
کارخانے نہیں چل سکتے چنانچہ اس ترقی کے حالات اب ہم اگلی فصل میں بیان کرتے ہیں۔

فصل سولہ

اصل کا انتظام

اصل کے انتظام کی ضرورت

یوں تو انتظام اصل کا مسئلہ ہر ملک میں متعلمین معاشیات کے واسطے قابل دلچسپی ہے لیکن خاص کر ہندوستان میں یہ مسئلہ آجکل بہت اہم بنا ہوا ہے اس سے قبل واضح ہو چکا ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی کا دار و مدار اصل کے انتظام پر ہے اور یہی حال زراعت کا بھی ہے ہندوستانی کاشتکار کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ اس کو مناسب شرح سود پر اصل قرض ملے۔ تاکہ اس کو اپنے کھیت اور محنت سے بہترین نتائج حاصل ہوں یعنی مصارف تو کم رہیں۔ اور پیداوار زیادہ ہو۔ پس اس قول میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ملک بھر کی دولت بڑھانے کے واسطے اصل کا عمدہ انتظام شرط اول ہے؛ یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ دولت کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ فراہم ہونا قدرتی امر ہے یعنی جب کبھی موقع ملتا ہے لوگ تھوڑا بہت پس انداز کر لیتے ہیں اور موقع سے مراد یہ ہے کہ کل پیداوار صرف کئے بغیر فوری احتیاجات پوری ہو جائیں۔ لیکن اس میں ذرا شک ہے کہ فراہم شدہ دولت کا بطور اصل کام میں لانا بھی اسیطرح قدرتی بات ہے قدیم زمانے میں اکثر قومیں ذخیرۂ دولت سے مزید پیداوار حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتی تھیں۔ اور ذخیرے کی غرض بیشتر یہی ہوتی تھی کہ آئندہ بوقت ضرورت کام آئے۔ داشتہ آید بکار۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں دولت کے موجودہ ذخیرے کا بہت تھوڑا حصہ بطور اصل استعمال کرنے کی نیت سے پس انداز کیا گیا ہے ذخیرے کے بڑے حصے کی صرف یہی غرض ہے کہ اس سے قحط میں یا کسی اور مصیبت کے وقت کام نکلے۔ جب تک لوگوں کے دلوں میں چوری اور ڈکیتی کا خوف جاگزیں ہے۔ وہ مشکل سے اندوختوں کا کوئی بڑا حصہ پیدائش دولت میں لگائیں گے۔ بلکہ غالباً وہ انکو

باب سوم فصل (۱۶)

سونا چاندی بناکر رکھیں گے تاکہ بلاوقت چھپا سکیں اور جہاں چاہیں ساتھ لیجا سکیں جب کوئی زبردست حکومت قائم ہو جاتی ہے تو اس رواج کا اصلی سبب تو غائب ہو جاتا ہے لیکن عادت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ اور ابتک عام طور پر لوگ اس بات کے عادی ہیں کہ اپنا اندوختہ چھپاکر رکھیں اسی وجہ سے اس کو دفینہ کہتے ہیں۔ اس طرح پر ملک میں دولت کا بہت سا ذخیرہ موجود ہے جو اصل نہیں۔ کیونکہ اس سے مزید دولت پیدا کرنا مقصود نہیں۔ بعض دفینے تو مسلم ہیں مثلاً نوابوں اور راجاؤں کے خزانے۔ لیکن دولت کا ایک بڑا ذخیرہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے چھوٹی چھوٹی رقمیں زمین میں دفن کر رکھی ہیں۔ تاکہ ان سے وقت کام آئیں۔

بعض ممالک کی حالت اس سے مختلف ہے۔ لوگ اپنا اندوختہ شاذ و نادر دفینہ بناکر رکھتے ہیں۔ بلکہ بہت کچھ دولت خاص اس شوق میں پس انداز کرتے ہیں کہ اس سے پیدائش دولت کا کام لیں اور کچھ آمدنی حاصل کریں۔ اگر بہت زیادہ دولت پیدا کرنی مقصود ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے کہ اندوختوں کو پیدائش کے کام میں لگایا جائے اب دیکھنا یہ ہے کہ اصل سے جو پیدائش دولت کا کام لیا جاتا ہے اس کا انتظام کیونکر انجام پاتا ہے۔ کاشتکار یا دستکار کو اپنے کاروبار کے واسطے بیشک کچھ اصل کی ضرورت ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ اپنی ضروریات سے زائد اندوختہ اس کے پاس موجود ہو۔ خصوصاً زمینداروں اور اعلیٰ ملازمت پیشہ لوگوں کی یہی حالت ہوتی ہے بلکہ کچھ نہ کچھ تو مزدوروں کی گرہ میں بھی ہوتا ہے جو بطور اصل کام آسکتا ہے۔ اگر مالک اپنے اصل سے خود کوئی کام نہ لے سکے تو دوسروں کو سود پر قرض دے سکتا ہے۔ چنانچہ روپے کے لین دین کا ہندوستان میں اچھا خاصہ رواج ہے۔ خصوصاً مہاجنوں کا تو پیشہ ہی یہ ٹھیرا مگر ملف یہ ہے کہ جس کو روپے کی ضرورت ہے وہ تو یہ نہیں جانتا کس سے روپیہ مل سکتا ہے اور جو روپیہ قرض دینا چاہے اس کو پتہ نہیں کہ کون روپے کا حاجتمند ہے بڑے بڑے لین دین کا ذکر تو نہیں لیکن چھوٹے چھوٹے قرضوں میں ضرور یہ دقت پیش آتی ہے۔ اصل کے انتظام میں پہلا کام تو کسی کو ثالث بنانا ہے۔ جو لوگوں سے ان کا پس انداز کیا ہوا روپیہ لیکر قرض خواہوں کو دے۔ بنک کو ایسا ہی ثالث سمجھنا چاہئے بنک طرح طرح کا کام سرانجام دیتے ہیں جن کی تفصیل آگے چل کر طالب علم

باب سوم
فصل (۲۱)

کو بڑھنی ہوگی۔ لیکن ان کا اصلی کام یہی ہے کہ لوگوں سے ان کا زائد از ضرورت نقد روپیہ لینا اور حاجتمندوں کو قرض دینا۔ اصل جمع کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ بنک بطور امانت روپیہ لینے اور اس کے استعمال کے معاوضے میں سود دینے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اور جب مالک چاہے کچھ عرصہ پہلے اطلاع دیکر اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے جن لوگوں کو بنک کا اعتبار ہوتا ہے یعنی جن کو یقین ہوتا ہے کہ بنک نیک نیت ہے اور وعدہ پورا کر سکتا ہے وہ اپنا روپیہ بنک کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو روپے کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی بنک سے معاملہ کرتے ہیں۔ اور اگر بنک کو اطمینان ہو کہ قرض گیر سود اور اصل اوقات معینہ پر ادا کر دے گا تو وہ اس کو قرض دیدیتا ہے۔ لیکن بنک والے کیا یہ سب کام بلا معاوضہ کرتے ہیں۔ نہیں۔ وہ بھی منفعت کے خواہاں رہتے ہیں اور منفعت کی سبیل یہ ہے کہ زر امانت پر جمع کنندوں کو کم سے کم سود دیا جائے اور قرض گیروں سے زر قرض پر زیادہ سے زیادہ سود وصول ہو اور بنک جو سود قرض گیروں سے خود لیتا ہے اور جو سود جمع کنندوں کو دیتا ہے ان میں جس قدر فرق ہو وہی بنک کا منافع ہے اس میں سے کچھ تو ملازمین کی تنخواہ اور دیگر اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور جو باقی بچے وہ مالکان بنک کا حق ہے۔

اب تو ہندوستان کے بہت سے شہروں میں بنک چل رہے ہیں لوگ ان سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں اول اول تو یوروپین لوگوں نے جن کے ملکوں میں بنک بخوبی رائج ہیں۔ ہندوستان میں بنک قائم کیے لیکن ان کی کامیابی دیکھکر ہندوستانیوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور اب وہ بھی بنک جاری کر رہے ہیں۔ سردست ہمکو دیکھنا یہ ہے کہ بنکوں سے پیدائش دولت میں کس قدر مدد ملتی ہے۔ بنک پیدائش دولت میں بہت کارآمد اور معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ آجر جتنا اصل چاہیں بنک سے قرض لے لیتے ہیں۔ اسی میں سے پیداوار خام خریدتے ہیں۔ مزدوروں کی اجرت دیتے ہیں۔ اور دوسرے خرچ چلاتے ہیں اور جب مال تیار ہو کر فروخت ہوتا ہے تو اس کی قیمت میں سے بنک کو قرض مع سود ادا کر دیتے ہیں سچ پوچھیے تو بنکوں کا زیادہ تر روپیہ اسی طریق سے کام آتا ہے اور اسی طریق کی بدولت کارخانے جاری کرنے میں خاص سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ لوگوں سے براہ راست روپیہ قرض لینے کے بجائے کارخانہ دار بلا دقت بنک سے قرض لے لیتے ہیں جن میں لوگوں کا روپیہ بکثرت جمع رہتا ہے ؛

معمولی بنک نہ تو وہ کل روپیہ فراہم کرسکتے ہیں جو لوگوں کے پاس بیکار پڑا ہوا ہے
اور نہ اصل کا کام دے سکتا ہے اور نہ اس قدر اصل مہیا کرسکتے ہیں جس قدر لوگوں
کو درکار ہے اُن کے کاروبار میں دو رکاوٹیں عام طور پر پیش آتی ہیں:

(۱) اول تو بعض قسم کے معاملات کے واسطے قرض دینا خلاف احتیاط ہے اور بڑی مدت
تک ٹال کرتے ہیں مثلاً عمارات بنانا یا کلیں خریدنا۔

(۲) دوم چھوٹی چھوٹی رقوم بھی نہیں دی جاسکتیں۔ اس میں بہت درد سر ہے۔
پہلی رکاوٹ کی تفصیل یوں ملاحظہ کیجئے۔ بنک مناسب طور کی پابندی کے ساتھ جمع کنندہ
جس وقت اپنی امانت واپس مانگتا ہے اسے ادا کرنے کے واسطے بنک کو تیار
رہنا چاہیے۔ اگر بنک ایسا نہ کرسکے گا تو اس کا اعتبار اٹھ جائے گا اور لوگ روپیہ
جمع کرنا چھوڑ دیں گے۔ فرض کرو بنک نے ایسے لوگوں کو روپیہ قرض دے دیا جنہوں نے
اس سے کلیں خریدیں اور عمارت بنوائیں اب جمع کنندوں نے روپیہ واپس مانگا۔ بنک
کے پاس روپیہ کہاں؟ قرض گیروں کے وعدوں کے سوا اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔
اور اگر وہ دوسری جگہ سے قرض لے کر بنک کو روپیہ دیں تو بنک جمع کنندوں کو
ان کی امانت ادا کرے سو تمام بنک کا بالکل اعتبار جاتا رہے گا۔ بنک کا دیوالہ نکل جائے گا اور جب
وہ ایک مرتبہ دیوالیہ قرار دیا گیا تو پھر دوبارہ لوگ اس میں روپیہ جمع نہ کریں گے۔
دیوالہ نکلا تو ایک انتہا درجہ کی خراب حالت ہے۔ [illegible] کے
اساسی اصول کا پتہ نکلتا ہے وہ یہ کہ بنک کو امانت ہر وقت ادا کرنے کے واسطے مستعد
تیار رہنا چاہیے چنانچہ بنک تھوڑی تھوڑی مدت کے واسطے قرض دیتے ہیں
اور اس بات کا پورا اطمینان کرلیتے ہیں کہ وقت موعودہ پر قرض وصول ہو جاوے گا
بنک معتبر کارخانہ داروں کو ایسے کاموں کے واسطے تو روپیہ خوشی سے قرض دیتے ہیں جن سے
روپیہ جلد چھٹکارا پا سکے مثلاً سامان خریدنے [illegible] ادا کر [illegible] مال تیار ہوتے ہی
اس کی قیمت سے روپیہ مل جائے گا۔ لیکن جن کاموں میں روپیہ مدت تک پھنسا رہے
مثلاً عمارات بنانا یا کلیں خریدنا ان کے واسطے روپیہ قرض دینے میں بہت تامل کرتے ہیں۔
بنک کے کاروبار میں جو دوسری رکاوٹ ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ تجربے سے معلوم ہوا
کہ چھوٹی چھوٹی رقوں کے لین دین کرنے میں محنت زیادہ ہے اور خرچ بہت پڑتا ہے

اور منافع اس قدر کم ملتا ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں۔ جو بنک مل بہت جلد قائم کرنا چاہیں وہ البتہ دس روپے تک زر امانت جمع کر سکتے ہیں۔ لیکن قلیل آمدنی والوں کو دس روپے جمع کرنے میں بھی مدت لگتی ہے۔ پس اگر کل صنعتوں سے اس کا کام لینا منظور ہو تو ایک ایک روپیہ تک جمع کرنے کا انتظام ہونا چاہیے۔ اسی طرح بنک کاشتکاروں اور دستکاروں کو بہت قرض نہیں دیتے وجہ یہ ہے کہ انکی حیثیت تھوڑا تھوڑا قرض لینے کی ہے اور دو چار روپے قرض دینا بنک کے واسطے بہت

پس معلوم ہوا کہ پیدائش دولت کے واسطے مختلف رقم کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان سب کا انتظام صرف بنکوں سے نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ کارخانے جاری کرنے کے واسطے بڑی بڑی رقمیں مہیا کرنا بھی بہت اہم کام ہے۔ وہ بنک بھی یہ کام سر انجام دیتے ہیں۔ لیکن چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض دینا بھی بہت ضروری ہے۔ اور بنک ایسے قرض دینے سے معذور ہیں۔ کارخانوں کے واسطے کثیر رقم مہیا کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ **مشترک سرمایہ دار کمپنی** " یا " **محدود کمپنی** " قائم کی جائے۔ اول الذکر کمپنی سے ایسا کاروبار مراد ہے جس میں بہت سے لوگوں کا روپیہ لگا ہو اور جس میں وہ سب شریک مانے جائیں آخر الذکر کمپنی کا مفہوم و تشریح طلب ہے۔ عام قانون تو یہ ہے کہ اگر چند لوگ کسی کاروبار میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً اس کاروبار کے کل قرضے کا ذمہ دار مانا جائے گا اور قرضے کا بار کفالت نہ صرف اسکے حصے تک محدود ہے بلکہ وہ اس کی دوسری ملک پر بھی پڑتا ہے۔ جبکہ نفع کے لالچ میں گرہ کا بھی سب نکل جاوے تو بھلا مشترک کاروبار چلانے کی کس کو ہمت پڑ سکتی ہے۔ پس اسی دقت کو رفع کرنے کے واسطے محدود کمپنی کا طریق نکالا۔ جو کمپنی چند شرائط کی پابندی کرے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے نام کے ساتھ لفظ محدود لکھے تو اس کمپنی کے حصہ داروں کی ذمہ داری ان کے حصوں تک محدود ہو جاتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص سو روپے کا حصہ دار ہو یعنی یا تو اس نے سو روپے دیدئے ہوں یا کچھ کم دیکر باقی دینے کا وعدہ کر لیا ہو تو کسی حالت میں اس سے سو روپے سے زیادہ وصول نہیں کئے جا سکتے اگر خدانخواستہ کاروبار بگڑے تو زیادہ سے زیادہ اس کے سو روپے ضائع ہونگے باقی ملک و مال بالکل محفوظ رہے گا پس جو شخص محدود کمپنی میں حصہ دار بنتا ہے اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داری حصے کی مقدار تک محدود ہے اس سے زیادہ کا خطرہ نہیں ۔

بعض لوگ ضرور اس قدر دولتمند ہیں کہ چاہیں تو تنہا اپنے ذاتی سرمایے سے کارخانے جاری کر دیں چنانچہ ہندوستان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے روئی اوٹنے کے کارخانے اسی طرح پر جاری ہو رہے ہیں۔ لیکن جو بڑے بڑے کارخانے ہیں مثلاً کپڑا بننے والے یا لوہے کا سامان تیار کرنے والے ان کے واسطے لاکھوں بلکہ کروڑہا روپے کی ضرورت پڑتی ہے اور جب تک بہت سے لوگ شریک نہ ہوں وہ کافی حد تک جاری نہیں ہو سکتے جب کچھ لوگ کارخانہ جاری کرنے کا تہیہ کرتے ہیں تو وہ ایک محدود کمپنی بناتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کے حصے خرید لیں۔ فی حصہ دس یا سو روپے یا کوئی معین رقم مقرر کرتے ہیں تاکہ اس وقت ضرورت کے لائق سرمایہ بہم ہو جاوے اگر کافی حصے فروخت ہو جاتے ہیں تو جو رقم وصول ہوتی ہے وہ کارخانہ قائم کرنے میں صرف کی جاتی ہے اور اگر روزمرہ کے خرچ کے واسطے کچھ رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بنک سے قرض لے لی۔ بعد وضع مصارف جو کچھ منافع بچتا ہے وہ کمپنی کے شرکاء میں حصوں کے حساب سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ اب اگر کسی رئیس یا وکیل یا کسی سرکاری ملازم یا کسی کے پاس اندوختہ ہو چکا ہے تو کسی کمپنی کے حصے خریدے اور بلا کسی [illegible] ہی فائدہ ہو اپنے حصوں کے حساب سے منافع وصول کرے۔ صاف ظاہر ہے کہ منافع کا دار و مدار کارخانے کی کامیابی پر ہے لوہے کپڑے روئی سن کے کارخانوں یا کوئلے کی کانوں میں لوگ اب بلا تامل حصے خرید کر شریک ہوتے ہیں۔ اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ واپس لینا چاہے تو وہ کمپنی سے تو مطالبہ کر نہیں سکتا البتہ اس کا حصہ فروخت ہو سکتا ہے۔ وہ جو لوگ کارخانوں کے حصہ دار بننا چاہتے ہیں وہ بھی نئے کارخانوں میں روپیہ لگانے کے بجائے قدیم اور معتبر کارخانوں کے حصے خریدنا زیادہ پسند کرتے ہیں کارخانوں کے حصوں کی خرید و فروخت نے اب اس قدر رواج پایا ہے کہ کلکتہ و بمبئی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں دلال پھرتے ہیں جن کا پیشہ ہی یہ ہے کہ کارخانوں کے حصوں کی خرید و فروخت میں اسی طرح مدد دیں جس طرح کہ دلال گیہوں سن یا کوئلے کے بیوپار میں مدد دیتے ہیں مثلاً کسی شخص کے پاس روپیہ تو موجود ہے لیکن وہ بطور خود کوئی کاروبار کرنا نہیں چاہتا اب اس کے سامنے دو صورتیں موجود ہیں یا تو روپیہ بنک میں جمع کر دے اور سود لیتا رہے یا کسی دلال کی معرفت کسی کارخانے کے حصے خرید لے اور ان کا منافع

وصول کرتا رہتا ہے ؛

باب ۱۰ — فصل ۱۹

کمپنیوں کی بہت سی قسمیں ہیں جو قسم قسم کے ہوتے ہیں اور عملی حیثیت سے ان کی نوعیت اور ان کا طریق انتظام بہت قابل توجہ ہے اس مضمون کو آئندہ تفصیل سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ یہاں پر ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ اس قسم کی کمپنیاں پیدائش دولت میں کیا مدد دیتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے بہت سی چھوٹی چھوٹی رقمیں بمقدار کثیر جمع ہو ہو کر کارخانہ داروں کو بڑے پیمانہ پر کاروبار چلانے کا موقع دیتی ہیں اور چھوٹی پونجی والوں کو بھی آمدنی حاصل ہو جاتی ہے ؛

سیونگ بنک وغیرہ

جو کاروبار کہ نہایت چھوٹی چھوٹی رقموں پر مشتمل ہوا کرتے ہیں وہ بھی اس قدر چھوٹے نہیں ہوتے کہ غریب لوگ بھی اپنا قلیل اندوختہ ان میں لگا سکیں۔ غریبوں کی سہولت کے واسطے اکثر ممالک میں خاص انتظامات مثلاً سیونگ بنک یعنی عوام الناس کے بنک اور انجمن اندوختہ قائم کی گئی ہیں جہاں بہت قلیل رقمیں حتیٰ کہ ایک ایک آنہ تک جمع ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایسے بنک بھی جاری ہوئے ہیں جو چھوٹے کاروبار والوں کو تھوڑی رقمیں قرض دیتے ہیں۔ ابھی تک ہندوستان میں اس قسم کے انتظامات کی کمی ہے بیشمار چھوٹے اندوختے بطور دفینہ بیکار پڑے رہتے ہیں اور ادنیٰ کاروبار والوں کو بہت زیادہ سود پر ساہوکار سے قرض لینا پڑتا ہے۔ لیکن قوی امید ہے کہ یہ دقت انجمنہائے قرضہ امداد باہمی سے بہت کچھ رفع ہو جائے گی۔ اور گذشتہ دس برس میں ایسی انجمنیں بتعداد معقول جاری ہو چکی ہیں۔ آگے چل کر طالب علم کو اس مسئلے پر زیادہ غور کرنا ہوگا۔ سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ ہندوستان میں ابھی تک پیدائش کے واسطے اصل مہیا کرنے کا انتظام بہت نامکمل اور ادھورا ہے۔ مرفہ الحال لوگوں کی سہولت کے واسطے تو کچھ انتظام موجود ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اندوختہ کو پیدائش کے کام میں لگا دیں لیکن غریب کاشتکاروں کو اور دستکاروں کو نہ تو اندوختے سے بطور اصل کام لینے کا موقع میسر ہے اور نہ کوئی سہل قرض لینے کا سہل ذریعہ حاصل ہے ڈاکخانے کے سیونگ بنک چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع تو کر لیتے ہیں لیکن قرض وہ بھی نہیں دیتے ؛

فصل ستره

عاملین پیدائش کی تخصیصی حالت

ترقی پیدائش کے تین دور دنیا میں ہو گزرے ہیں جن کو ہم بالترتیب بیان کر چکے [illegible]
یعنی ضروریات خود مہیا کرنے کا عہد چھوٹے دستکاروں کا عہد اور سب سے آخر
کارخانوں کا عہد۔ اسی بحث کے سلسلے میں ایک نہایت اہم اصول واضح کرنا ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ جو ایک دور سے دوسرے دور تک تبدیلی کا باعث ہوا ہے۔ اس
اصول کو اصطلاحاً تخصیص کہہ سکتے ہیں۔ یہاں پر تخصیص سے مراد یہ ہے کہ بعض احتیاجات
پوری کرنے میں بعض عاملین پیدائش سے اس قدر زیادہ کام لیا جاتا ہے کہ دوسری
احتیاجات پوری کرنے کے واسطے وہ کم دستیاب ہوتے ہیں اب ہم ذیل میں اس اصول کی
مزید تشریح کرتے ہیں:

ترقی پیدائش کے پہلے دور میں جبکہ ہر ایک گاؤں اپنی ضروریات خود مہیا کرتا ہے
جو زمین کاشت ہوتی ہے وہ خاص طور پر کوئی ایک احتیاج پوری نہیں کرتی بلکہ گاؤں
کی اکثر احتیاجات اسی سے پوری ہوتی ہیں مثلاً کھانا، کپڑے، مکان اور روشنی وغیرہ کی
احتیاجات۔ البتہ جب دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور کاشتکار فروخت کے واسطے فصل
تیار کرتا ہے تب بتدریج تخصیص بھی پھیلتی ہے۔ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ ملک کے مختلف
حصوں میں مختلف فصلوں کے واسطے آب و ہوا اور زمین خاص طور پر موافق اور
موزوں ہوتی ہے پس ہر ایک گاؤں میں جو فصل خوب اگتی ہے بیشتر وہی بوئی جاتی
ہے۔ اور جو فصلیں عمدہ نہیں ہوتیں ان کی کاشت بھی ترک کر دی جاتی ہے۔ مثلاً یہ بخوبی
تحقیق ہے کہ پہلے زمانے میں شمالی ہندوستان میں ایکھ اور کپاس دونوں کی کاشت

اسٹوم فصل ۱۰۱

ہوتی تھی۔ ایکھ سے شکر بنتی تھی۔ اور کپاس سے کپڑے تیار ہوتے تھے۔ لیکن اب حالت
بالکل دگرگوں ہے۔ کسی ایک مقام میں ایکھ اور کپاس شاذ و نادر معقول مقدار میں کاشت
ہوتی نظر آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں فصلوں کو ایک طرح کی آب و ہوا موافق نہیں۔
ایکھ کو بہ نسبت کپاس کے زیادہ رطوبت اور دھوپ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایکھ تو بیشتر
رہ گیا ایک مرطوب خطے میں بوئی جاتی ہے۔ اور کپاس جنوب اور مغرب کے خشک حصوں میں
کاشت ہوتی ہے۔ گویا بہت سے گاؤں اپنے واسطے خود شکر نہیں بناتے کیونکہ تجربے سے
ثابت ہوا کہ ایکھ بونے سے شکر خریدنی زیادہ فائدہ مند ہے۔ اسی طرح بہت سے
دیہات میں کپاس نہیں بوتے۔ کیونکہ ایکھ اور دوسری فصلوں کی قیمت سے کپڑا خریدنے
میں کوئی دقت نہیں ہوتی پیدائش کے نقطۂ نظر سے تو زمین کی ایسی تخصیص بیشک مفید ہے
کہ جس زمین پر جو فصل سب سے اچھی تیار ہوتی ہو وہی کاشت کی جائے۔ اگر دقت ہے
تو وہی جو اوپر بیان ہوئی کہ کاشتکار کو دور رہنے والے خریداروں کی ضروریات کا پتہ
چلانا پڑتا ہے اور گر ضروریات میں کوئی بڑی تبدیلی واقع ہو جائے تو اس کے سارے
کاروبار کے الٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے اس قسم کی تخصیص کسی ایک ملک تک
محدود نہیں بلکہ تمام دنیا پر پھیل گئی ہے مثلاً یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور افریقہ میں لوگ
جو چاء پیتے ہیں وہ ایشیا کے تین حصوں سے آتی ہے۔ یعنی چین سیلون اور حصۂ بنگال
اور آسام سے بنگال کے چند اضلاع میں جو سن اگتا ہے اس کے بنے ہوئے بوروں
میں بھر بھر کے غلہ اور روغندار تخم دور دور بھیجتے ہیں:

تخصیص زمین کی دوسری مثال تخصیص صنائع ہے یعنی کسی صنعت و حرفت کا خاص طور پر
کسی جگہ پھیلنا۔ ترقی پیدائش کے دوسرے دور میں جب کہ بازار کے واسطے چیزیں چھوٹے
پیمانے پر تیار کی جاتی تھیں تب ہی سے تخصیص صنائع کی بنا پڑی۔ خاص خاص قصبے اور ایک ہی
قصبے میں خاص خاص بازار خاص چیزوں کے واسطے مشہور ہو چکے تھے کہیں کا بزازی
سامان عمدہ ہوتا تھا اور کہیں کے پیتل کے برتن مشہور تھے جو چیز جس جگہ عمدہ تیار
ہوتی ہے وہیں سے لوگ منگاتے ہیں اور دستکار بھی وہیں جا کر کام کرتے ہیں۔ کیونکہ
ان کو سامان بیچنے میں سہولت ہوتی ہے اور پیداوار خام بھی مصنوعات کے واسطے
بافراط دستیاب ہوتی ہے۔ شمالی ہندوستان میں مرادآباد کے بھرت کے برتن اور

باب دوم
فصل (۱۱)

لکھنؤ کا نقرئی سامان مشہور ہے۔ جو نہ صرف ہندوستان کے ہر حصے میں بلکہ دوسرے ممالک تک جاتا ہے۔ کسی جگہ کا رتبہ حاصل کرنے کے وجوہات خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں نتیجہ وہی یک ہے۔ ہر صنعت و حرفت ایک یا چند قصبوں میں جمع ہو جاتی ہے اور دیگر شہر و قصبے بھی بعض صنعتوں کے واسطے خاص طور پر موزوں نکل آتے ہیں۔ پٹسن کے اکثر کارخانے کلکتے کے قرب و جوار میں واقع ہیں۔ بمبئی، احمد آباد اور کانپور کپڑے کے کارخانوں کے نامی مرکز ہیں۔ کارخانوں کی شکل میں جو تخصیص صنائع موجود ہو رہی ہے۔ قوانین کا پیدائش پر بہت اہم اثر پڑتا ہے۔ جس کی تفصیل معاشیات کی بڑی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔ ہم صرف تخصیص کو صرف تخصیص حاصل کے رو سے بحث ہے۔ یعنی صرف یہ دیکھنا ہے کہ بعض قدرتی چیزوں کی تیاری کے واسطے مخصوص ہو جاتے ہیں۔

تقسیم محنت

اب تقسیم محنت کو لیجئے۔ گاؤں تک میں اس کا رواج پھیلا ہوا ہے۔ مثلاً بڑھئی، لوہار سے کمہار تک وہاں موجود ہوتے ہیں الگ۔ لیکن گاؤں میں اکثر مزدور کھیتی باڑی کے متفرق کاموں سے لگے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ دستکار اور نوکر چاکر بھی کاشت اور محنت کے غیر تخصیص طلب کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بڑھئی اور دھوبی اپنے پیشے کے علاوہ کچھ کاشت بھی کرتے ہیں۔ بعض ایسے گاؤں بھی ہوں گے جہاں تقسیم کا نام کم سے کم ہو یعنی وہاں نہ بڑھئی اور دھوبی نہ ہوں کسان اور اس کے گھر والے سب کام کریں خود اپنی ضرورت کی چیزیں بنا لیں کپڑے دھوئیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جن گاؤں نے کچھ بھی ترقی کی ہے وہاں تقسیم محنت کا رواج شروع ہو گیا ہے۔ جب ہم ترقی پیدائش کے دوسرے دور میں داخل ہوتے ہیں تو یہ تخصیص اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ دستکار براہ راست اپنی محنت سے بہت کم احتیاجات پوری کرتا ہے بلکہ دوسرے لوگوں کی چند خاص ضروریات بہم پہنچا کر اپنی روزی کماتا ہے۔ مثلاً ٹھٹیرا جو تانبے پیتل کے برتن بناتا ہے اپنی احتیاج صرف اس قدر پوری کر سکتا ہے کہ کچھ خانہ ساز برتن استعمال کرے۔ لیکن روٹی، کپڑا اور دیگر ضروریات حاصل کرنے کے واسطے اس کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اس کے بنائے ہوئے برتن خرید کر اپنے کام میں لائیں تاکہ اس کو قیمت ملے جس سے وہ اپنی ضروریات خریدے۔ ترقی پیدائش

کے تیسرے دور میں جبکہ بڑے بڑے کارخانے چلتے ہوں تخصیص محنت کا طریق بہت
زیادہ پھیل جاتا ہے جیسا کہ اوپر اس واقعہ کی تشریح بھی ہو چکی ہے۔ کارخانہ چلانے
کا انتظام تو ایک مخصوص طبقہ کے سپرد ہو جاتا ہے اور مزدوروں کی بڑی بڑی جماعتیں سامان
تیار کرتی ہیں اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو کہ اپنی احتیاج خود ہی پوری کر سکیں
کارخانے میں جو شخص کل کا کرگھہ چلاتا ہے وہ بھی کپڑا بننے سے اسی قدر ناواقف ہے
جس قدر کہ انجن چلانے والا۔ کپڑا بننے تک بہت سے جو عمل ہوتے ہیں انھی کا ایک
جزو کرگھہ چلانے والا بھی انجام دیتا ہے۔ اور جبتک دوسرے مزدور جو باقی عمل سرانجام
دیتے ہیں شریک کار نہ ہوں تب اس کا کام سراسر لاحاصل ہے ؛

اسی طرح اصل میں بھی تخصیص پیدا ہونے کا مادہ موجود ہے معاشیئین اصل کی دو قسمیں
قرار دیتے ہیں۔ اصل قائم اور دائر۔ اصل دائر تو ایک مرتبہ استعمال ہونے میں صرف
ہو جاتا ہے۔ اصل دائر کے متعلق مل صاحب کا قول ہے کہ وہ جس کام کے واسطے
عمل پیدائش میں استعمال ہوتا ہے اس کو ایک ہی مرتبہ کے استعمال میں پورا کر دیتا ہے
اس کے برعکس اصل قائم زیادہ دیرپا ہوتا ہے یا بقول مل صاحب زیادہ دیرپا شکل
میں موجود رہتا ہے۔ اور اس کا حصول زیادہ دنوں تک بتدریج ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً
پیداوار خام جس سے مصنوعات تیار ہوں۔ لکڑی کوئلہ جو انجن میں جھونکا جاتا ہے اور
روپیہ جو مزدوروں کو اجرت میں دیا جاوے۔ یہ سب اصل دائر ہیں۔ لیکن عمارات انجن
اور کلیں اصل قائم ہیں۔ طریق پیدائش میں جو تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سب کا
رجحان یہ ہے کہ اصل قائم کی مقدار بڑھے اور اس کا بیشتر حصہ اعلیٰ درجے کی
تخصیص یافتہ حالت میں استعمال ہو کاشتکار کے پاس اصل قائم بہت تھوڑا ہوتا ہے
اور اس کا بڑا حصہ مویشی ہیں جو طرح طرح کے کام کرتے ہیں۔ معدودے چند آلات
سے کاشتکار کا سب کام نکل جاتا ہے۔ اصل قائم اور دستکار کے پاس بھی کم ہی رہتا
ہے۔ لیکن وہ بمقابل کاشتکار کے اُس کے تخصیص یافتہ زیادہ ہوتا ہے [illegible]
اُس کے اصل سے چند خاص قسم کے کام لیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ٹھٹھیرے کے اوزار
تانبے پیتل کے برتن بنانے کے سوا اور کس کام کے ہیں۔ کارخانوں میں البتہ اصل قائم
کی بہت زیادہ مقدار کام آتی ہے۔ اس کے بعض جزو مثلاً عمارات اور انجن تو خیر کسی

باب دوم
فصل (۱۰)

قدر کم تخصیص یافتہ ہوتے ہیں۔ یعنی اصلی کام کے علاوہ کسی حد تک ان سے دوسرے کام لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اکثر کلیں بیشک بدرجۂ اعلیٰ تخصیص یافتہ ہوتی ہیں۔ اور انکے اصلی کام کے سوا ان سے کوئی دوسرا کام لے ہی نہیں سکتے۔ تخصیص کی یہ نوبت ہے کہ جب سے کارخانوں کا رواج بڑھا ہے۔ بہت سے کارخانے ایسے ہیں جو صرف انجن اور کلیں ہی بناتے ہیں جو دوسرے کارخانوں میں چلتی ہیں۔ مثلاً بعض ممالک میں کچھ کارخانے صرف کپڑا بننے کی کل بناتے ہیں۔ بعض سوت کاتنے کی، بعض کپڑا سینے کی، بعض آٹا پیسنے یا تیل نکالنے کی۔ اور خود ایسے کارخانوں میں جو کلیں کام کرتی ہیں۔ ان میں تخصیص کا اثر بدرجۂ کمال موجود ہوتا ہے ؛

حاصل کلام یہ کہ تینوں عاملین پیدائش میں تخصیص کا خاصہ موجود ہے اسی اصول کو اس طرح پر بھی بیان کر سکتے ہیں کہ جو گروہ خود ہی اپنی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کی جمعیت گھٹ رہی ہے اول اول تو کسی ایک گانوں یا آس پاس کے رہنے والے خود مل جل کر تقریباً اپنی کل ضروریات مہیا کرتے تھے۔ لیکن جب ایسی آبادی کا رقبہ بڑھنا شروع ہوتا ہے تو گانوں والے قصباتیوں کی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں اور قصبے والے دیہاتیوں کے واسطے مصنوعات بناتے ہیں یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے تمام دنیا پر محیط ہو جاتا ہے گویا کہ کل مہذب قومیں ایک گروہ بنگئی ہیں اور آپس میں مل کر ضروریات مہیا کرتی ہیں شاید ہی کوئی ایسا ترقی یافتہ ملک ہو جس کی کل ضروریات وہیں کی پیداوار سے حاصل ہو سکیں ورنہ کچھ نہ کچھ چیزیں ضرور دوسرے ملکوں سے لینی پڑتی ہیں۔ ہندوستان کے گانوں تک میں غیر ممالک کی چیزیں استعمال ہوتی ہیں مثلاً ناروے سویڈن یا جاپان کی دیاسلائی روس۔ برما یا امریکہ کا مٹی کا تیل امریکہ کی روئی یا اسٹریلیا کی اون کا ولایتی بنا ہوا کپڑا۔ جرمنی آسٹریا اور بلجیم کے لیمپ اور چینی اور ایسی ہی دوسری چیزیں اور قصبوں میں تو قریب قریب دنیا کے ہر حصے سے کچھ نہ کچھ چیز آکر فروخت ہوتی ہے تب کہیں لوگوں کی ضروریات بہم پہنچتی ہیں۔ جب ہندوستان میں یہ حالت ہے تو پھر دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا تو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ انگریز لوگ تو ہندوستانیوں سے کہیں زیادہ دوسرے ملکوں کی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ حتی کہ انکا سامان خوراک بھی باہر سے آتا ہے اور ہندوستان کی بعض چیزیں مثلاً چاء اور سن جسکو

جو ٹ کہتے ہیں۔ قریب قریب ہر مہذب ملک میں جاتی ہیں ؛

اگر کوئی دریافت کرے کہ ہندوستان میں یہ تبدیلی یعنی تخصیص کیونکر پھیلی تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو اور بھی متعدد اسباب ہیں لیکن سب سے بڑا سبب ذرائع آمد ورفت کی ترقی و توسیع ہے جو ہندوستان کے اندر اندر اور نیز ہندوستان اور دیگر ممالک کے مابین طور پر ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے ذرائع آمد ورفت کبھی دریا اور سڑکیں تھیں اور اب ریلیں بھی جاری ہوگئیں اسی طرح ہندوستان سے باہر جانے کا ذریعہ پہلے بادبانی جہاز تھے۔ لیکن اب دخانی جہاز بکثرت چلتے ہیں۔ باربرداری کا پیشہ نہایت مفید اور ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح اوپر ہوچکی ہے اور جب سے کہ سامان لانے لیجانے کا کام بڑھا اس کے طفیل سے پیدائش دولت میں اور بھی ترقی ہوگئی۔ چنانچہ ہندوستان کی معاشی تاریخ کا سب سے اہم اور دلچسپ حصہ وہ ہے جس میں ذرائع آمد ورفت کی ترقی و توسیع کا حال مذکور ہے ؛

ذات اور تخصیص محنت میں جو قریبی تعلق ہے ہندوستان طالب علم اسکو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اہل ہنود کی قدیم کتابوں میں تو صرف اونچی ذاتوں کا ذکر ہے اول برہمن جو مذہبی پیشوا اور مدبر سلطنت ہوتے تھے۔ دوم راجپوت جنمیں راجہ مہاراجہ اور سپاہی لوگ شامل تھے۔ سوم ویش جن کا پیشہ کاروبار اور تجارت تھا۔ ان کے علاوہ باقی لوگ شودر کہلاتے تھے یعنی ذات سے خارج شدہ مخلوط النسل لوگ۔ لیکن ان ذاتوں میں سے اب بیسیوں ذاتیں بلکہ باقاعدہ فرقے موجود ہیں ان کی شادی بیاہ کے رسم و رواج مختلف ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا پیشہ بھی جدا ہے۔ ایک یہ بھی قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں پیشوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی ہے۔ فرقوں میں سے فرقے نکلتے گئے ہیں۔ چنانچہ مردم شماری کے نقشوں سے ایسی تقسیم و تفریق کا صاف پتہ چلتا ہے ہر پیشے کے واسطے جداگانہ فرقے کیونکر قائم ہوئے۔ تاریخ میں اس کا پورا پتہ نہیں ملتا۔ اور جب تک کوئی تحریری سرگذشت نہ ملے بہت سے نکات پر پردہ پڑا رہے گا لیکن غالب یہ ہے کہ تقسیم کا ایک بڑا باعث خاندانی پیشہ کا خیال ہوگا۔ کیونکہ خاندانی ذاتوں کا قاعدہ ہندوستانیوں کی فطرت میں داخل ہے بہت سے ملکوں میں تخصیص محنت مسلسل ہوتی گئی۔ مگر ذات اور فرقے پیدا نہیں ہوئے۔ کیا وجہ کہ جو پیشہ باپ کا ہو بیٹا

بھی اسی کو اختیار کرے۔ لیکن ہندوستان میں باپ کا پیشہ پیدائش لڑکے کے واسطے ایک
قدرتی بات خیال کی جاتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ جب کسی سمت میں کوئی جدید تخصیص پیدا ہوئی
ساتھ ہی ایک نیا فرقہ نمودار ہو گیا جن لوگوں نے سب سے پہلے کوئی تخصیص یافتہ کام
شروع کیا بس وہ انہی کے خاندان تک محدود ہو گیا اور ہر جدید فرقہ تیے ... پہلے
جان پہچان والے فرقوں سے میل ملاپ رکھتا ہے تو حد مقرر کر دیتا ہے ورنہ یہ سب ہیں
مرتے کہ ہندوستان میں ذات پات اور پیشوں میں ایک قریبی تعلق ہونا تھا



باب ۱۰م

فصل ۱۸، ۱۱

فصل اٹھارہ

اختتام بحث پیدائش

پیدائش دولت کی بحث ختم کرنے سے قبل چند احتیاط طلب باتیں بیان کردینی ضروری ہیں۔ جن جن ملکوں کے حالات دریافت ہو چکے ہیں۔ معاشی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ ان سب میں ترقی پیدائش نے وہی ایک راہ اختیار کی ہے پس ہندوستان کیونکر مستثنیٰ ہو سکتا ہے یہاں بھی یہی واقع ہوگا کہ کارخانوں میں پیدائش برپیمانہ کبیر کا طریق پھیل رہا ہے ممکن ہے یہی بڑھتے بڑھتے پیدائش برپیمانہ صغیر کے موجودہ طریق کا پورا جانشین بن جاوے۔ گو یہ نتیجہ قرین قیاس ہے لیکن بالکل یقینی نہیں۔ معاشی تاریخ کا ابھی تک پورے طور پر مطالعہ نہیں ہو سکا اور جب تک تحقیق نہ ہو جاوے کہ ایشیا کے دوسرے ممالک میں معاشی معاملات نے کیا رخ اختیار کیا کوئی قطعی فیصلہ کرنا ٹھیک نہ ہوگا سب قومیں ہر لحاظ سے تو یکساں ہو نہیں سکتیں ممکن ہے کہ کارخانوں کا طریق ہندوستان والوں کو پسند نہ آوے اور یہاں کے واسطے وہ ناموزوں ثابت ہو۔ اور پیدائش کا کوئی دوسرا طریق نکالا جاوے جو ہندوستان کے زیادہ مناسب حال ہو پس معاشیات کے مبتدی یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہندوستان میں بھی ترقی پیدائش کا وہی ایک طریق ہے کہ بڑے بڑے کارخانے جاری ہوں دستکار بطور خود سامان بنانا چھوڑ دیں اور آجروں کے ہاں جا کر اجرت پر کام کریں اس میں شک نہیں کہ بحالت موجودہ یہی طریق چست نظر آتا ہے۔ لیکن یہ فرض کر لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ اس کے سوا ترقی پیدائش کا اور کوئی طریقہ ہی نہیں۔

طالب علموں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ضرور نہیں کہ کارخانوں کا عام رواج پانا ہو

بات ہو پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ معاشیات کو کسی بات کی مدح سرائی اور عیب گیری سے کوئی مطلب نہیں۔ اس کو تو صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ کیا واقع ہو رہا ہے اور کیا واقع ہونا اغلب ہے لیکن معاشیات کے طالب علم کو قدرۃً یہ دریافت کرنے کا شوق ہوگا کہ جو تبدیلی ہوتی نظر آتی ہے وہ اچھی ہے یا بری اور بحیثیت مدبر سلطنت یا عالم یا تاجر ہونے کے بعض وقت اس کو یہ فیصلہ کرنا یا مشورہ دینا پڑے گا کہ معاشی معاملات میں کیا راہ اختیار کرنا چاہئے ابھی تو طلباء کو بہت کچھ پڑھنا ہے۔ وہ یہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں کہ آیا عام طور پر کارخانے جاری کرنا ہندوستان کے حق میں مفید ہوگا یا کیا۔ جبتک وہ طالب علم ہیں ان کا فرض ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ اسی اصول کی بناء پر ہم ذیل میں چند غور طلب باتیں پیش کرتے ہیں گو ان کو پوری طرح سمجھنے کے واسطے معاشیات کے زیادہ وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے

ماسدہم ص ۱۸۱

پہلی غور طلب بات تو یہ ہے کہ ہندوستان ایک بہت مفلس ملک ہے۔ لوگوں کی ناگزیر احتیاجات پوری ہونیکے واسطے بھی دولت میں بہت کچھ اضافہ ہونیکی ضرورت ہے اور کچھ نہیں تو بہت سے لوگوں کو بہتر غذا، بہتر لباس بہتر مکانات بہتر صحت اور بہتر تعلیم کی سخت ضرورت ہے اور جس طریق سے بھی پیدائش دولت میں اضافہ ہو وہی ملک کے واسطے مفید ہے کیونکہ لوگوں کو کم از کم ناگزیر ضروریات تو میسر ہو جاویں گی۔ اس لحاظ سے بیشک کارخانے جاری ہونے مفید ہیں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے پیدائش دولت میں بہت جلد اور بہت کچھ اضافہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر کسی دوسرے طریق سے یہ غرض پوری ہو جائے تو وہ بھی اتنا ہی مفید شمار ہونا چاہئے ؛

دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ اگر طریق پیدائش بدلنے سے دولت میں اضافہ بھی ہو جاوے تو یہ ضرور نہیں کہ مزید دولت انہی لوگوں کے پلے پڑے جو اسکے سخت محتاج ہیں ممکن ہے کہ دولتمند فرقے مثلاً زمیندار تاجر اور کارخانہ دار اس کو سمیٹ لیں اور غریب مزدوری پیشہ لوگ منہ تکتے رہجاویں یہ بات طالب علموں کی سمجھ میں بخوبی اس وقت آئے گی جبکہ وہ مسئلہ تقسیم دولت سے واقف ہو جائیں گے۔ تاہم یہ تو صاف ظاہر ہے کہ اگر مزید دولت کسی مختصر جماعت نے غصب کر لی تو عوام کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ اسی طرح خستہ حال رہیں گے جیسے کہ ہمیشہ سے تھے۔ یہ بات

باب دوم
فصل [illegible]

یہاں اور بھی خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ جن ملکوں میں کارخانے جاری ہو چکے ہیں تقسیم دولت کے لحاظ سے وہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ کارخانے جاری ہونے سے تقسیم دولت کی حالت اس قدر ناقابل اطمینان بلکہ اندیشہ ناک ہو گئی ہے کہ محض اس حالت کو سدھارنے کی غرض سے طریق پیدائش بدلنا پڑے تو عجب نہیں۔ پیداوار کو زیادہ مساوی طور پر تقسیم کئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ محض صرف دولت سے کچھ نہ ہوگا دولت بیشک کیا کچھ بڑھی ہے لیکن افلاس ویسے کا ویسا ہی باقی ہے اگر کچھ گھٹا بھی تو صرف دولت کے مقابل کسی شمار میں نہیں۔ انیسویں صدی کی تحریری معاشی تصانیف اس لحاظ سے بہت سبق آموز ہیں۔ اوائل صدی کے مصنف تو کارخانوں میں کوئی عیب نہیں پاتے تھے نئے نئے کارخانے کھلتے تھے دولت میں جو اضافہ ہوا اسکا کہنا ہی کیا تھا۔ اس وقت کے معاشیین کو یہ بھی امید تھی کہ دولت کی تقسیم بھی خود بخود قابل اطمینان ہوگی۔ لیکن جب ان مصنفین کو مایوس ہونے لگی اور جب امداد باہمی یا اشتراک کے منصوبے پیش ہونے تو گویا تقسیم دولت کے متعلق تشویش اور بے اطمینانی ظاہر ہونے لگی معاشیات کے کچھ مطالعہ کے بعد جب طالب علم ان منصوبوں سے واقف ہوگا تو ان کا حسن و قبح ظاہر ہو جائیگا۔ یہ درست، مقصد یہ دریافت کرنا باقی ہے کہ کارخانوں کا رواج اور تقسیم دولت پر اسکا جو اثر پڑ رہا ہے وہ ہندوستان کے واسطے۔ مگر یہ باتیں بہت کچھ مطالعہ اور غور و فکر کے بعد اس معاملہ کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم ہو سکے گی کہ آیا کارخانے جاری کرنا ہندوستان کے حق میں کیسا ہوگا۔ اگر دولت بڑھی بھی تو تقسیم دولت پر اسکا کیا اثر پڑے گا؟

باب سوم

صرف دولت

فصل انیس ۱۹

احتیاجات

معاشیات اور احتیاجات

اب ہم معاشیات کے دوسرے خاص شعبہ یعنی صرف دولت سے بحث کرتے ہیں یاد ہوگا کہ دولت سے کارآمد چیزیں مراد ہیں یعنی جن چیزوں کی لوگوں کو احتیاج ہو یا جو لوگوں کی ضروریات شمار ہوتی ہوں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ دولت احتیاجات پوری کرنے میں صرف ہوتی ہے اور نیز یہ کہ بعض احتیاجات ایسی ہیں جو دولت سے کبھی پوری نہیں ہوتیں۔ معاشیات کے متعلم کو تو بس ان احتیاجات سے سابقہ پڑتا ہے جن کے پورا کرنے میں دولت صرف ہوتی ہو فطرت انسانی کی وہ احتیاجات جو دولت سے پوری نہ ہوں اسکے نزدیک خارج از بحث ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی معاشی نتائج کو عملی زندگی کے حالات پر منطبق کرتے وقت ان احتیاجات کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے جو معاشی مباحث میں نظر انداز کردی جاتی ہیں اس علم میں انسان کی مکمل زندگی سے تو بحث ہوتی نہیں صرف اسکے ایک جزو یا پہلو کا بیان ہوتا ہے۔ حالانکہ انسان اپنے معاملات زندگی میں سب پہلو پیش نظر رکھتا ہے۔ معاشیات سے کل معاملات زندگی کا علم تو حاصل ہو نہیں سکتا۔ البتہ زندگی کا ایک رخ خوب واضح ہو جاتا ہے۔ اور باقی کے متعلق ان سے کچھ پتہ نہیں چلتا؛

لیکن زندگی کے جس پہلو سے معاشیات بحث کرتا ہے وہ خوب وسیع اور اچھا

باب سوم
فصل (۱۴)

خاصا اہم ہے۔ بھلا غور تو کرو کہ انسان کی کس قدر گوناگوں احتیاجات دولت سے پوری ہوتی ہیں اول تو کھانا، کپڑا، مکان، حرارت اور روشنی ہے عوام کی بیشتر احتیاجات انہیں چیزوں سے پوری ہوتی ہیں اور انہیں کے حصول میں ان کی کمائی کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے ان کے بعد وہ لاتعداد چیزیں ہیں جو بحیثیت راحت رساں اور سہولت افزا ہونے کے لوگوں کو درکار ہوتی ہیں اور جن سے بازار کے بازار بھرے پڑے ہیں مثلاً ہر طرح کی سواریاں تفریح کے سامان تعلیم اور علاج معالجے کے ذرائع وغیرہ مختصر یوں کہئے کہ بالعموم انسان جن جن احتیاجات کے پورا کرنے میں اپنی آمدنی خرچ کرتا ہے معاشیات کو ان سب سے تعلق ہے بالفاظ دیگر معاشی کو ان تمام احتیاجات سے سروکار ہے جو زر خرچ کرنے سے پوری ہو سکتی ہوں ؛

احتیاجات کی تعریف اس سے زیادہ کیا بیان کر سکتے ہیں کہ وہ فطرت انسانی کا ایک جزو ہیں جو انسان ہمارے پیش نظر ہے اسکو چند احتیاجات محسوس ہوتی ہیں اور ان کو پورا کرنے کے واسطے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ بادی النظر میں احتیاجات اس قدر کثرت سے مختلف معلوم ہوتی ہیں کہ گویا سب کے متعلق کوئی عام بات کہنی محال ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ صرف معدودے چند خصوصیات ان میں مشترک ہیں اسی وجہ سے معاشیات کے اس حصے کی بحث بمقابل پیدائش دولت بہت مختصر ہے تاہم جو چند باتیں قابل بیان ہیں بہت اہم ہیں اور ان کا ٹھیک ٹھیک سمجھنا نہایت ضروری ہے ؛

احتیاجات
کی شدت

پہلی بات جو توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ سب احتیاجات یکساں شدید محسوس نہیں ہوتیں کچھ تو بلحاظ افراد کے اور کچھ بلحاظ حالات حاضرہ کے۔ احتیاجات کی شدت کے مدارج ہوتے ہیں بہت کم لوگ ایسے خوش قسمت ہیں جو اپنی کل احتیاجات پوری کر سکیں عوام کو ہمیشہ ہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کون کونسی احتیاجات پوری ہونی چاہئیں اور کون کونسی ترک کر دی جائیں بالفاظ دیگر کونسی چیزیں خرید لی جاویں اور کن کے بغیر گذر کی جاوے۔ جن چیزوں کی احتیاج سب سے زیادہ شدید محسوس ہو وہ تو خرید لی جاتی ہیں اور باقی کے لئے صبر کر لینا پڑتا ہے ممکن ہے کہ دوسرے لوگ کسی کے انتخاب کو غیر عاقلانہ قرار دیں یا دوسرے وقت وہی شخص انتخاب بدل دے لیکن عین انتخاب کرتے وقت اس کو وہی احتیاجات سب سے

باب سوم
فصل (۱۴)

شدید محسوس ہوتی ہیں جن کو وہ پورا کرتا ہے اور جن احتیاجات کو وہ ترک کرنا گوارا
کرتا ہے ان کی شدت کم از کم اسی سبب کے وقت صرف کم محسوس ہوتی ہے گویا جب
کوئی اپنی آمدنی کے مصارف کی مدیں قرار دیتا ہے تو وہ اپنی احتیاجات کو اس شدت
کے لحاظ سے پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے جو مختلف احتیاجات کی بابت اس کو اسوقت
محسوس ہوتی ہے شدت احتیاج چیزوں کی کوئی صفت نہیں ہے جو بیان ہو سکے
بلکہ وہ ایک کیفیت احساسی ہے یعنی فطرت انسانی کا ایک جزو ہے اور معاشی بھی
اسی حیثیت سے اس پر نظر ڈالتا ہے ؛

احتیاجات کا بتمام و کمال پورا ہونا

دوسری بات قابل بیان یہ ہے کہ ہر ایک احتیاج بہ تمام و کمال پوری ہو سکتی
ہے ۔ خرچ کرنے کے واسطے روپیہ کافی ہونا شرط ہے یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے
اور طالب علم بھی تجربہ کر کے یا ہیں تو تصدیق کر لیں کہ سب سے شدید احتیاج تو
کھانے پینے کی ہے جو شخص بھوک پیاس سے نڈھال ہو رہا ہو وہ اپنی گرہ کا سب
کچھ دیکر بھی تو کھانا پانی خرید لے گا ۔ لیکن جب وہ اس کو مل گیا تو کچھ عرصے کے
واسطے اس کی احتیاج غائب ہو جائے گی جبتک اس کو بھوک پیاس نہ لگے اسکو
کھانے پینے کی احتیاج نہ ہوگی یا اگر کسی طالب علم کو ایک جوڑے جوتے یا کتاب یا
گیند بلے کی ضرورت ہو تو وہ یہ سب احتیاجات پوری کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی گرہ
میں قیمت ادا کرنے کے واسطے کافی دام ہوں ؛

احتیاجات کی تعداد اور اقسام میں اضافہ

اب اگر ہر ایک احتیاج بہ تمام و کمال پوری ہو سکتی ہے تو غالباً یہ خیال پیدا ہوگا
کہ انسان کو یہ حالت بآسانی میسر آسکتی ہے کہ اسکی تمام احتیاجات پوری ہو چکی ہوں
اور کسی چیز کی ضرورت باقی نہ رہے لیکن ایسی حالت بہت شاذ و نادر پیدا ہوتی ہے
انسان کی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ احتیاجات کی تعداد اور اقسام برابر بڑھتی
رہتی ہیں ۔ عجب قصہ ہے جونہی وہ احتیاجات پوری ہوئیں کہ نئی نئی احتیاجات نے
سر اٹھایا ۔ احتیاجات کی گویا یہ تیسری خصوصیت ہے مذکورۂ بالا خصوصیات کی طرح یہ
بھی انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور معاشی اس کو صرف بحیثیت ایک امر واقعی کے تسلیم
کر لیتا ہے اس کی تشریح اور توجیہ سے اس کو کچھ واسطہ نہیں ۔ بھوک میں تو معمولی سے
معمولی کھانا بھی از حد مرغوب معلوم ہوتا ہے جو جوار کی روٹی دال دلیا جو کچھ بھی ہاتھ لگے

١- سمہر ص ١٨١

بھوکا سب چٹ کر جاتا ہے بقول شخصے کہ بھوک میں کواڑ بھی پاپڑ ہیں۔ لیکن جہاں آدمی کا پیٹ بھرا
کھانے کی طرف سے اس کو اطمینان ہوا اور لگا طرح طرح کے نفیس اور لذیذ کھانوں کی
فکر کرنے۔ جو کی بجائے گیہوں کا آٹا ہو، گھی ہو، ترکاری ہو، چانول اور پھل ہو، چٹنی مسالے
اچار اور چٹنیاں ہوں۔ اب برتنوں پر توجہ ہوئی۔ مٹی کے برتن خارج۔ تانبے اور چینی کے
برتنوں میں کھانا کھایا جاتا ہے۔ یہی حال لباس کا ہے۔ غریب آدمی کو تو گاڑھے گزی
کا کرتا اور دھوتی بس ہے لیکن جب تن ڈھک گیا تو اس کو بھی نرم باریک کپڑے کا
شوق پیدا ہوا۔ شبنم یا ململ کا کرتا دھوتی کے علاوہ پگڑی اور جوتے کو بھی دل چاہنے لگا
جب یہ بھی میسر آئے تو اب کچھ زینت کا بھوت سر پر سوار ہوتا ہے۔ جاڑوں
میں اونی کپڑے ہوں تو گرمی میں ریشم کے ہوں ململ کے کپڑے جدا ہوں
عید کے جدا۔ کچھ کپڑے روزمرہ پہننے کے ہوں اور کچھ تقریبات کے واسطے
عمدہ قسم کے تیار ہیں۔ نیا نیا وکیل تو بیچارہ کرایہ کے تانگے یا ٹرام کار میں جانا کچھ
بہت عار نہیں سمجھتا۔ لیکن جب اس کو چار پیسے ملنے لگے تو اول ایک بگھی کی فکر کرتا
ہے۔ جب حالت اور سدھری تو کار اور موٹر خرید لی اور کہیں وکالت نے
عروج پکڑا تو پھر وکیل صاحب موٹر بغیر قدم نہیں اٹھاتے۔ فطرت انسانی کا یہ ایک عام
رجحان ہے کہ جوں جوں ضروریات حاصل ہوتی ہیں انسان ہل من مزید کا نعرہ لگاتا
ہے کچھ مثالیں اوپر بیان کیں۔ طالب علم ہر طرف یہی تماشا دیکھے گا کہ کوئی بے تعلیم و کمال
فن نہیں موجودہ ضروریات حاصل ہوتے ہی جدید ضروریات پرورش کرتی ہیں اور
آمدنی چاہے جس قدر بڑھ جائے اسے صرف کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی
گو یہ قاعدہ تو عام ہے کہ نئی نئی احتیاجات پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن اسکے عملدرآمد
کی رفتار میں حالات زندگی کے اختلاف کے مطابق بہت کچھ فرق نظر آتا ہے۔ چنانچہ
ہندوستان کے باشندوں کی موجودہ حالت پر غور کرتے وقت یہ فرق خاص طور پر
نمایاں معلوم ہوتا ہے جو گاؤں کہ ریل سے دور دور واقع ہیں وہاں نئی نئی احتیاجات
بہت دیر بعد پیدا ہوتی ہیں، اور وہاں کے باشندے ضرور اسقدر قانع ہو جاتے
ہیں کہ ان کے نزدیک کوئی احتیاج پوری کرنی باقی نہیں رہتی غالباً ترقی پیدائش
کے ابتدائی دور میں بھی جبکہ ہر گاؤں اپنی ضروریات خود مہیا کرتا تھا۔ لوگوں کا کم

و بیش یہی حال تھا۔ قصبوں کے مقابل تو اب بھی گانوں میں یہ حالت زیادہ نظر آتی ہے لیکن ترقی کے ساتھ گانوں کا رنگ بھی بدل چلا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُس وقت احتیاج بہت صاف صاف محسوس ہوتی ہے جبکہ اُس کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی دریافت ہو جائے۔ ما سوم ص ۱۹۰)

جوں جوں معلومات بڑھتی ہے۔ احتیاجات پوری کرنے کے نئے نئے ذرائع کا پتہ ملتا ہے اور پھر ان سے کام لینے کو دل چاہتا ہے۔ ایک مثال لو۔ جب تک موٹر ایجاد نہ ہوئی تھی امرا اور معززین گاڑی گھوڑوں سے خوش تھے جیسے سے اچھے گھوڑے اور گاڑیاں رکھتے تھے اور یہ نئی سواری یعنی موٹر اُن کے خواب و خیال سے بھی باہر تھی مگر جوں ہی موٹریں ہندوستان میں آئیں، ہر کوئی ان کا شیدا ہوگیا۔ گویا کوئی ایسی احتیاج پیدا ہوگئی کہ موٹر کے سوا گھوڑا گاڑی سے وہ پوری ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اب ہندوستان میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں کچھ موٹریں نہ ہوں۔ اور حیدرآباد، کلکتہ، بمبئی جیسے بڑے شہروں میں تو وہ اس قدر عام ہیں کہ گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہیں۔ بالخصوص حیدرآباد میں جس قدر کثیر اور قیمتی موٹریں چلتی ہیں ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں اس کی مثال ملنی دشوار ہے؛

موٹروں کی مثال سے واضح ہوگیا ہوگا کہ علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ کیونکر نئی نئی احتیاجات پیدا ہوتی ہیں۔ اور علم ہے کہ برابر بڑھ رہا ہے۔ نہ صرف تعلیم کے ذریعہ سے بلکہ بہت کچھ توسیع تجارت اور سیر و سفر کے ذریعہ سے بھی۔ خصوصاً جب سے ریل اور دخانی جہاز چلے ہیں علم کا سیلاب بہہ نکلا ہے۔ احتیاجات کی تو بس یہ حالت ہے کہ جوں جوں علم بڑھتا ہے ان کے اضافے کی بھی رفتار تیز ہوتی ہے پس یہ امید نہیں بندھتی کہ اگر ملک میں ترقی ہوئی تو بمقابل حال زیادہ لوگ دل بھر کر احتیاجات پوری کرسکیں گے۔ بلکہ اس کے برعکس اندیشہ ہے کہ گو زیادہ زیادہ احتیاجات پوری ہو جاویں تاہم نئی احتیاجات اس سرعت سے بڑھیں گی کہ پوری ہونے والی احتیاجات کی تعداد آج کل کے مقابل اور بھی بڑھ جاوے گی؛

پس احتیاجات کے متعلق اس قدر تحقیق ہوا کہ ان کی شدت بمدارج مختلف محسوس ہوتی ہے۔ ہر ایک احتیاج بجائے خود پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن موجودہ احتیاجوں کے پورے ہوتے ہی جدید احتیاجات نمودار ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ دیہات

مات ۳۰۴ میں ایسے بہت کم لوگ ملینگے کہ جن کی احتیاجیں بہ تمام و کمال پوری ہوگئی ہوں

نصر ۱۴۶، اور جو کچھ ہیں اُن کی تعداد بڑھنی تو درکنار الٹی گھٹ رہی ہے۔ احتیاجات کے متعلق

جو باتیں بیان ہوئیں ان میں چند مستثنیات بھی داخل ہیں جن کو ہم اگلی فصل میں

بیان کریں گے ؛



باب سوم
(فصل ۲)

فصل بیستم

احتیاجات اور چند مستثنیات

احتیاجات کی عام کیفیت میں کچھ مستثنیات بھی نظر آتی ہیں۔ جو اس فصل میں بیان کرنی مقصود ہیں۔ معاشیات کی ابتدائی بحث میں انکا بیان کچھ زیادہ ضروری تو نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بحث طالب علم کو کافی معاشی معلومات حاصل ہونے تک ملتوی رہے۔ لیکن پھر بھی یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کچھ مختصر ذکر یہاں بھی کر دیا جائے ایک تو ان سے احتیاجات کی کیفیت پر مزید روشنی پڑے گی۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ مستثنیات خود بخود طالب علم کے ذہن میں آئیں اور طالب علم ان کو گذشتہ فصل کے بیان کی تردید سمجھ کر حیران ہو جائے :

احتیاجات جو پوری نہیں ہوسکتیں

اول تو یہ جتانا ضروری ہے کہ خاص خاص حالتوں میں بعض احتیاجات ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا وہ کبھی بہ تمام وکمال پوری نہیں ہو سکتیں اور ان کے واسطے لوگ سدا ہل من مزید کا وظیفہ ورد کرتے ہیں مثلاً نمائش اور آرائش کا شوق کہ پورا ہوتا ہی نظر نہیں آتا۔ بعض لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ اپنی امارت اور شان دکھائیں اس غرض کے لئے وہ عالیشان محلات بنواتے ہیں بیش بہا ساز و سامان سے ان کی آرائش کرتے ہیں عمدہ عمدہ گھوڑے گاڑیاں رکھتے ہیں۔ نہایت بیش قیمت لباس اور زیور پہنتے ہیں۔ غرضکہ ہر طرح پر تزک اور احتشام سے رہتے ہیں۔ آرائشی چیزوں پر لکھوکھا روپیہ خرچ کرتے ہیں مگر کبھی اس کی خریداری سے نہیں تھکتے۔ جہاں کوئی نئی چیز نظر پڑی فوراً خرید لی یہ حالت دیکھنے میں تو مستثنیٰ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آرائش و نمائش کی خواہش درحقیقت کوئی واحد احتیاج نہیں۔ جیسے کہ بھوک۔ پیاس یا تن پوشی

باب ۳
فصل (۲۰)

بلکہ وہ بہت سی سادہ احتیاجات کا مجموعہ یا مرکب ہے۔ اور جوں جوں یہ احتیاجیں پوری ہوتی جاتی ہیں جدید احتیاجات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کبھی تو دل چاہتا ہے عمدہ سی گاڑی خریدیے جب خریدلی تو موٹر کا شوق ہوا جب موٹر بھی مل گئی تو اب اس کے اقسام پر نظر دوڑنے لگی غرض کہ کسی ایک چیز سے دل نہیں بھرتا پس جو احتیاجات کہ مفرد ہونیکے بجائے مرکب ہوں وہ بظاہر تو اس قاعدے سے مستثنےٰ معلوم ہوتی ہیں کہ احتیاجات بہ تمام وکمال پوری ہو سکتی ہیں۔ مگر درحقیقت وہ اس قاعدے کی مثال ہیں کہ موجودہ احتیاجات پوری ہوتے ہوتے جدید احتیاجات پیدا ہو جاتی ہیں

دوسری چیز جو مستثنےٰ نظر آتی ہے وہ غلبہ اور اقتدار کی خواہش ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے بڑھ کر کوئی فکر نہیں ہوتی کہ دوسرے لوگ ان کے مطیع اور ماتحت ہو کر رہیں اس مقصد کے واسطے وہ سب کچھ کرنے کو تیار رہتے ہیں اور ان کو جسقدر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس سے زیادہ حصول غلبہ کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ اسی حکومت واقتدار کی خاطر لوگوں نے کس قدر فتنے فساد اور خونریزیاں کی ہیں۔ بادشاہوں کے اعلیٰ عہدہ داروں کو جہاں موقع ملا فوراً انھوں نے اپنی سلطنت قائم کر لی۔ ایسی طوائف الملوکی تو اب ممکن نہیں مگر ہاں معاشرتی اور سیاسی زندگی کے شعبوں میں اب بھی یہ خواہش خوب رنگ دکھاتی ہے۔ یہ حالت بیشک ایک حقیقی استثنےٰ ہے۔ یعنی غلبہ اور حکومت کی خواہش ایک ایسی احتیاج ہے جو تمام وکمال کبھی پوری نہیں ہوتی لیکن یہ احتیاج خال خال لوگوں ہی کو محسوس بھی ہوتی ہے اور معاشی کو بیشتر عام لوگوں کی احتیاجات سے سابقہ پڑتا ہے ؛

ایک اسی قسم کا استثنےٰ زرپرستی کی خواہش ہے کہ جہانتک ہوسکے اور جس طرح ہوسکے دولت جوڑیئے۔ بالخصوص سونا چاندی اور جواہرات یہ لوگ خرچ کرنیکی نیت سے دولت نہیں جوڑتے نہ ان کو حکومت کی خواہش نہ اعزاز کی تمنا نہ عیش وعشرت کا شوق انکو تو بس یہ خیال عزیز ہے کہ وہ بہت بڑی دولت کے مالک ہیں یا کبھی دل چاہا تو ذرا زر وجواہر کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا۔ شمار کیا اور پھر احتیاط سے رکھ دیا لیکن حالت یہ ہوتی ہے کہ جتنی دولت بڑھتی ہے اس سے دگنا دولت پرستی کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ خاص خاص بخیلوں کی یہ نوبت پہنچتی ہے کہ بعض تو سر بسر دیوانے معلوم

باب سوم فصل (۲۰)

ہوتے ہیں اور بعض اس سے کچھ ہی کم۔ لیکن وہ سب مستثنیٰ شمار ہونے کے قابل ہیں عام لوگوں کی یہ حالت بھلا کیوں ہونے لگی ایسا ہوتا تو دنیا کا کاروبار کیونکر چلتا۔ اور چونکہ معاشیات کو تو عوام سے سروکار ہوتا ہے۔ ایسے زر پرست بخیلوں کو وہ نظرانداز رکھتی۔

احتیاجات میں اضافہ نہ ہوا۔

اب اُن لوگوں کے حال پر ذرا غور کرو جن کی احتیاجات میں بلحاظ اقسام و تعداد بہت کم اضافہ ہوتا ہے۔ مذہبی فقیر اور جوگیوں کی بالعموم یہی حالت ہوتی ہے۔ تم نے ایسے قصے ضرور پڑھے ہونگے کہ فلاں دولت مند نے دنیا ترک کر کے جوگ یا فقیری اختیار کرلی تاکہ اطمینان سے خدا کی عبادت کرے۔ یہ لوگ گھر بار چھوڑ کر خیرات پر گزارا کرنے لگتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسی مثالیں نایاب نہیں اگرچہ اس درجہ ایثار کرنا عوام کے حوصلہ سے بالاتر ہے۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ معدودے چند احتیاجات جو صرف مذہبی کاموں سے پوری ہوسکتی ہیں ان کو اس درجہ شدید محسوس ہونے لگتی ہیں کہ ان کے مقابل دوسری حاجتوں کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ان کی جو کچھ احتیاجات ہیں وہ دولت سے بہت کم پوری ہوسکتی ہیں اور اسی وجہ سے معاشیات کو بھی ان احتیاجات سے کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو صرف اس قدر کہ جب ان کے وجود کا اس کو علم ہو تو اتنا جتا دے کہ جب کسی قوم یا فرقے میں مذہبی اثر سے لوگ فقیری اور جوگ اختیار کرتے ہیں تو وہاں دولت کی پیدائش اور صرف دونوں میں تخفیف ہوجاتی ہے اسکے سوا معاشیات کو ایسے لوگوں کی احتیاجات سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ وہ دولت سے پوری نہیں ہوتیں۔ گو آجکل جوگ سادھنے کا رواج ہندوؤں میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ تاہم یہ رواج ہندوؤں تک محدود نہیں۔ کسی زمانے میں بودھ لوگ بھی کثرت ایسا کرتے تھے اور عیسائیوں میں بھی یہ بات پسندیدہ مانی جاتی تھی۔ سب کو معلوم ہے کہ بہت سے ہندو سادھو اور فقیر ایسی زندگی مذہب کی خاطر اختیار نہیں کرتے بلکہ لاچار ہوکر بسر اوقات کی یہ تدبیر نکالتے ہیں بالفاظ دیگر وہ تارک الدنیا نہیں متروک الدنیا ہوتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں بھی ایسے لوگ گذر چکے اور موجود ہیں مثلاً سولھویں صدی میں یورپ کی خانقاہیں معاشی حیثیت سے بہت توجہ طلب ہوگئی تھیں ان میں لوگ خوب دولت پیدا کرتے اور عوام کی طرح دنیا کا لطف اڑاتے تھے گویا صرف دکھاوے کے تارک الدنیا بنے ہوئے تھے اور درحقیقت دنیا کے بڑے دلدادہ تھے؛

مارشل ۱،۲ — چند صورتیں اور بھی ایسی ہیں کہ جن میں بعض احتیاجات جو معاشیات کے دائرے سے خارج ہیں اس شدت سے محسوس ہوتی ہیں کہ معاشی احتیاجات کو ان کے مقابل میں پست ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ شعر لکھیں، مصوری کریں یا سنگتراشی بنیں۔ اس غرض سے نہیں کہ روپیہ ہاتھ آئے یا شہرت ہو۔ بلکہ محض اس شوق کی خاطر جو فطرۃً ان کے دل میں موجزن ہے۔ معاشی اس قسم کی احتیاجات کا ان احتیاجات سے مقابلہ نہیں کر سکتا جن سے اس کو بحث ہوتی ہے تاہم ان کا وجود اس کے نزدیک ایک توجہ طلب واقعہ ہے؛

معاشی کو اس بات کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بھی احتیاجات ہیں جن کی بحث اس کے علم یعنی معاشیات کی حدود سے باہر ہے اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو فطرت انسانی کا بہترین جزو شمار ہوتی ہیں۔ اور جن لوگوں کو ان کا احساس ہوتا ہے ان کے اعمال عوام کے افعال سے بالکل مختلف ہوا کرتے ہیں لیکن معاشی کے مد نظر تو آخر الذکر قسم کے افعال رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ گو وہ احتیاجیں کتنی ہی شدید محسوس ہوں لیکن اس حد تک کبھی محسوس نہیں ہوتیں کہ عوام کے طرز عمل پر ان کا کوئی قابل لحاظ اثر پڑ سکے۔ اور معاشی کا خاص مضمون عوام کا طرز عمل اور کاروبار ہے۔ معاشی کو ان اعلیٰ احتیاجات سے فی نفسہ تو کوئی بحث نہیں البتہ وہ یہ ضرور تسلیم کرتا ہے کہ ان کے اثر میں آکر کچھ لوگ مقابل عوام مختلف طور پر عمل کرتے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ گو بحیثیت مجموعی کسی قوم یا فرقہ کے عمل کے متعلق نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا فرداً فرداً ہر ایک شخص پر صادق آنا ضروری نہیں۔ بعض کا عمل ان نتائج کے خلاف بھی ہو تو عجب نہیں۔ المختصر معاشی معمولی لوگوں کے حال سے بحث کرتا ہے لیکن اس کو یہ بھی خیال کرنا پڑتا ہے کہ کچھ لوگ غیر معمولی بھی ہوتے ہیں؛

معاشی احتیاجات کی تعریف میں — اوپر کے بیانات سے طالب علم کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ معاشیات میں جن احتیاجات سے بحث کی جاتی ہے ان کی حدود کچھ غیر معین سی ہیں اور یہ بالکل سچ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشیات میں انسانی زندگی کے صرف ایک شعبے سے بحث ہوتی ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ زندگی کے کل شعبے ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیئے جائیں معاشی کے پیش نظر کیا ہے۔ معمولی لوگوں کی معمولی احتیاجات اور ان کو پورا کرنے کے مروجہ

طریقے اس شعبۂ زندگی کے متعلق چند نتائج اخذ ہو سکتے ہیں جو عوام پر بڑی حد تک صادق آئیں گے لیکن خود لفظ معمولی سے کوئی حد معین نہیں ہوتی۔ اس میں بھی درجوں کا فرق ہے معمولی زندگی کہاں ختم ہوتی ہے اور کہاں سے غیر معمولی شروع ہوتی ہے۔ اس باب میں مختلف لوگوں کی مختلف رائیں ہونگی۔ پس واضح ہوا کہ گو معاشیات کے مباحث کی حدود اچھی خاصی نمایاں ہیں تاہم ان کو ٹھیک ٹھیک قائم کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ معاشی نتائج سے عمل کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ نتائج کی بنا پر رائے قائم کرنے سے پیشتر فطرت انسانی کے ان خواص کا بھی لحاظ کر لینا ضروری ہے جن کو معاشی نے نظر انداز کر دیا ہے؛

ما ۳۴ ص (۲۰)

معاشی نتائج میں کچھ تنگی یوں بھی پیدا ہوتی ہے کہ مختلف قومیں ترقی کے مختلف مدارج پر نظر آتی ہیں۔ جو طرز عمل کسی قوم میں بالکل معمولی خیال کیا جاتا ہے دوسری قوم میں وہی غیر معمولی شمار ہوتا ہے۔ جب ایک درجے کے لوگ دوسرے درجے والوں کی لکھی ہوئی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو اس فرق مدارج کی بدولت مشکل وقت پیش آتی ہے۔ مثلاً انگلستان میں یہ بات قیاس سے باہر ہے کہ رشوت لیکر کوئی جج خلاف انصاف فیصلہ لکھدے اب اگر معاشی چاہے تو انگلستان کی حالت کی بناء پر کہدے کہ جج کی ایمانداری کا معیار زر نہیں بن سکتا۔ ہندوستان ترقی کرتے کرتے اس درجے پر آرہا ہے لیکن ابتک کبھی کبھی جج رشوت لیکر فیصلہ خراب کر دیتے ہیں گو یہاں ایسے بھی جج موجود ہیں۔ جن کی ایمانداری زر کے ذریعے سے ناپی جا سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ رشوت کی کس مقدار تک وہ ایماندار رہتے ہیں اور کب ایمانداری فروخت کر ڈالتے ہیں۔ ترقی ہوتے ہوتے ایمانداری کی خاصیت اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ چاہے کتنی ہی بڑی رشوت دیجئے اس کے معاوضے میں جج ایمانداری ہاتھ سے دینا ہرگز گوارا نہ کرے گا۔ آج سے ایک صدی پہلے جبکہ ہندوستان میں رشوت کا بازار گرم تھا۔ کوئی معاشی اگر چاہتا تو جج کی ایمانداری کی بحث معاشیات میں داخل کر لیتا۔ کیونکہ اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ لیکن اب ایمانداری پر رشوت کا جادو نہیں چلتا ورنہ معاشیات میں اس خاصہ سے بحث کی جاتی۔ یہ بھی اخلاقی ترقی کی ایک بڑی علامت ہے؛

طلباء کو اول تو اپنے علم یعنے معاشیات کے حدود ٹھیک ٹھیک قائم کرنے

باب سوم ضمن (۴)

میں دقت محسوس ہوگی۔ دوسرے یہ قرار دینا بھی مشکل ہے کہ معاشی نتائج کس حد تک معاملات زندگی پر صادق آتے ہیں۔ چند خاص خاص مستثنیات اور دقتیں بیان ہو چکیں اب ہم معمولی لوگوں کی روزمرہ کی احتیاجات کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں:



فصل اکیس ۲۱

ضروریات و تعیشات

سب جانتے ہیں کہ خرچ کرتے وقت لوگ جب کچھ احتیاجات اول پوری کر لیتے ہیں تب کہیں دوسری احتیاجوں کا خیال دل میں لاتے ہیں۔ جو چیزیں کہ اول الذکر احتیاجات سے متعلق ہوں وہ تو **ضروریات** شمار ہوتی ہیں اور جن کا آخر الذکر سے تعلق ہو وہ **تعیشات** کہلاتی ہیں۔ یوں سرسری بیان سے ضروریات اور تعیشات کا فرق خوب واضح نہ ہو تو اس کی تشریح بھی حاضر ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے تو اس ضرورت کا باعث کوئی نہ کوئی غرض یا مطلب ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ضروریات کی دو قسمیں قرار پائی ہیں ایک تو "**ضروریات حیات**" اور دوسری "**ضروریات کارکردگی**"۔

ضروریات جات مہوبت کا کہ ضروریات حیات سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن کے بغیر لوگ زندہ نہ رہ سکیں سرد ممالک میں کھانے پینے کے علاوہ گرم لباس اور مکان بھی ضروریات حیات میں داخل ہے ہندوستان کے میدانوں میں موسم اس قدر معتدل رہتا ہے کہ مکان اور لباس کی بہت زیادہ ضرورت نہیں پڑتی۔ حتیٰ کہ جاڑے میں صرف ایک ہلکے کمبل سے کام نکل جاتا ہے۔ پس یہاں پر ضروریات حیات میں خورد و نوش کے سوا اور کوئی چیز بہت کم داخل ہے۔ لیکن ضروریات کارکردگی میں بہت سی چیزیں شامل ہیں جن کو استعمال کر کے مزدور اپنا کام بطریق احسن انجام دے سکے۔ اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے بچوں کو کم از کم اتنا پڑھا لکھا دے کہ وہ بھی اس کا کام کرنے لگیں۔ ہندوستان میں ضروریات کارکردگی میں یہ چیزیں خاص طور پر داخل ہیں۔ اول وافر کھانا یعنی نہ صرف

باب سوم
فصل (۲۱)

اس قدر کہ اُس سے آدمی کی جان بھی رہے بلکہ جس سے وہ توانا تندرست رہے۔ دوسرے کافی لباس سامان اور مکان تیسرے علاج معالجے اور تعلیم کا بندوبست کہ بچے بھی پڑھ لکھ کر اپنے والدین کی طرح بلکہ اُن سے بہتر کمانے والے بن سکیں؛

ضروریات کی ان دونوں قسموں میں بہت بڑا فرق ہے ہندوستان میں اب لوگ فاقے سے بہت کم مرتے ہیں۔ حتیٰ کہ قحط میں بھی ایسی نوبت زیادہ نہیں آتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات حیات تو لوگوں کو ماسوم حاصل ہیں لیکن ساتھ ہی ملک اس قدر مفلس ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ضروریات کارکردگی کا لطف جانتے ہیں مثلاً بہت سے لوگوں کو تو علاج معالجہ اور تعلیم نصیب نہیں ہوتی۔ صحت بخش مکانات بالخصوص قصبوں میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ دستکاروں مزدوروں اور چھوٹے کاشتکاروں کی بڑی جماعت کو جاڑے میں کافی لباس میسر نہیں ہوتا۔ اور ملک کے اکثر حصوں میں مزدور کو اتنی خوراک نہیں ملتی کہ وہ دن بھر محنت کر سکے۔ بوجہ کمزوری و ناطاقتی جلد تھک جاتا ہے؛

رسمی ضروریات

ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ جو لوگ ضروریات کارکردگی سے محروم نظر آتے ہیں وہ اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ غیر ضروری چیزوں میں صرف کر دیتے ہیں۔ کچھ ہندوستان ہی پر منحصر نہیں دیگر ممالک میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ضروریات کارکردگی چھوڑ کر اور چیزیں خریدتے ہیں۔ یہ چیزیں رسمی ضروریات کہلاتی ہیں۔ ان کا استعمال کارکردگی کے واسطے ضروری نہیں البتہ رسم و رواج اور عام خیال کے مطابق یہ چیزیں نہایت ضروری مانی جاتی ہیں مثلاً کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مدتوں کی کمائی شادی غمی کی تقریبوں میں خرچ کرنے سے کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ رسم و رواج ایسی تقریبات کی مقتضی ہیں اور بھائی بندوں کا بھی اصرار ہوتا ہے لوگ اپنا اندوختہ ان کاموں میں اڑا دیتے ہیں اور خود ضروریات کارکردگی سے محروم رہ جاتے ہیں اتنا روپیہ کہاں کہ دونوں کام ساتھ چل سکیں۔ ہندوستانی طالب علموں کو اپنے جان پہچان کے لوگوں میں ایسے خاندان بھی معلوم ہونگے کہ جن کے ہاں ضروریات کارکردگی کی تو پروا کی نہیں جاتی۔ نہ تعلیم ہے نہ صحت لیکن کپڑے ہمیشہ فیشن کے مطابق پہنے جاتے ہیں اس سے بڑھکر اور کیا کوتہ اندیشی ہو سکتی ہے۔ اس وبال نے بہت سے گھرانے ویران کر دیئے۔ اور ابھی

اس کا زور نہیں ٹوٹتا۔ پس معلوم ہوا کہ عام طور پر لوگ رسمی ضروریات پر تو بہت کچھ روپیہ لٹاتے ہیں اور ایسے خرچوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں کہ جن سے ان کی کارکردگی ترقی کرے یا بچوں کو تعلیم حاصل ہو۔ معاشی کو اس واقعے پر نظر رکھنی ضرور ہے فرض کرو کہ کوئی بیاس آجر یہ ارادہ کرے کہ اپنے مزدوروں کو ضروریات کارکردگی دلا کر فائدہ پہنچائے اور اس نیت سے وہ مصارف کا حساب لگانے تاکہ ان کو کافی اجرت دے مثلاً تن پرور غذا کی کافی مقدار آرام دہ مکان، ضروری سامان، کرایہ مکان، بچوں کی تعلیم کے مصارف، علاج معالجے کا خرچ وغیرہ ان سب مدوں کا حساب کرکے وہ مزدور کو اتنی اجرت دے کہ اس کی اور اس کے خاندان کی اچھی طرح پر گزر ہو سکے۔ اب اگر آجر نے رسمی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا تو اس کو عنقریب معلوم ہوگا کہ مزدور اس کے حساب کے مطابق خرچ نہیں کرتے اکثر ہے بعض تو کھانا خراب کھا رہے ہیں گے بہت سے برے برے مکانوں میں رہیں گے بہتوں کے پاس گھر بار کا سامان کم ہوگا اور ان کے بچے بھی عمدہ تعلیم سے محروم رہیں گے اور آجر جب ان سے دریافت کرے گا کہ ضروریات کارکردگی کے واسطے جو کافی اجرت دی گئی تھی وہ سب کہاں گئی تو معلوم ہوگا کہ اس کا بیشتر حصہ رسمی ضروریات کی نذر ہوا شادی غمی کی تقریبات کے واسطے کچھ قرض لینا پڑا اور اجرت کا بڑا حصہ اس کی ادائیگی میں جانے لگا حالانکہ زیادہ اجرت دینے سے آجر کا منشا یہ تھا کہ اس کے مزدور صحت و عافیت سے رہیں عمدہ کام کریں۔ نہ یہ کہ رسم و رواج میں روپیہ لگا کر مفلس کے مفلس بنے رہیں ؛

پس اگر معاشی کو واقعات سے بحث ہے تو اس کو رسمی ضروریات کا لحاظ رکھنا چاہیے

رسم و رواج اور ان کی تبدیلی

جس شخص کو ملک کی معاشی حالت سدھارنا مقصود ہے اس کو چاہیے کہ اول واقعات پر نظر ڈالے اور پھر ایسی تدابیر نکالے کہ لوگ اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ یعنی رسمی ضروریات ترک کرکے اپنی آمدنی زیادہ کارآمد طور پر صرف کریں لوگوں کو رسم بدلنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ غالباً طالب علم واقف ہوں گے کہ آجکل ہندوستان کے مختلف فرقوں میں سربرآوردہ لوگ اصلاح رسوم کی کوشش کر رہے ہیں اور انکو کم و بیش کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے اس میں شک نہیں کہ کام نہایت ضروری اور مفید ہے لیکن اتنا ہی وقت طلب اور دشوار بھی ہے۔ اصلاح کی تحریک بہت آہستہ آہستہ پھیلتی ہے وجہ یہ ہے کہ اول تو لوگ بالخصوص ہندوستانی اپنے فرقے کے رسم و رواج کے خلاف ذاتی رائے ظاہر کرنے کی جرأت کم کرتے ہیں۔

باب سوم
فصل (۴)

دوسرے ایسے دھن کے پکے لوگ کم ملتے ہیں جو عملاً اصلاح کر دکھا دیں اور قدیم رسم و رواج بدل دیں ؛

عادات رسم ورواج اور فیشن وغیرہ ان چیزوں کا طالب علم کو معاشی مباحث میں جو لحاظ کرنا پڑتا ہے تو محض اس وجہ سے نہیں کہ ان کا ہی ضروریات سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ چیزیں دیگر معاشی معاملات پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ دولت کے ہر قسم کے صرف پر انکا کم وبیش اثر پڑتا ہے۔ پس ان کے مفہوم کا مختصر بیان برمحل معلوم ہوتا ہے اس بحث میں بھی ہم کو فطرت انسانی کے خواص بطور واقعات تسلیم کرنے کافی ہیں۔ معاشیات کو ان کی توجیہ سے سروکار نہیں مثلاً یہ واقعہ ہے جس پر غالباً طالب علم کا تجربہ بھی شاہد ہوگا کہ جو شخص مدت سے کوئی کام کسی طریق پر کرتا چلا آیا ہے وہ آئندہ بھی اسی طریق پر کرتا رہے گا۔ اور اس کام کے واسطے کوئی جدید طریق ایجاد کرنے کا اس کو بہت کم خیال ہوگا اور جتنی زیادہ مدت تک وہ کسی طریق پر عامل رہیگا اسی قدر کم اس کے دل میں تبدیلی کا خیال پیدا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص اول اول کام شروع کرتا ہے تو وہ جس طریق پر دوسروں کو کام کرتے دیکھتا ہے وہی طریق خود بھی اختیار کر لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص تن تنہا رہے تو وہ اپنی عادات و معمول خود اپنے دل سے قرار دے گا مثلاً کھانا پکانے، لباس پہننے، رہنے سہنے کا طریق یا خواب اور بیداری کے اوقات مقرر کرے۔ لیکن معلوم ہوگ تنہا نہیں رہتے۔ اور اپنے اردگرد لوگوں کو جو کچھ کرتے دیکھتے ہیں خود بھی ویسا ہی کرنے لگتے ہیں گویا رسم و عادات میں دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سی عادتیں تو بچپن ہی میں پڑ جاتی ہیں جو کچھ ہم اپنے والدین اور اعزا کو کرتے دیکھتے ہیں ہم بھی ویسا ہی کرنے لگتے ہیں۔ جب بڑے ہوتے ہیں تو جن لوگوں سے میل جول ہوتا ہے اور سابقہ پڑتا ہے ان کی عادات اور رواج سیکھنے لگتے ہیں۔ جب کوئی طالب علم نیا نیا کالج میں داخل ہوتا ہے تو وہ پرانے طلباء کے نقش قدم پر چلنا شروع کرتا ہے۔ جب کسی دفتر میں کوئی نیا محرر ملازم ہوتا ہے تو وہ بھی دوسرے محرروں کی باتیں سیکھ لیتا ہے اور سب پیشوں کا یہی حال ہے۔ حاصل کلام یہ کہ انسان اپنی زندگی میں بیشتر یا تو اپنے پرانے سیکھے ہوئے کام پر قائم رہتا ہے یا اپنے اردگرد کے لوگوں کی نقل اور تقلید کرتا ہے ؛

باب سوم
فصل (۲۱)
تبدیلی کی رفتار

لیکن اگر سب لوگ نقل اور تقلید کے پھندے میں پھنسے رہتے تو کسی قوم کی عادات اور طرز معاشرت میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہو سکتی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جوں جوں حالات بدلتے ہیں عادات اور رسم ورواج بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں مثلاً کبھی کسی کو کوئی کام کرنے کا سہل اور نیا طریقہ معلوم ہوا دیکھا دیکھی اس کے ہمسایوں نے بھی وہی طریق شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے میں اسکا رواج اس قدر پھیلا کہ قدیم طریقے کو لوگ بھول بھال گئے۔ اگر ہم دو ایک مہینے کے وقفہ کے بعد کسی فرقے کی عادات و رواج کا مقابلہ کریں تو ان میں کچھ تبدیلی اور فرق محسوس نہ ہوگا۔ لیکن اگر موجودہ طرز معاشرت کا آج سے دس بیس برس قبل کی حالت سے مقابلہ کریں تو البتہ پتہ چلیگا کہ اس طویل دوران میں عادات ورواج کیا سے کیا ہو گئے حاصل کلام یہ کہ عادات ورسم ورواج بہت آہستہ آہستہ بدلتے ہیں۔ اور قوموں میں یہ بھی ایک بڑا فرق ہے کہ بعض میں تو رسم وعادات جلد جلد تبدیل ہو جاتے ہیں اور بعض میں بہت دیر دیر سے بعض قومیں اپنی عادات بدلنے پر ہمیشہ تیار رہتی ہیں جہاں انھوں نے کوئی بات سنی فوراً اس کا تجربہ کیا اور اگر جدید طریق بہتر ثابت ہوا تو اس کو قدیم طریق کے بجائے اختیار کر لیا۔ ایسی ترقی پذیر قوموں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں غالباً امریکہ کے لوگ عادات ورواج بدلنے میں سب سے زیادہ مستعد ہیں۔ اور بعض صورتوں میں تو وہ یقیناً اس لحاظ سے انگریزوں پر سبقت لے جاتے ہیں انگریز بمقابل ہندوستانیوں کے رسم ورواج میں زیادہ آزاد ہیں اور خود ہندوستانیوں میں بنگالی اور کایستھ قوم رسم ورواج کی اس درجہ پابند نہیں جتنے کہ راجپوت یا زراعت پیشہ جلتے ؟

رسم ورواج میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کی رفتار کا دارومدار بیشتر اس پر ہے کہ لوگوں کو نئی نئی چیزیں دیکھنے اور نئی نئی باتیں سننے کے موقعے ملیں اکثر پڑھ کاشتکاروں کے گاؤں میں بھلا رسم ورواج کیا تبدیل ہوں گے۔ اس کا موقع تو شہر اور قصبوں میں خوب ہے کہ جہاں پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں۔ کتابیں اور اخبار شائع ہوتے ہیں دکانوں میں نت نئی چیزیں نظر آتی ہیں اور باہر کے قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ذرائع آمدورفت کی ترقی کا نہ صرف پیدائش دولت پر اثر پڑتا ہے جیسا کہ بیان

۱۹۳۳ء (۱۳) ہو چکا ہے بلکہ ہندوستان میں اسکی بدولت رسم و رواج بھی بسرعت تبدیل ہو رہے ہیں دیہاتیوں کا بھی تمدن بدلا نظر آتا ہے گو اس درجہ نہیں جتنا کہ قصباتیوں کا۔ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی کی رفتار ابھی اور تیز ہوگی۔ لیکن ابتک بحیثیت مجموعی ہندوستان میں مغربی ممالک کے مقابل تبدیلی کی رفتار سست ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ دولت کے صرف پر ہندوستان میں رسم ورواج کا بہت زیادہ اثر باقی ہے رسمی ضروریات پر جس قدر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس سے رسم و رواج کے اثر کا کچھ پتہ چلتا ہے اور علاوہ ازیں دیگر قسم کے مصارف میں بھی رسم ورواج کو بہت دخل ہے ضروریات بہ مشکل شاید اس اثر سے بری ہوں تو ہوں۔ مثلاً جہاں تعلیم کا انتظام موجود ہے وہاں بھی کچھ مدت بعد دیہاتی لوگ اپنے بچے مدرسے بھیجنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ دوا خانے قائم ہیں مگر لوگ برسوں تک وہاں جا کر علاج نہیں کراتے لوگوں کے پاس روپیہ موجود ہے کہ صحت افزا مکان اور آرام وہ سامان خریدیں مگر ان کو ذرا پروا نہیں انھیں پرانی قطع کے تنگ مکانات میں خوش ہیں اور وہی قدیم وضع کا سامان اُن کے نزدیک کافی ہے ؛

ضروریات و تعیشات اس فصل کے شروع میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ضروریات کے علاوہ جو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں وہ **تعیشات** کہلاتی ہیں اب تعیشات کی بھی دو قسمیں قرار دی جاتی ہیں جن کو ہم **سامان راحت** اور **سامان عیش** سے تعبیر کر سکتے ہیں درحقیقت ان ہر دو قسم میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن عرفاً سامان عیش پر یک گونہ اعتراض عائد ہوتا ہے جس سے کہ سامان راحت بری ہے یعنی جب ہم سنتے ہیں کہ فلاں شخص سامان عیش پر روپیہ صرف کر رہا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ صرف بیجا ہے۔ لیکن سامان راحت کے واسطے جو کچھ صرف ہو وہ کم و بیش بجا ہو سکتا ہے روزمرہ کی گفتگو میں ان الفاظ کا مفہوم ہمیشہ اس شخص کی آمدنی اور مالی حالت پر منحصر ہے۔ جس کے مصارف کا ذکر ہو مثلاً گرمی کے موسم میں ریشم کے ہلکے کپڑے وکیل ڈاکٹر یا تاجر کے واسطے تو سامان راحت سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن غریب کاشتکار یا مزدور کے حق میں تو وہ اول درجہ کا سامان عیش شمار ہوں گے۔ سن رسیدہ زمیندار کے لیے تو گاڑی۔ سامان راحت ہے لیکن کم حیثیت نوجوان کے واسطے وہ سامان عیش سمجھی جائے گی۔ معاشی مباحث میں

تو اس تفریق کی کوئی اہمیت نہیں تاہم اس کو اس غرض سے واضح کر دیا کہ جب اب ۵،۶
یہ الفاظ آئندہ استعمال ہوں تو کوئی مغالطہ پیدا نہ ہو۔ سامانِ عیش اور سامانِ راحت ص (۱۱)
ہر دو قسم سے مراد وہ چیزیں ہیں جو استعمال کنندہ کی حیات یا کارکردگی کے واسطے
تو مطلوب ہوں نہیں، تاہم ان سے کچھ ایسی احتیاجات پوری ہوں جو لوگوں کو محسوس
ہوتی ہیں؛



فصل بائیس ۲۲

افراد کی مانگ یا طلب

یہ تو سادے طور پر بیان ہو چکا ہے کہ معاشیات میں کس قسم کی احتیاجات سے بحث ہوتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لوگ ان احتیاجوں کو پورا کیونکر کرتے ہیں معمولی آدمی تو اس معاملے میں صرف اس قدر ستا تا کافی سمجھیں گے کہ ان کی آمدنی کن کن مدوں میں صرف ہوتی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ آمدنی کیونکر حاصل ہوئی۔ لیکن بالآخر اس مسئلہ کا پیدائش دولت سے بھی اتنا ہی تعلق نظر آتا ہے جتنا کہ صرف دولت سے۔ کیونکہ لوگ جو کچھ پیدا کرتے ہیں اُس آمدنی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ صرف کریں لیکن سردست ہم پیدائش والا پہلو نظر انداز کرکے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ لوگوں کو آمدنی حاصل ہے۔ خواہ وہ بشکل غلہ و دیگر سامان ہو تاکہ احتیاجات براہ راست پوری ہو سکیں، یا بشکل زر تاکہ ضروریات خریدی جا سکیں۔ لوگوں کو بالعموم جو آمدنی حاصل ہے اس سے کل نہیں تو کچھ احتیاجات ضرور پوری ہو جاتی ہیں۔ اور خرچ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ افادہ اور تسکین حاصل ہو سکے۔

یہاں پر ہم دو لفظ داخل کرتے ہیں جو بالعموم معاشیات میں استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو مال یا سامان ہے جس سے مراد یہی مادی چیزیں ہیں جو احتیاجات پوری کرتی ہیں ان کا اور کوئی جدا مفہوم نہیں۔ ان کے استعمال کی غرض یہ ہے کہ لفظ چیز کے معنی بہت ہی وسیع ہیں اور اس کا تمام موجودات پر اطلاق ہو سکتا ہے مادی ضروریات کے واسطے ایک خاص لفظ کا استعمال ضروری ہے اور آئندہ جب ہم مال یا سامان کا لفظ استعمال کریں گے تو اس کا مفہوم وہی ہوگا جو یہاں بیان ہوا

مارشل سوم فصل (۲۲)

دوسرا لفظ افادہ ہے اس سے مراد لطف و تسکین کی وہ مقدار ہے جو کسی چیز کے صرف یا استعمال سے حاصل ہو۔ اس لفظ سے بھی معاشیات میں کسی جدید مفہوم کا اضافہ نہیں ہوتا۔ جن چیزوں سے لطف و تسکین حاصل ہو یعنی جو چیزیں صرف یا استعمال میں آ کر حاجات پوری کریں۔ ان کی یہ صفت بیان کرنے کے واسطے افادہ ایک موزوں لفظ ہے دولت کے صرف کے متعلق فصل سوم میں جو کچھ بیان کیا گیا اس سے بھی افادے کی ماہیت ظاہر ہوتی ہے۔ انسان اس مادے کو تو صرف کرتا نہیں جس سے چیز مرکب ہے بلکہ اس مادے کو کثیر مفید حالت میں لا کر چھوڑ دیتا ہے یا یوں کہئے کہ مادے کے مرکب کا افادہ تو صرف میں لے آتا ہے لیکن فی نفسہ اس مادے کو صرف نہیں کر سکتا مادہ غیر فانی ہے البتہ اس کا افادہ حسب حال پست و نیست ہوتا رہتا ہے۔ افادے کے متعلق بھی کوئی تعریف یا اعتراض قابل تشریح نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ عام بول چال میں جب کسی چیز کو مفید کہتے ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن معاشی کی مراد افادہ یا مفید سے صرف اسی قدر ہے کہ احتیاج پوری ہو جائے اگر کسی چیز سے احتیاج پوری ہو جائے تب تو وہ معاشی کے نزدیک مفید ہے۔ یعنی اس میں افادہ ہے ورنہ نہیں ؂

افادے کا مفہوم بیان ہو چکا۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ آمدنی خرچ کرنے سے ہر ایک کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل ہو۔ بیشتر افادہ حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کی مدیں بناتے وقت یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ مختلف احتیاجات کس کس درجے تک شدید ہیں اور ان میں سے کون کون پوری ہونی چاہئیں اور کس کس حد تک پوری ہو سکتی ہیں۔ طریق تو سب لوگوں کا ایک ہی ہے۔ لیکن ہر ایک کا انتخاب احتیاجات مختلف ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے مشابہت ہمیشہ نظر نہیں آتی جو غریب مزدور دو آنے روز کماتا ہے اس کے صرف کی مدیں تو صاف ظاہر ہیں غالباً اس کی کمائی کھانے کی نذر ہوتی ہے اور اگر قیمتوں میں کمی بیشی نہ ہو تو کھانے کی حالت رسم و رواج کے مطابق ہوگی۔ اس کو یہ دیکھنا ہے کہ کس قدر کھانا خریدنا ہے اور اگر دو چار پیسے بچ رہیں تو ان کو کس کام میں لانا چاہئے اس کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کس چیز سے اس کو انتہائی افادہ حاصل ہوگا۔ آیا چند چھٹانک زائد غلہ یا تھوڑا سا

اے سوم
مس ۱۲۲،

تمباکو یا کوئی اور لطف کی چیز خریدنا یا کپڑا خریدنے کے واسطے قیمت پس انداز کرنا یا کسی اور چیز کی قیمت جوڑنا جس کی آیندہ چل کر احتیاج ہو سب سے زیادہ مفید ہوگا اسی طرح جس شخص کی بیس تیس روپے ماہوار آمدنی ہو اُس کو بھی اپنا خرچ اُس وقت تک بندھا ہوا معلوم ہوگا جبتک کہ قیمتوں میں کچھ فرق نہ پڑے اور اُس کا طرز زندگی نہ بدلے کرایہ مکان خورد و نوش کا سامان اور چند دیگر مستقل ضروریات ان سب کے بعد شاید کچھ روپے بچیں تو اس کو یہ طے کرنا ہوگا کہ کیونکر ان سے انتہائی افادہ حاصل کیا جائے آیا کوئی لطف کی چیز خریدی جائے یا کپڑے بنوائے جائیں۔ یا آیندہ کے واسطے اُن کو پس انداز کرنا چاہیے۔ یہی حال دولتمند زمیندار وکیل یا تاجر کا ہے۔ گو اُس کی آمدنی بہت کثیر ہے تاہم اُس کی آمدنی کا بھی بڑا حصہ مستقل مصارف میں نکل جاتا ہے اور جو کچھ بچتا ہے اس کی بابت البتہ یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اسے کس صرف میں لانا چاہیے؟

کسی کی آمدنی خواہ پیسوں کے حساب سے شمار ہو خواہ آنوں کے خواہ چند خواہ لاکھوں روپے کے حساب سے۔ اس کا بڑا حصہ تو اس زندگی کے مستقل اور معمولی مصارف کی نذر ہوتا ہے جس کا وہ عادی ہے لیکن عموماً کچھ روپیہ خرچ سے زائد بھی بچ رہتا ہے جس کا مصرف وقتاً فوقتاً قرار دینا پڑتا ہے اور اسی زائد اندوختے کو خرچ کرتے وقت درحقیقت انتہائی افادہ حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اسکو خواہ آدمی اپنے دل میں سمجھے یا نہ سمجھے۔ مثلاً کوئی سوچتا ہے کہ تھوڑا سا غلہ اور خرید لیں کوئی اس فکر میں ہے کہ زیادہ گھی خریدیں یا نہ خریدیں کسی کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ یا تو ایک گھوڑا اور خریدیں یا موٹر لیکن ان سب کا مطلب وہی ایک ہے کہ کسی طرح انتہائی افادہ حاصل کریں بالفاظ دیگر جو سوالات درپیش ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کیا میں یہ چیز زیادہ خریدوں یا وہ؟ صرف کرتے وقت کس سے بیشتر افادہ حاصل ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ لوگوں کو صرف کرتے وقت یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ کون چیز کس قدر استعمال ہونی چاہیے؟

[illegible]

لاؤ اس قسم کی ایک مثال لیکر دیکھیں کہ خرچ کرنے میں معمولی لوگ کیونکر جوڑ توڑ کرتے ہیں فرض کرو کہ کوئی شخص مہینہ بھر کے اخراجات کا حساب پہلے سے بنانا چاہے اور اس کو یہ طے کرنا ہے کہ گھر کے خرچ کے واسطے کتنا گھی خریدنا چاہیے اول تو یہ دیکھنا ہوگا کہ گھی کا نرخ کیا ہے۔ فرض کرو کہ روپے سیر بکتا ہے یوں حساب سے تو فی مہینہ

مارشل (صفحہ ۲۲)

دس سیر گھی گھر میں خرچ ہونا چاہئے لیکن اس کی آمدنی اتنی کہاں کہ صرف گھی پر دس روپے مہینہ صرف کر سکے۔ اور بھی تو ضروری چیزیں ہیں جن کے واسطے روپیہ درکار ہے۔ ہاں فی مہینہ چار سیر گھی وہ ضرور خرید سکتا ہے۔ پس اس کے گھر والوں کو تھوڑا بہت گھی ضرور مل جائیگا گو کم مقدار میں کہ ان کا دل نہ بھرے۔ اب سوال یہ ہے کہ چار سیر کے علاوہ کیا وہ ایک سیر اور بھی خرید سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں اس کا ایک روپیہ خرچ ہوگا۔ اور گھی کے علاوہ اس کو اور بھی بہت سی چیزیں خریدنی ہیں۔ پس وہ ان کے افادوں کا گھی کے پانچویں سیر کے افادے سے مقابلہ کر کے دیکھے گا۔ اگر کئی لوگوں کو جن کی آمدنی مساوی ہو یہ سوال پیش آئے تو یقینی بات ہے کہ ان میں سے ہر ایک اس سوال کا مختلف جواب دیگا۔ بعض خیال کرینگے کہ گھی کا پانچواں سیر خریدنے میں مضائقہ نہیں اور کچھ یہ فیصلہ کرینگے کہ گھی کے بجائے اور چیزوں کا خریدنا زیادہ ضروری ہے۔ فرض کرو کہ جو شخص ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ طے کرتا ہے کہ پانچواں سیر تو خرید لیا جائے مگر چھٹے سیر کی ہرگز گنجائش نہیں۔ پس اس کے خاندان میں ہر مہینے کے حساب سے گھی خرچ ہوگا اور اسی طرح دوسری چیزوں کی بھی مقدار مقرر ہو جائے گی اس طرح ماہانہ خراجات کا حساب بن جائے گا جن میں اس کی کل آمدنی کھپ جاتی ہے۔

لوگوں کو پہلے سے بہت کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر چیزوں کی قیمت میں بہت کمی یا بیشی ہو جائے تو اس حالت میں وہ ان کی کتنی کتنی مقدار خریدیں گے لیکن جب قیمت میں کمی یا زیادتی ہو جاتی ہے تو ان کو یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ اب ان میں سے کون چیز کتنی خریدنی چاہئے۔ ممکن ہے گھی اس قدر گراں ہو جائے کہ کوئی خاندان گھی کھانا ہی چھوڑ دے اور صرف تیل یا کوئی اور چکنائی استعمال کر لیا کرے یا گھی اس قدر ارزاں ہو جائے کہ وہ خاندان کے لئے بہت بہت سا گھی خریدے اور دل بھر کر کھائے لیکن ہر دو انتہائی حالتوں کے درمیان گھی کی قیمت جو کچھ بھی ہو یہ ضرور طے کرنا پڑے گا کہ کس قدر گھی خریدا جائے۔ اگر خریدار ہوشیار اور تجربہ کار شخص ہے تو وہ ایک ایسی جدول بنا سکتا ہے کہ کس قیمت پر کتنا گھی خریدنا مناسب ہوگا فرض کرو کہ اس نے گھی کی خریداری کی جدول حسب ذیل تیار کی :

چھ روپے اور اس سے زیادہ فی سیر کے حساب سے وہ گھی نہ خریدے گا

اسمتھ
فصل ۱۲۲،۱

۴ روپے	سیر کے	حساب سے	وہ	۱ سیر	گھی خریدے گا؛
۲ روپے	"	"	"	۳	"
۱ روپیہ ۴ر	"	"	"	۴	"
۱ روپے	"	"	"	۵	"
۱۲ر	"	"	"	۶	"
۹ر	"	"	"	۸	"
۴ر	"	"	"	۱۰	"

اوپر کی مثال میں جو اعداد درج ہیں وہ محض فرضی ہیں ان سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ قیمت کی کمی بیشی کا خریدتے وقت کسی چیز کی مقدار معین کرنے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ جب کسی چیز کی قیمت کسی شخص کی مالی حیثیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو تو وہ اس چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ یا اگر ہو سکا تو گاہے ماہے وہ چیز کچھ تھوڑی سی خرید لے۔ لیکن اگر قیمت گھٹ جائے تو وہ اس کو زیادہ استعمال کرنے لگتا ہے اور جوں جوں قیمت میں تخفیف ہوگی وہ زیادہ زیادہ مقدار خریدے گا حتیٰ کہ اس کی احتیاج بہ تمام وکمال پوری ہو جائے۔ جب یہ نوبت آگئی تو پھر وہ چیز خواہ کوڑیوں کے مول بکے وہ زیادہ نہ خریدے گا؛

جیسی جدول اوپر درج ہوئی اس کو مانگ یا طلب کی جدول سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں شخص کس نرخ سے کس چیز کی کتنی مقدار خریدنا پسند کرے گا۔ کاروباری محاورہ ہے کہ فلاں شخص کی مانگ فلاں نرخ پر اسقدر ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ فلاں شخص اس نرخ سے اتنی مقدار خرید سکتا ہے۔ طلب کی صحیح جدول تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا کہ قیمت میں کوئی بڑے ردو بدل ہونے کے بعد وہ چیزوں کی کیا کیا مقدار خریدیں گے لیکن اگر طالب علم ان چیزوں کی طلب کی جدولیں خود تیار کریں جو ان کے خاندان میں کام آتی ہیں تو جو اصطلاحیں بیان ہوئیں ان کے معنی خوب صاف ہو جائیں گے۔ ایسی جدول تیار کرنے کا یہ طریق ہے کہ موجود قیمت لے اور اس کے مقابل درج کرے کہ اس نرخ سے اتنی مقدار خریدی جائے گی

باب سوم
فصل (۲۲)

دراں حالیکہ نہ آمدنی میں کوئی کمی بیشی ہوئی ہو اور نہ دوسری چیزوں کے نرخ میں کوئی فرق آئے ہو نرخ بڑھتے بڑھتے ایسی نوبت آنے گی کہ چیز کی خریداری سے بالکل دست بردار ہونا پڑے گا اور نرخ گھٹتے گھٹتے بھی ایک ایسی حد آ جائے گی کہ احتیاج تمام و کمال پوری ہو جائے گی اور مزید خریداری کی خواہش نہ رہیگی۔ دونوں حالتیں طلب کی جدول کی انتہائی حدود ہوں گی اور ان کے بین بین مختلف قیمتوں کے مقابل وہ مقداریں درج ہوں گی جو ان نرخوں سے خریدی جا سکیں؛

۱۰۴
ص ۱۴۳

فصل ۲۳ تیئیس

افراد کی مانگ یا طلب میں تبدیلیاں

گذشتہ فصل میں ہم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ صرف کو یعنی اس شخص کو جو صرف کرنے کی غرض سے کوئی چیز حاصل کرے ، ہر مدت یا ہر یک وقت میں ایک ہی چیز کا حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اور نیز یہ کہ اس کی آمدنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ لیکن درحقیقت زندگی کی حالت اتنی سادہ نہیں ہو سکتی۔ پہلی پیچیدگی تو یہی ہے کہ ایک چیز کی قیمت نہیں بلکہ تقریباً کل چیزوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ خریدار کو ان سب تبدیلیوں کو ایک ہی وقت میں لحاظ رکھ کے مقدار معین کرنی پڑتی ہے کچھ چیزیں سستی ہوتی رہتی ہیں، تو کچھ مہنگی۔ خریداری میں ارزاں چیزوں کی مقدار بڑھتی اور گراں گھٹتی ہے۔ لیکن اس تمام ردوبدل میں غرض وہی مدنظر رہتی ہے کہ جو روپیہ خرچ ہو اس کے بدلے میں زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل ہو معاشی یہ فرض نہیں کرتے کہ انتہائی افادہ حاصل کرنے کی کوشش میں ہر کوئی کامیاب ہو جاتا ہے بہت سے لوگ غلطیاں بھی کرتے ہیں اور ان کو انتہائی افادہ نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن جو قابل توجہ بات ہے وہ یہ کہ کوشش ہر کوئی یہی کرتا ہے کہ انتہائی افادہ ہاتھ لگے اور ہر شخص کا معیار افادہ مختلف ہے اور اسی کے مطابق وہ صرف کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے خیالات اور معیارات کا اس کے مصارف پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس وقت تو ہم دولت کے صرف کے واقعات سے بحث کر رہے ہیں یہ بتانا مدنظر نہیں کہ لوگ دولت کیونکر صرف کریں اور کیونکر نہ کریں۔

تبدیلی آمدنی اور استعمال صرف پر اثر

جب کسی شخص کی آمدنی میں کمی بیشی ہو جائے تو جدول مرتب کرنا اور بھی دشوار

ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو اپنے معمولی طرز زندگی میں بھی ردوبدل کرنی پڑتی ہے۔ مارسوم
اور اس کے تمدن پر سوسائٹی، رسم و رواج کا اثر بھی کم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کی فصل ۲۲۱
آمدنی گھٹ کر صرف نصف رہ جانے تو اس کی طرز زندگی سرتا سر بدل جائے گی۔
زیادہ چھوٹے مکان میں رہنا پڑے گا۔ کچھ نوکر چاکر علیحدہ کرنے پڑیں گے موٹے اور سستے
کپڑے پر قناعت کرنی پڑے گی۔ سواری چھوڑ پیدل چلنا پڑے گا اسی طرح اور بہت سی
چیزیں جو اس کے مصارف میں داخل تھیں ترک ہو جائیں گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ
اس کی آمدنی میں یہ کمی اس طرح نصف ہو جانے سے کسی ایک چیز کی طلب کی
جدول پر کیا اثر پڑتا ہے۔ گذشتہ فصل میں جو مثال بیان ہوئی ہے اگر وہی پیش نظر
رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دس روپیہ کے حساب سے اب وہ گھی بمقابلہ سابق کم لے گا
شاید پانچ روپیہ کے نرخ پر بھی وہ نہ خریدے۔ ضرورت تو اسے ابھی اسی قدر یعنی
گھی کی موجود ہے لیکن اب آمدنی گھٹنے پر اس کے پاس اتنا روپیہ کہاں کہ پہلے کی طرح
پانچ روپے کا گھی خریدے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ بمقابلہ سابق کم تر نرخ ہونے پر اس کا
گھی خریدنا ترک ہو جائے گا۔ اور آمدنی زیادہ ہونے کی حالت میں جس نرخ سے
اتنا گھی خریدا جا سکتا تھا کہ پوری ضرورت باقی نہ رہتی۔ اس نرخ سے اب اتنا خریدا نہیں
نہیں بلکہ کم خریدا جا سکے گا۔ مختصر یہ کہ جدول کی شکل تو وہی رہے گی البتہ طلب
کی مقداریں گھٹ جائیں گی یعنی بقیہ سابق قیمتوں پر اب کم مقداریں خریدی جائیں گی
جدول تخمیناً حسب ذیل ہو جائے گی:

قیمت فی سیر	طلب سابق	طلب حال
چھ روپے	کچھ نہیں	کچھ نہیں
چار روپے	۱ سیر	کچھ نہیں
دو روپے	۳ سیر	۱ سیر
ایک روپیہ چار آنہ	۴ سیر	۱½ سیر
ایک روپیہ	۵ سیر	۲ سیر
بارہ آنے	۶ سیر	۲½ سیر
آٹھ آنے	۸ سیر	۳½ سیر

طلب سوم	چار آنے	۱۰ سیر	۶ سیر
ضمن ۱۴۳)	دو آنے	۱۰ سیر	۱۰ سیر

اور چیزیں جو اس شخص کے استعمال میں آتی ہیں آمدنی گھٹنے پر ان کی مانگ کی جدول بھی کچھ اسی طرح ضرور بدل جاوے گی اور تخفیف شدہ آمدنی ان تبدیلیوں کے بعد اس طور سے صرف ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل ہو سکے۔ اور اگر آمدنی میں کوئی معقول اضافہ ہو جاوے تو جدول طلب میں اس کے برعکس تبدیلیاں نمودار ہوں گی۔ یعنی ہر چیز کو بیشتر قیمت پر بھی وہ دل بھر کر خرید سکے گا اور جن قیمتوں پر وہ کم آمدنی کی حالت میں چیزیں خریدنا ترک کر دیتا اب وہ زیادہ قیمت کی پرواہ نہ کرکے خریداری جاری رکھے گا اور ان انتہائی حدود کے درمیان ہر قیمت پر بمقابل سابق وہ زیادہ مقدار خرید سکے گا گویا آمدنی بڑھنے پر اس کی مانگ کی جدول میں سرتاپا اضافہ ہو جاوے گا۔

جب یکایک آمدنی میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہوتی ہے تو لوگ بالعموم طرز زندگی بھی بدل دیتے ہیں۔ لیکن کچھ دنوں تک نئی حالت میں ایسی عادات معدودے چند رہتی ہیں جن کی بنا پر کوئی اپنے اخراجات مرتب کر سکے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے جدید ہمسروں کی تقلید شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ کچھ عرصے میں نئی طرز زندگی کا وہ پورا پورا عادی ہو جاتا ہے۔ جب سابق اسکے سب جدید اخراجات داخل معمول ہو جاتے ہیں اور اب اسکو صرف یہ سوچنا باقی رہ جاتا ہے کہ کس چیز کی کتنی مقدار استعمال میں آنی چاہیے۔ گویا اس کی وہی حالت ہو جاتی ہے جو تبدیلی سے قبل تھی۔ اتنا فرق البتہ آجاتا ہے کہ اگر آمدنی بڑھی تو جدول میں بھی اضافہ ہوگیا اور اگر گھٹی تو تخفیف۔ جب کہ آمدنی میں تبدیلی بتدریج ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک وکیل ہے کہ رفتہ رفتہ اس کا کام بڑھ رہا ہے یا کوئی سرکاری ملازم ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے، تو مانگ کی جدول میں بھی تبدیلی بہت آہستہ آہستہ پیدا ہوگی۔ گو طرز زندگی جلد نہیں بدلتا لیکن آخر کار نتیجہ وہی ہوتا ہے یعنی رفتہ رفتہ بھی کچھ عرصے میں اچھی خاصی تبدیلی ہو جاتی ہے؛

اب تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ آمدنی میں تبدیلی ہونے سے مانگ کی جدول میں بھی کیونکر ردوبدل ہوتا چاہیے۔ اور یہ کہ جدول کی عام حالت میں کوئی فرق نہیں پڑتا بہر صورت دو حدیں ہوتی ہیں۔ ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ ان حدود کے درمیان قیمت

باب سوم
فصل (۲۳)
احتیاج اور طلب کا تعلق

بڑھنے سے چیز کی مانگ گھٹتی ہے اور قیمت کی تخفیف سے طلب میں اضافہ ہوتا ہے
اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے احتیاجات اور طلب کا باہمی تعلق بخوبی واضح
ہوگیا ہوگا احتیاج کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ آدمی کو محسوس
ہوتی ہے۔ لیکن طلب کا خاصہ یہ ہے کہ قیمت کے برعکس گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یعنی بحالت گرانی
جنس کم فروخت ہوتی ہے اور بحالت ارزانی زیادہ۔ مثلاً قلی کو اپنے کھانے کے
واسطے گھی کی احتیاج ہے لیکن گھی بیچنے والے کو قلی کی طلب سے کوئی دلچسپی نہیں
وجہ یہ ہے کہ جب تک مروجہ قیمت میں بہت زیادہ تخفیف نہ ہو قلی گھی خرید نہیں سکتا پس وہ
بنرخ موجودہ گھی کا خریدار نہیں ہے۔ لیکن اگر گھی درحقیقت اتنا ارزاں ہو جاوے کہ
غریب قلی بھی خریدنے لگے تو بیشک اس کی طلب باثر ہو جاوے گی اور گھی بیچنے والے
اس کی طرف متوجہ ہوں گے اس کے برعکس اگر گھی بہت گراں ہو جائے تو قیمت بہت
سے خریداروں کی جدول طلب کی اعلیٰ حد سے بھی اوپر چڑھ جاوے گی پس وہ لوگ
گھی خریدنا چھوڑ دیں گے اور ان کی طلب گویا بے اثر ہو جاوے گی۔ ایک انتہائی
مثال یہ ہے کہ گھی سونے کے بھاؤ بکنے لگے تو اس گرانی میں صرف چند خریدار ہندوستان
میں باقی رہ جاویں گے عوام کی تو کیا شامت ہے کہ گھی خریدنے کا خیال بھی دل میں لائیں
البتہ اگر کوئی خریدے گا تو شہر میں دو ایک امیر اور وہ بھی خاص خاص مواقع کے واسطے
تھوڑا تھوڑا خرید لیں گے جیسے کہ مشک وغیرہ خریدتے ہیں۔ عوام کو گھی کی احتیاج تو
بحالت گرانی بھی اسی قدر محسوس ہوگی جس قدر کہ پہلے ہوتی تھی۔ لیکن جدید نرخ سے
وہ خرید نہ سکیں گے گویا ان کی طلب محض بے اثر ہوگی؛

فصل چوبیس ۲۴

قوم کی مانگ یا طلب

ابتک ہم نے افراد کی احتیاجات اور طلب سے بحث کی اور اول ان کی ماہیت سمجھنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ خود قوم افراد کا مجموعہ ہے اور قوم کی طلب سے ان تمام افراد کی طلب کا مجموعہ مراد ہے جو اس قوم میں شامل ہوں لیکن بحیثیت مجموعی قوم کی طلب بھی قابل مطالعہ ہے۔ کیونکہ معاشیات میں اقوام کے حالات سے بحث کیجاتی ہے نہ کہ افراد کے حالات سے ؛

اگر کسی قوم کے سب افراد کی آمدنی قریب قریب مساوی ہو۔ اور وہ سب ایک ہی طرز پر زندگی بسر کرتے ہوں تو کسی فرد واحد کی جدول طلب بنا کر اس میں جو مقداریں درج ہوں ان کو کل افراد قوم کی تعداد کے حساب سے بڑھا دیا جائے تو اس طرح پر گویا کل قوم کی مانگ کی جدول مرتب ہو جائے گی مثلاً اگر ہمکو معلوم ہو کہ معمولاً ایک طالبعلم ۲ روپے سیر کے نرخ سے ۲ سیر گھی خریدتا ہے اور کالج میں ہزار طالب علم پڑھتے ہیں جو کہ ایک ہی طرح پر رہتے سہتے ہیں اور جن کے اخراجات بھی تقریباً برابر برابر ہیں تو اس کل جماعت کی مقدار طلب ۲ روپے سیر کے حساب سے دو ہزار سیر گھی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ان ایک ہزار طلبہ میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو دو سیر سے کم گھی استعمال کریں لیکن ساتھ ہی بعض طلبا دو سیر سے زیادہ بھی استعمال کرتے ہونگے اور اس طرح پر کمی بیشی مل کر برابر ہو جاتی ہے۔ اور سب طلبا مجموعی طور پر دو ہزار سیر گھی استعمال میں لاتے ہوں گے۔ گویا انفرادی اختلافات کے باوجود اوسط وہی دو سیر فی طالب علم رہتا ہے۔ اگر قیمت ۲ روپے سیر کے بجائے کچھ اور ہو تب بھی اسی طرح مانگ کی جدول بن سکتی ہے پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی قوم بہت کچھ یکساں ہو نیز اسکے

باب سوم فصل (۱۴)

افراد کی آمدنی برابر اور اخراجات ایک ہی قسم کے ہوں ضروریات زندگی بھی یکساں ہوں تو کسی ایک فرد کی جدول طلب سے کل قوم کی جدول پیش نظر ہو جاتی ہے صرف افراد قوم کی تعداد کے مطابق مقداروں میں اضافہ کرنا پڑتا ہے جیسے کہ اوپر طالب علموں کی مثال سے واضح ہو چکا ہے:

قوم کے مختلف طبقوں کی طلب

لیکن جب قوم میں یکرنگی نہ ہو تو البتہ کل قوم کی جدول طلب بنانے میں کسی ایک فرد کی جدول سے کام نہیں چلے گا بلکہ کچھ ترمیمات بھی ضروری ہوں گی ایسی جدول بنانے کا طریق یہ ہے کہ اول اُن کل جماعتوں کی جدولیں تیار کی جائیں جن سے کہ قوم مرکب ہے اور پھر اُن تمام جدولوں کو ملا دیا جائے تاکہ قوم کی جدول مرتب ہو جائے۔ مثلاً ہم ہندوستان کے کسی شہر کی جدول طلب بنائیں تو کیا کرنا چاہیئے؟ اول آمدنی کے حساب سے خاندانوں کے گروہ بنائیں۔ مثلاً جن خاندانوں کی ماہوار آمدنی ۰ روپے سے آٹھ تک ہو ان کا ایک گروہ دس سے پندرہ تک دوسرا گروہ بیس سے تیس تک تیسرا گروہ اور علیٰ ہذا حتیٰ کہ تمام خاندان چند گروہ میں ترتیب پا جائیں پھر ہر گروہ میں سے ایک ایک خاندان کی مانگ کی جدول بنا کر خاندانوں کی تعداد کے حساب سے ان کی مقداروں میں اضافہ کریں گویا ہر گروہ کی جدول طلب بن گئی۔ اب ان تمام جدولوں کو یوں ملا دیں کہ کل شہر کی آبادی کی مانگ کی جدول بن جاوے۔ درحقیقت ان جدولوں کی تیاری اس قدر سہل نہیں جیسی کہ اس بیان سے معلوم ہوتی ہے جدولوں کے بنانے میں علم الاعداد کی بہت ضرورت ہے۔ اور اس علم سے مدد لینے میں قوت تمیز اور قوت فیصلہ سے بہت کام لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ علم الاعداد کا مطالعہ کرتے وقت طلبا کو اس اجمال کی تفصیل خود معلوم ہو جاویگی لیکن جو خاص بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ گو کسی شہر کی کل آبادی کی مانگ کی جدول بہت طول طویل ہوگی لیکن ہوگی اسی وضع قطع کی جیسی کہ کسی فرد واحد کی ہوتی ہے۔ ہر ایک چیز کی قیمت میں ایک ایسی حد ہوگی کہ اگر قیمت اس سے آگے بڑھے تو شہر میں کوئی شخص بھی اس کو نہ خریدے البتہ یہ ظاہر ہے کہ اگر شہر میں بڑے بڑے دولتمند آباد ہوئے تو یہ حد بہت دور واقع ہوگی۔ یعنی قیمت بہت زیادہ بڑھنے پر خریداری ترک ہوگی لیکن ایک ایسی حد کبھی نہ کبھی اضافۂ قیمت میں حائل ضرور ہوگی۔ اسی طرح ایک دوسری حد وہ ہوگی کہ جب قیمت یہاں تک گھٹ جائے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اس چیز کو دل بھر کر خرید سکے

باب سوم
فصل (۲۴)

لیکن بہت ہی گھٹنے پر قیمت کہیں اس حد تک پہنچے گی اور ان دونوں حدود کے درمیان وہی واقع ہوگا جو ہم نے بیان کیا یعنی قیمت گھٹنے سے طلب بڑھے گی اور قیمت بڑھنے سے طلب گھٹیگی:

قانون طلب

کسی چیز کی قیمت بڑھنے سے طلب گھٹتی اور قیمت گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے اس خاصہ کی ہر قوم میں ہر چیز کی خرید و فروخت سے تصدیق ہوتی ہے اور یہی واقعہ قانون طلب سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے اس قانون کو اس طرح پر بیان کیا ہے کہ جس سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ قیمت اور طلب کی معکوس تبدیلیوں میں کوئی مقررہ نسبت ہے مثلاً اگر قیمت دوگنی ہو جائے تو طلب گھٹ کر نصف رہ جائے وعلیٰ ہذا لیکن درحقیقت کوئی ایسی نسبت مقرر کرنا محال ہے ہماری معلومات اس قدر وسیع اور جامع نہیں کہ ہم کسی چیز کی بابتہ بھی یہ طے کر سکیں کہ اس کی قیمت اور طلب میں فلاں نسبت سے معکوس تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں ہندوستان کے معاشیین کو البتہ اس طرف توجہ کرنا مناسب ہے کیونکہ بمقابل دوسرے ملکوں کے یہاں اندراجات سے اس قسم کے معلومات بہت زیادہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً شہر اور قصبوں کے چنگی کے نقشہ جات ایسی تحقیقات میں بہت کارآمد ثابت ہونگے بہر حال مطالعہ اور تحقیقات کرتے کرتے ممکن ہے کہ خاص خاص چیزوں کی بابت یہ دریافت ہو جائے کہ ان کی قیمت اور طلب میں فلاں نسبت سے ایک دوسرے کے برعکس تبدیلیاں ہوتی ہیں اور اس قسم کی معلومات بلاشک علم معاشیات میں نہایت بیش قدر اضافہ شمار ہوگی لیکن سردست تو قانون طلب سے بس یہی واقعہ مراد ہے کہ قیمت بڑھنے سے طلب میں تخفیف ہوتی اور قیمت گھٹنے سے طلب میں اضافہ لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان معکوس اضافوں اور تخفیفوں میں کیا نسبت ہوتی ہے:

مستثنیات

دیگر معاشی قوانین کی طرح قانون طلب میں بھی مستثنیات ضرور داخل ہیں۔ لیکن کم اور غیر اہم۔ اول تو وہ چیزیں مستثنےٰ ہیں جن میں ندرت کے سوا اور کوئی افادہ نہیں۔ لوگ ہیرے کی قیمت، سوجہ سے زیادہ لگاتے ہیں کہ وہ کمیاب ہے۔ اور اسکی ملکیت باعث امتیاز خیال کی جاتی ہے لیکن اگر ہیرے بھی شیشے کی طرح ارزاں ہو جاویں تو غالباً بہت کم لوگ ان کو خریدنے کی پروا کریں گے گویا ہیرے کی بابتہ یہ قول صحیح

نہ ہوگا کہ قیمت بہت زیادہ گھٹنے سے طلب بہت بڑھ جاتی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ہیرے سیر یا من کے حساب سے ارزاں فروخت ہوں تو وہ کسی اور کام میں آنے لگیں اور جب محض ندرت کے بجائے ہیروں کا کوئی جدید مصرف نکل آئے تو وہ بکثرت فروخت ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قیمت کے ساتھ ساتھ طلب میں بھی اضافہ ہو مثلاً قحط کے زمانے میں غلوں کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ جو معمولاً گیہوں کھاتے ہیں بوجہ گرانی اس کو نہیں خرید سکتے اور مجبوراً جو اور جوار پر قناعت کرنے لگتے ہیں۔ گویا ان غلوں کی طلب بہت بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ بہ نسبت سابق وہ بھی بہت گراں فروخت ہوتے ہیں طلبا کو خود سوچنا چاہیے کہ اس قانون طلب میں کیا کیا مستثنیات داخل ہو سکتے ہیں۔ گو بہت سے مستثنیات نہیں۔ تاہم اس غور و فکر میں یہ فائدہ کیا کم ہے کہ صاف اندازہ ہو جاوے گا کہ معمولی کاروبار میں اس قانون پر کہاں تک عمل ہوتا ہے

آخر الذکر استثنا کے سلسلے میں ایک نکتہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ طلب کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حقیقی حالات کے مطابق ہو جائے ایسا بہت کم واقع ہوتا ہے کہ کوئی احتیاج صرف ایک خاص چیز ہی سے پوری ہو سکے۔ بلکہ بالعموم ایک ایک احتیاج کئی کئی چیزوں سے پوری ہو سکتی ہے۔ اور استعمال میں ایک چیز کو جو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے اس کا باعث کچھ تو ارزانی اور کچھ عادت و رواج ہوتا ہے۔ مثلاً جیسا کہ بیان ہوا غذا کی احتیاج گیہوں کی طرح جو اور جوار سے بھی پوری ہو سکتی ہے اسی طرح متعدد نباتاتی تیلوں سے گھی کا کام نکل سکتا ہے۔ لیکن بعض بعض طبقوں کے لوگ گیہوں اور گھی کھانے کے عادی ہیں اور جہاں تک ہوتا ہے انھیں کو استعمال میں لاتے ہیں۔ لیکن جب قیمت بہت چڑھ جاتی ہے تو وہ سستے سستے بدل خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ شراب پینے کے عادی ہیں اس سے ان کو تفریح ہوتی ہے۔ لیکن جب شراب بہت گراں اور کمیاب ہو جاتی ہے تو وہ اور دیگر مسکرات جو ارزاں ہوں استعمال کرنے لگتے ہیں مثلاً افیون۔ بھنگ یا چاء اور قہوہ اس اصول کا اثر جدول طلب میں چیزوں کی مقدار پر پڑتا ہے مگر جدول کی عام حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا مختلف قوموں میں اس اصول کی عملی اہمیت مختلف ہے۔ جہاں رسم و رواج کا اثر بہت قوی ہے وہاں لوگ جہاں تک بن پڑے اس چیز کو استعمال کرتے ہیں جس کے وہ مدت سے عادی ہیں لیکن بعض قومیں بلا لحاظ ندرت

باب سوم صفحہ ۱۲۴

بدلنے میں بہت مستعد ہیں بلکہ اُن کو فکر لگی رہتی ہے کہ احتیاجات نئی نئی چیزوں سے پوری کریں۔ پس کسی چیز کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئیے۔ کہ وہ کیا کیا چیزیں ہیں اس کی بدل ہو سکتی ہیں اور کس قوم کے صرف میں وہ چیز آتی ہے۔ وہ کس رفتار سے اپنی رسم و رواج تبدیل کرتی ہے۔ عملی شعبوں میں یہ پہلو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے طلبا کو معلوم ہوگا کہ کچھ پرجوش مصلح مے نوشی روکنا چاہتے ہیں ان میں بعض کا خیال ہے کہ اگر شراب نوشی بند ہو جاوے تو گویا مطلب حاصل ہو جائے گا چنانچہ وہ گورنمنٹ سے استدعا کرتے رہتے ہیں کہ شراب سازی نہ رہنے دی جاوے لیکن ہندوستان اور دیگر ممالک میں تجربے سے معلوم ہو گیا ہے [illegible] ختم نہ ہوگی۔ [illegible] کی عادت: چھٹے تو شراب [illegible] معرض [illegible] لوگوں سے کوئی چیز بطور [illegible]۔ شراب یا تمباکو وغیرہ تو اکثر [illegible] ترغیب دیگر آمادہ کرنا چاہئیے۔ [illegible] چیزوں کو صرف [illegible]۔ [illegible] ہی کو ترک کر دیں یا اس کو کسی ایسی چیز سے پورا کریں کہ وہ ناجائز نہ سمجھی جاوے۔ مسکرات کی عادت تو بیشتر رسم و رواج سے پڑتی ہے۔ اگر [illegible] رواج بدل [illegible] تو یا تو یہ عادت چھوٹ جائے گی یا کم [illegible]۔ [illegible] سگریٹ [illegible] کی اصلاح نہایت اہم ہے۔ لیکن اس پر مناقشہ بحث کرنے کے واسطے ضرور ہے کہ معاشیات اور نیز چند دیگر علوم سے کافی واقفیت ہو جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں پر اس اصول کا ذکر محض [illegible] کے سلسلہ میں آگیا کہ طلب اور صرف کی بحث میں کس قسم کی باتیں قابل غور ہیں [illegible]

قانون طلب کی عمومیت

[illegible] سمجھاتے وقت کہ افراد کی ضروریات کیونکر ایک جدول کی شکل میں مرتب ہو سکتی ہیں ہم نے صرف اس قسم کی چیزیں شامل کی تھیں جو ہمیشہ اور معمولاً تھوڑی تھوڑی مقدار میں خریدی جاتی ہیں۔ افراد کے متعلق ایسی چیزوں کی جدولیں نہیں بن سکتیں کہ جو صرف گاہے گاہے خریدی جائیں اور جو بہت دیر پا ہوں مثلاً کسی ایک طالب علم کے واسطے جوتوں، اچکنوں، گھڑیوں یا سائیکلوں کی مانگ کی جدول کیونکر بنائی جا سکتی ہے لیکن قوموں یا بڑی بڑی جماعتوں کے متعلق ایسی چیزوں کی مانگ کی جدولیں بن سکتی [illegible]

باب سوم
فصل ۱۲۱

رہتے ہیں بعض مذبذب ہوتے ہیں کہ خریدیں یا نہ خریدیں اب اگر قیمت گھٹی تو طلب میں اضافہ ہوا اور زیادہ گھٹنے پر بہت کچھ خریداری بڑھ گئی اسی طرح گر قیمت چڑھ جائے تو خریداری کم ہو جاوے گی بعض طالب علم اپنے پرانے جوتے زیادہ مدت تک چلائینگے اور بعض نے خریدنے ملتوی کر دیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اس قدر تفصیل اور صحیح صحیح معلومات حاصل ہو کہ مکمل جدول بن جاوے لیکن جدول طلب گو نامکمل ہی سہی اس کی شکل ویسی ہی ہوگی جیسی کہ گھی کی جدول طلب کی جو اوپر درج ہو چکی ہے۔ اور قانون طلب بھی دونوں پر یکساں صادق آئے گا۔ اب اگر کسی قصبے کی آبادی دس ہزار ہو۔ تو وہاں روزمرہ بہت کم بائیسکلیں فروخت ہوں گی ان کی تعداد اس قدر کم ہوگی کہ قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا ان کی خریداری پر کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکے گا۔ پس یہ بتانا اس طرح ممکن ہوگا کہ فلاں نرخ سے اس قدر بائیسکلیں فروخت ہو سکتی ہیں لیکن جس شہر میں چند لاکھ کی آبادی ہو وہاں اس قدر بائیسکلیں فروخت ہوتی ممکن ہیں کہ قیمت کی کمی بیشی کا خریداری پر اسطرح اثر نمایاں ہو جس طرح کہ قیمت کا اثر گھی پر دکھایا جا چکا ہے حاصل کلام یہ کہ قانون طلب معدودے چند چیزوں کے سوا تمام کی خرید و فروخت پر صادق آتا ہے اور خریداروں کی جماعت جس قدر کثیر ہوگی۔ اسی قدر تبدیلی قیمت کے ساتھ مانگ میں معکوس تبدیلی زیادہ نمودار ہوگی ؛

باب چہارم

طلب و رسد

فصل پچیس ۲۵

ابتدائی بیان

رسد طلب کا توازن

یہ تو بیان ہو چکا کہ دولت کس کس طرح پیدا ہوتی اور صرف میں آتی ہے۔ اس باب میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دولت کی پیداوار اور صرف میں کیونکر توازن قائم رہتا ہے کہ جتنی مقدار مطلوب ہو مہیا ہو جائے اس حالت کو اصطلاحاً **توازن طلب و رسد** کہتے ہیں۔ طلب سے نہ صرف کسی چیز کی مانگ بلکہ اس کی وہ مقدار بھی مراد ہوتی ہے جو مطلوب ہو اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا وہ قیمت کے ساتھ ساتھ مگر اس کے برعکس تبدیل ہوتی رہتی ہے علیٰ ہذا رسد سے ایک تو کسی چیز کی بہم رسانی مراد ہوتی ہے۔ دوم وہ مقدار بھی جو بہم پہنچائی جائے اور آگے چل کر واضح ہوگا کہ یہ مقدار بھی قیمت کے اثر سے گھٹتی بڑھتی ہے جو مقدار بغرض فروخت پیش کی جائے اس کا دارومدار بالآخر مقدار پیداوار پر ہے۔ پس پیدائش اور رسد میں بہت قریبی تعلق ہے اور یہ دونوں اصطلاحیں فروشندہ سے منسوب ہیں۔ اسی طرح طلب و صرف میں بھی باہمی تعلق ہے اور یہ دونوں خریدار سے منسوب خیال کی جاتی ہیں۔ توازن کے معنی ترازو کے دونوں پلڑے ہموزن ہونے کے ہیں۔ یہاں پر اس سے مراد طلب اور رسد کا مساوی ہونا ہے جو عملی سوال درپیش ہے وہ یہ کہ گیہوں، گھی، روئی اور کپڑے وغیرہ کی کوئی مقدار یا گھڑیوں، بائیسکلوں اور جوتوں

وغیرہ کی کوئی تعداد جو کسی قیمت پر فروخت ہوتی ہے تو یہ واقعہ کیونکر ظہور پذیر ہوتا ہے یعنے کس طرح چیزوں کی مقدار یا تعداد قرار پاتی ہے اور کیونکر ان کی قیمت مقرر ہوتی ہے۔ اس سوال کا جواب گویا معاشیات کا مرکزی مسئلہ ہے۔

باب پنجم
سبق ۲۵

طلباء کو ایسا معلوم ہوگا کہ دو مسائل طلب ہیں۔ ایک تو چیزوں کی مقدار یا تعداد کا مسئلہ اور دوسرے ان کی قیمت کا۔ اور بڑی دقت یہ ہے کہ ان ہر دو مسائل سے جدا جدا بحث نہیں کی جا سکتی نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسد و طلب کے مطابق قیمت مقرر ہوتی ہے اور نہ یہ کہ قیمت کے اثر سے رسد و طلب قرار پاتی ہے۔ آگے چلکر یہ صاف ظاہر ہوگا کہ یہ تینوں چیزیں یعنی رسد، طلب اور قیمت آپس میں ایک دوسرے پر اس طرح منحصر ہیں کہ کسی کا کسی پر تقدم تاخر قرار دینا محال ہے۔ کسی ایک کے تبدیل ہونے سے باقی دو میں تبدیلی ہونی لازم ہے قیمت اترنے سے اکثر رسد گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ رسد میں اضافہ ہونے سے قیمت تو گھٹتی ہے۔ مگر طلب بڑھ جاتی ہے۔ طلب بڑھنے سے قیمت بڑھتی ہے اور رسد میں بھی اضافہ ہوتا ہے پس ہم مجبور ہیں کہ ہر دو مسائل سے ایک ساتھ بحث کریں۔ اور جب ان میں سے کسی ایک کی تبدیلی ہمارے پیش نظر ہو تو ہم کو خیال رکھنا چاہئے کہ باقی دو میں بھی تبدیلی پیدا ہوگی۔ گویا تینوں میں تبدیلی ساتھ ساتھ پیدا ہوگی اور کسی ایک کی تبدیلی باقی دو تبدیلیوں کا باعث بھی ہو سکتی ہے اور نتیجہ بھی۔

ابتدائی دور میں تبادل

پیدائش کے ابتدائی دور کی بابت تو اس سوال کا جواب دینا کچھ دشوار نہیں۔ ایک سب سے سادہ مثال لو کہ لوگ جنگلوں میں رہتے اور درختوں کے پھل توڑ توڑ کر پیٹ پالتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو سخت بھوک لگے تو وہ جنگل میں پھل توڑ توڑ کر کھاتا پھریگا لیکن کھاتے کھاتے اس کی بھوک کم ہونے لگے گی۔ اور ساتھ ہی ادھر ادھر گھومنے اور پھل توڑنے سے وہ تھک بھی جائیگا۔ اگر کسی ایک ہی درخت پر حسب دلخواہ کافی پھل مل گئے تب تو اس کو پیٹ بھرنے کی کوئی تکان نہ ہوگی۔ لیکن اگر پھلوں پر دسترس دشوار ہو اور درخت بھی دور دور ہوں تو ممکن ہے کہ پیٹ بھرنے سے پہلے ہی وہ تھک جائے۔ اب اس کو یہ طے کرنا ہے کہ آیا تکان کی تکلیف برداشت کرنی چاہئے یا بھوک کی جوں جوں وہ کھاتا ہے بھوک گھٹتی ہے یعنی پھل کے افادہ میں تخفیف ہوتی ہے اور جوں جوں

باب چہارم
عمل ۱۵

وہ پھل توڑتا ہے اس کی تکان بڑھتی ہے یا اگر ہم تکان کو احتیاج راحت سے تعبیر کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کھانے کا افادہ کم ہوتا ہے اور راحت کا افادہ بڑھتا ہے بالآخر راحت کی احتیاج غالب آجائیگی اور وہ پڑ کر سو رہے گا۔ اس مثال میں ایک شخص کھانے اور راحت کے افادہ کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرتا ہے۔ جب وہ بہت بھوکا ہوتا ہے یعنی جب کہ کھانے کا افادہ بہت زیادہ ہوتا ہے تو راحت کا افادہ مقابلتہً ناقابل لحاظ نظر آتا ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے۔ اس کے برعکس تبدیلی بڑھتی ہے حتیٰ کہ کھانیکا افادہ گھٹ کر اور راحت کا بڑھ کر ایک دوسرے کے مساوی ہوجاتا ہے اور اس کے بعد راحت کا افادہ کھانے کے افادہ سے بھی بڑھ جاتا ہے اور وہ شخص کھانا چھوڑ کر آرام کرنے لگتا ہے:

پس پیدائش کے ابتدائی دور میں جب کہ لوگ محض اپنے صرف کے واسطے چیزیں مہیا کرتے ہیں اور ان کو خریدنے کا خیال ہوتا ہے نہ فروخت کرنے کا تو وہ چیزوں کے افادہ کا چیزیں پیدا کرنے کی تکلیف اور مشقت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کہ زرخیز زمین کی افراط ہو اور عمدہ مویشی بھی موجود ہوں تو کاشتکار اپنے خاندان بھر کے لئے کافی چیزیں پیدا کرسکتا ہے اور اس کو زیادہ مشقت بھی اٹھانی نہیں پڑتی۔ لیکن اگر اس کی زمین بہت تھوڑی ہے یا کم زرخیز ہے یا مویشی کمزور ہیں تو شاید وہ چند احتیاجات ہی ترک کردے یا انکو اچھی طرح پورا نہ کرے کیونکہ ان کے پورا کرنے میں اس قدر مشقت اٹھانی پڑیگی کہ ان کا چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔

افادہ پیدا کرنے میں جتنا گوار مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اسکو اگر افادہ کے برعکس اعدام افادہ سے تعبیر کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کاشتکار چیزوں کے افادہ کا ان کے پیدا کرنے کے اعدام افادہ سے مقابلہ کرتا ہے اور اس حد تک چیزیں پیدا کرتا ہے کہ اعدام افادہ جو پیش آئے وہ افادہ کے مساوی ہو جائے:

لیکن جب ہم پیدائش کے اس دور پر نظر ڈالتے ہیں کہ لوگ جو کچھ صرف میں لائیں وہ دوسروں سے خریدیں اور جو کچھ خود پیدا کریں وہ دوسروں کے ہاتھ بیچیں تو رسد طلب کا یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہوجاتا ہے اس حالت میں خریدار چیز کے افادہ کا اس کے پیدا کرنے کے اعدام افادہ سے مقابلہ نہیں کرتا بلکہ جو قیمت وہ ادا کرتا ہے اس کے افادہ سے

مقابلہ کرتا ہے۔ اب فروشندے کی حالت پر غور کرنا چاہئے۔ لیکن یہ بحث چھیڑنے سے قبل لفظ مارکٹ یا بازار کا معاشی مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ کیونکہ آیندہ بار بار یہ لفظ استعمال ہوگا۔ روزمرہ کی بات چیت میں اس لفظ کے دو معنے ہوتے ہیں ایک تو کوئی وسیع عمارت یا احاطہ جیسے کہ مونسپلٹیاں بڑے بڑے شہروں میں بناتی ہیں جہاں صفائی ستھرائی کے چند قواعد کی پابندی کرکے دکاندار طرح طرح کا سامان فروخت کرتے ہیں عرف عام میں انہی مقامات کو مارکٹ کہتے ہیں مثلاً مچھلی مارکٹ ترکاری مارکٹ گوشت مارکٹ لیکن اس قسم کے مارکٹ ہمارے مدنظر نہیں مارکٹ، منڈی یا بازار کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو اکثر اخباروں کے کاروباری کالموں میں درج ہوتا ہے۔ مثلاً گیہوں کا بازار، روئی یا چاولوں کا بازار اور یہی مفہوم ہے کہ جو معاشیات میں مقصود ہوتا ہے معاشیات میں کسی چیز کے مارکٹ یا بازار سے وہ کل خطہ مراد ہے کہ جس کے اندر اندر اس چیز کے فروشندے اور خریدار بلا وقت بات چیت اور معاملات کرتے ہوں۔ یا تو سب فروشندے اور خریدار ایک ہی مقام پر جمع ہوں مثلاً گیہوں کی منڈی یا گروگ، ورنہ اگر سب ڈاک اور تار کے ذریعے سے بات چیت اور خرید فروخت کرلیں تو ان کا ایک جگہ ہونا کچھ ضروری نہیں۔ مثلاً کارخانوں اور کمپنیوں وغیرہ کے حصوں کا بازار تمام شمالی ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے اس کا مرکز تو کلکتہ ہے لیکن لکھنؤ، کانپور، دہلی اور لاہور کے لوگ بھی ڈاک اور تار کے ذریعے سے حصے خرید و فروخت کرتے رہتے ہیں۔ یہی حال کم و بیش گیہوں اور روئی کے بازار کا ہے۔

بازار کی جو حالت ہوتی ہے۔ اس کو سمجھنے کے واسطے اول ہم ایک ایسے بازار کی مثال لیتے ہیں کہ فروشندے اور خریدار ایک جگہ جمع ہوکر خرید و فروخت کریں ایسے بازار ہندوستان کے شہروں اور اکثر قصبوں میں موجود ہیں اور وہاں قریب و جوار کے پیداشدہ غلہ روئی شکر وغیرہ کی تجارت ہوتی ہے۔ بہت سے تاجروں کی برابر بڑی دکانیں لگی ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ بیچتے اور کچھ خریدتے رہتے ہیں۔ ایک ہی تاجر کسی وقت کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرے وقت خریدنے لگتا ہے تاجر خواہ خریدار ہوں یا فروشندے چھوٹے چھوٹے بازاروں میں بھی بہت سے پہلوؤں پر ان کو نظر رکھنی پڑتی ہے فروشندے کو تو خریداروں کی طلب کا تجسس ہوتا ہے کہ وہ کس نرخ سے کتنا مال خرید لے پڑتا ہے

باب پنجم
حصہ ۲۶

اور خریداروں کو فروشندوں کی رسد کی تو وہ نگانی پڑتی ہے کہ وہ کس نرخ سے کتنا مال فروخت کرنے پر راضی ہیں۔ ہر خریدار باقی خریداروں اور ہر فروشندہ باقی فروشندوں کا خیال اور عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سب کو یہی فکر ہوتی ہے کہ آیا تھوڑے روز بعد نرخ چڑھے گا یا اتریگا آیا طلب میں کمی ہوگی یا بیشی۔ اور رسد کے کیا آثار ہیں۔ اس میں تخفیف ہوگی یا اضافہ۔ چھوٹے سے بازار میں بھی کتنی پیچیدگیاں پیش آتی ہیں۔ اور جب کہ مال متعدد بازاروں میں خرید و فروخت ہوا اور بازاروں کا کاروبار مل جاوے تب تو پیچیدگی کا حال کچھ نہ پوچھیے۔ مثلاً جو شخص کانپور میں گیہوں کا بیوپار کرے اس کو نہ صرف کانپور کے بازار سے واقف رہنا چاہیئے بلکہ ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے بازاروں کی حالت سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے۔ جیسے کہ دہلی، امرتسر، کلکتہ، بمبئی اور کراچی کے بازار۔ کاروباری واقفیت کا سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوتا بلکہ ضرورت ہے کہ دوسرے ملکوں کی حالت پر بھی نظر رہے۔ چنانچہ شمالی ہندوستان میں جو بڑے بڑے تاجر ہیں وہ یہ بھی خبر رکھتے ہیں کہ **لندن لورپول نیویارک** اور **شکاگو** کے بازاروں کا کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ وہاں کے تاجروں کا کیا طور و انداز ہے۔ پس بازار کی حالت بتدریج مطالعہ کرنی چاہیئے۔ اول سب سے سہل اور سادہ مثال لی جاوے۔ در بعد ازاں رفتہ رفتہ پیچیدہ اجزا شامل کیئے جاویں حتیٰ کہ ایک حقیقی بازار کی حالت ہمارے پیش نظر ہو جاوے ؛

دو باتیں ایسی ہیں جو تمام بازاروں میں عام ہیں۔ اول تو یہ کہ فروشندے اعلیٰ سے اعلیٰ قیمت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور خریدار ادنیٰ سے ادنیٰ قیمت دینی چاہتے ہیں اگر تین روپے ایک آنے کے نرخ سے بھی گیہوں کا کوئی خریدار مل جائے تو کوئی تاجر تین روپے کے نرخ سے گیہوں فروخت کرنا گوارا نہ کرے گا علیٰ ہذا اگر ایک نکم تین روپے کے نرخ سے بھی کوئی تاجر گیہوں فروخت کرنے پر آمادہ ہو تو کوئی خریدار تین روپے کے نرخ پر راضی نہ ہوگا۔ پس خریدار کو تو یہ جستجو رہتی ہے کہ فروشندے کیا کیا قیمت مانگتے ہیں اور فروشندوں کو یہ تلاش ہوتی ہے کہ خریدار کیا کیا دام لگاتے ہیں۔ دوسری بات جو بازاروں میں عام ہے وہ بھی پہلی بات کا نتیجہ ہے ایک وقت میں ایک ہی نرخ سے ایک چیز ایک بازار میں فروخت ہوتی ہے۔

باب چہارم

اصل ۱۵

البتہ یہ ممکن ہے کہ نرخ ایک ہی دن میں کئی کئی مرتبہ بدلے۔ فروشندہ کو نہ صرف
خریداروں کے نرخوں سے واقف رہنا چاہیئے بلکہ دوسرے فروشندوں کے نرخوں
کی بھی اس کو خبر رکھنی پڑتی ہے۔ کیونکہ جس نرخ پر دوسرے لوگ مال فروخت کرتے
ہیں۔ اس سے زیادہ مانگنا فضول ہے اسی طرح خریدار کو دوسرے خریداروں کے
نرخ کی اطلاع رکھنی ضرور ہے۔ جس نرخ سے لوگ مال خریدتے ہیں اس سے کم
نرخ چاہنا لاحاصل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے بازار میں قیمت کیونکر قرار پاتی ہے

فصل چھبیس ۲۶

بازار میں عارضی توازن

سادہ بازاری مثال

بازار میں رسد وطلب کا مطالعہ کرنا ہو۔ یعنے یہ کہ کسی مقدار کی خرید و فروخت میں قیمت کیونکر قرار پاتی ہے، تو اول ایک سادہ مثال لینی چاہئیے۔ مثلاً گیہوں کا ایک ایسا بازار فرض کرو کہ جو ریل سے بہت دور واقع ہو۔ گیہوں نہ باہر سے وہاں آسکے نہ وہاں سے باہر جاسکے مان لو کہ کاشتکار اپنا مال تاجروں کے ہاتھ گاؤں ہی میں بیچ ڈالتے ہیں خود بازار میں لاکر مال فروخت نہیں کرتے بلکہ بازار کی کل فروخت تاجروں کے ہاتھ میں ہے بازار میں خریدار بھی عوام نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے دکاندار ہیں جو وہاں سے گیہوں خرید کر قصبے میں جابجا اپنی اپنی دکانوں پر لوگوں کے ہاتھ پھٹکل طور پر بیچتے ہیں۔ اس قسم کے بازار ہندوستان میں کبھی بہت عام تھے۔ لیکن جب سے ریل جاری ہوئی اکثر بازاروں پر درآمد و برآمد کا اثر پڑنے لگا ہے۔ ہم یہ بھی فرض کرتے ہیں کہ فروشندوں یا خریداروں میں کوئی جتھا نہیں بلکہ ہر کوئی اپنے اپنے نفع کی خاطر جدا جدا خرید و فروخت کرتا ہے۔ فرض کرو کہ دسمبر کا مہینہ ہے کم وبیش اسی قدر وسیع رقبے پر جتنا کہ معمول ہے گیہوں کی کاشت پھیلی ہوئی ہے۔ فصل کے آثار بھی اچھے ہیں۔ غرضکہ کوئی بات یا حالت خلاف معمول نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بازار کیونکر چلتا ہے۔ بازار کے دن صبح کو تاجر گاڑیوں اور گونوں میں بھر بھر کر اندازاً اس قدر گیہوں بازار میں لاوینگے جسقدر فروخت ہوسکیں۔ وہ جانتے ہیں اور دکانداروں کو بھی خبر ہے کہ گذشتہ موقع پر گیہوں کا بھاؤ تین روپے من رہا تھا۔ اور تجربے سے یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ اس نرخ سے تخمیناً دو ہزار من غلہ نکل جاتا ہے

باب چہارم
فصل ۲۶

اور مستقل قصبے میں ہفتہ بھر کا خرچ ہے۔ ہر فروشندہ اپنے دل کا عندیہ چھپاتا ہے تاہم دوسرے فروشندوں اور نیز خریداروں کو اندازہ ہو جاتا لگ ہی جاتا ہے کہ آیا وہ زیادہ مال فروخت کرنا چاہتا ہے یا کم۔ یہ بھی معلوم ہے کہ فروشندوں کے پاس جو کل ذخیرہ ہے وہ دو ہزار من ہے۔ ہفتہ کے بعد نئی فصل آنے تک کافی ہوگا۔ بلکہ فصل کی تیاری کے وقت کچھ بچ رہیگا۔ بازار کھلنے پر دکاندار تاجروں سے نرخ دریافت کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن اول اول کچھ خرید نہیں کرتے۔ اسی طریقے سے وہ یہ بھی اندازہ کرتے ہیں کہ بازار میں فروخت کے واسطے کتنا مال آیا ہے۔ اور کون فروشندہ مال بیچنے کا زیادہ خواہشمند ہے اور کون خلاف معمول بہت زیادہ یا بہت کم مال لایا ہے۔ فروشندے بھی خبر لگا لیتے ہیں کہ کون کون کتنا مال فروخت کرنے کو لایا ہے اور کون دکاندار خرید کے زیادہ خواہشمند ہیں۔ فرض کرو کہ بازار میں صرف دو ہزار من مال آیا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ اور کوئی بھی خرید یا فروخت کا از حد خواہشمند نہیں۔ حالات کا پتہ چلانے اور سودا چکانے میں کچھ وقت صرف ہولیگا تو فریقین کو خیال ہوگا کہ اب نرخ میں ان کے مفید مطلب تبدیلی ہونے کی کوئی امید نہیں۔ پس خریداری شروع ہوگی اور سہ پہر تک کل مال ٹھکانے لگ جائیگا۔

امادہ طلب،
۱۱ تر

بازار کے توازن کی یہ سب سے سادہ مثال ہے۔ دو ہزار من کے قریب گیہوں تخمیناً تین روپے من کے نرخ سے فروخت ہونے کی امید پر بازار میں لاتے ہیں۔ دکاندار یہ سب کی سب مقدار اسی نرخ پر خرید لیتے ہیں، وہ بھی نہ تو اس سے زیادہ خریدنا چاہتے ہیں نہ کم۔ اب فرض کرو کہ دوسری مرتبہ تاجر اسی قدر گیہوں بازار میں لائیں یعنی دو ہزار من لیکن وہ تاڑلیں کہ بعض دکاندار اس نرخ سے یعنی تین روپے من کے حساب سے خریداری پر تلے ہوئے ہیں۔ وجہ تو معلوم نہیں مگر تاجر سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی مانگ زیادہ ہے پس وہ دو آنہ من نرخ چڑھا دیتے ہیں اس بھاؤ سے شاید دکاندار بھی مال نہ خریدیں۔ تب کچھ تاجر نرخ تین روپے ایک آنہ من کر دیں گے اس نرخ سے کچھ خرید و فروخت شروع ہوگی۔ بعض دکاندار تو مال خریدنے لگیں گے اور بعض اب بھی دست کش رہینگے کہ شاید نرخ میں اور تخفیف ہو تھوڑی دیر میں پتہ چلتا ہے کہ کچھ رسالے قواعد سیکھنے کے واسطے یہاں آنے والے ہیں۔ جب تک وہ ٹھیریں گے گیہوں کا خرچ زیادہ رہے گا۔ بعض دکانداروں کو اس کی پہلے سے خبر تھی اسی وجہ

باب چہارم
فصل ۲۶

وہ ایک آنہ بڑھا کر مال خرید رہے ہیں جو دکاندار تجربہ رکھتے تھے اب تو ان کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ دیکھتے ہیں کہ بہت سا مال فروخت ہوچکا پس وہ بھی گھبرا کر اسی نرخ سے مال خریدنے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن تاجران کی بے چینی دیکھ کر فوراً نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ بعض دکاندار نرخ میں کمی کر دینگے جس قدر ارادہ تھا اتنا مال نہ خریدیں گے۔ نرخ میں بھی گھڑی گھڑی تغیر و تبدل ہوگا کبھی چڑھیگا کبھی اتریگا کبھی باقی دکاندار خریدنے پر ہمت باندھیں گے کبھی ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ لیکن شام تک کل مال نکل جاویگا اور نرخ بھی گذشتہ دن سے کچھ بڑھا رہیگا؛

اب فرض کرو کہ آخر دسمبر میں خوب بارش ہوا اور گیہوں کی فصل کے آثار معمول سے زیادہ اچھے نظر آئیں یعنی بکثرت گیہوں پیدا ہونے کی امید ہو تو شروع جنوری میں بازار کا کیا رنگ ہوگا۔ یہ تو معلوم ہے کہ بالعموم فصل کی تیاری کے وقت تک جس قدر غلہ صرف کے واسطے درکار ہوتا ہے اس سے تھوڑا بہت زیادہ غلہ تاجروں کے پاس رہتا ہے پس جن جن تاجروں کے ہاں بڑے بڑے ذخیرے ہیں ان کو فکر پیدا ہوگی۔ اگر وہ غلہ فروخت نہ کریں تو کیا کریں گے۔ چونکہ فصل کے اثار عمدہ ہیں۔ انھیں اندیشہ ہے کہ سماں ہوگا اور غلہ کی قیمت بہت گر جائیگی۔ پس جہاں تک ہوسکے گا وہ نرخ گھٹنے سے پہلے ہی پہلے اپنا مال نکال دیں گے۔ پس ایسی حالت میں جن تاجروں کے ہاں گیہوں بہت زیادہ بھرا ہوا ہے وہ معمول سے زیادہ لائیں گے۔ اور مثال مندرجۂ بالا کے مطابق دو ہزار من کے بجائے دو ہزار دو سو من غلہ بازار میں برائے فروخت پیش ہوگا۔ لیکن دکانداروں سے بھی فصل کے امید افزا آثار مخفی نہیں۔ مزید براں وہ فوج کے رسالے بھی جو چند روز کے واسطے قواعد سیکھنے آئے ہوئے تھے چلے گئے۔ اب اس قدر غلہ درکار نہیں۔ پس جب وہ دیکھیں گے گیہوں کے تاجر معمول سے زیادہ مقدار فروخت کرنے کے خواہشمند ہیں تو وہ تین دن سے کم دام لگائیں گے۔ یوں ہی نرخ کے متعلق حیص بیص چلے گی۔ اور اگر تاجروں کو کل مال فروخت کرنا مقصود ہے تو ضرور نرخ میں تخفیف گوارا کرنی پڑے گی۔ ورنہ کچھ مال رہ رہیگا جو واپس لے جانا پڑیگا۔ اگر کل مال فروخت ہوگیا تو گویا رسد و طلب میں ابھی توازن قائم رہا البتہ قیمت گھٹ گئی؛

ایک مثال اور لو۔ فرض کرو کہ سخت کہرا پڑے کہ جس سے فصل کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تو اب بازار کی کیا کیفیت ہوگی تاجر اور دکاندار اب جانتے ہیں کہ فصل بہت

کچھ خراب ہو چکی ہے۔ نئی پیداوار کا ٹھیک اندازہ تو ابھی کیا ہو سکتا ہے لیکن ضرور [illegible]
ہے کہ دو ہزار من فی ہفتہ کے حساب سے سال بھر کے خرچ کے واسطے غلہ کافی نہ ہوگا [illegible]
آیندہ فصل کی تیاری سے قبل غلہ کی قلت ہو جاوے گی۔ اب تو تاجروں کی بن آئیگی۔
فوراً نرخ بڑھا دینگے اگر کچھ مال اس وقت فروخت نہیں ہوا تو کیا مضائقہ۔ آئندہ ضرور
فروخت ہو جاویگا۔ بلکہ وہ خود ہی اس وقت زیادہ مال فروخت کرنا پسند نہ کریں گے
کیا معلوم کہ پیداوار کی آئندہ کیا حالت رہیگی۔ پس بازار میں کم مال آئیگا۔ دو ہزار من کے بجائے
صرف بارہ سو من کی آمد ہوگی خریدار بھی سمجھ جائیں گے کہ گیہوں کا نرخ بہت بڑھا ہوا ہے
اور وہ بھی مجبوراً معمول سے کم مال خریدیں گے شاید دکاندار ساڑھے تین روپے من
لگائیں اور تاجر چار روپے من مانگیں۔ ممکن ہے کہ ان نرخوں میں سے کسی پر بھی نہ
مال نکلے۔ لیکن وہی کھینچ تان شروع ہوگی اور عام نرخ غالباً پونے چار روپے [illegible]
پائے گا۔

بازار کا جو کچھ حال اوپر بیان ہوا اس میں اب بہت سی چیزیں [illegible]
کر دی گئی ہیں جو چھوٹے چھوٹے بازاروں تک میں روزمرہ پیش آتی رہتی ہیں۔
مقصود تو طلب و رسد کا توازن سمجھانا تھا سو وہ خوب واضح ہو گیا۔ ان پیچیدگیوں سے
اس توازن کی حقیقت و صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ البتہ ان کے ساتھ اس کا پتہ
چلانا ذرا دشوار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ بازار میں گیہوں خریدتے ہیں ان کو تجربے سے
معلوم رہتا ہے کہ لوگ کھانے کے واسطے کس کس نرخ سے کتنا کتنا غلہ خریدیں گے اور
وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ نرخ جوں جوں بڑھیگا کم غلہ فروخت ہوگا۔ دکاندار تو محض فروخت
کرنے کی نیت سے گیہوں خریدتے ہیں۔ اگر بہت زیادہ گیہوں جمع کر لیں تو اندیشہ ہے کہ مناسب
قیمت پر کل مال نہ نکل سکے اور جس نفع کی غرض سے خرید و فروخت کا دردسر اٹھایا وہ ہاتھ نہ لگے
اور اگر بہت کم غلہ بھر لیں تو مناسب قیمت پر جس قدر مال فروخت ہو سکتا تھا اس قدر فروخت
کرنے کو ان کے پاس موجود نہ ہوگا۔ گویا زیادہ مقدار کی فروخت سے جس قدر منافع حاصل
ہو سکتا تھا اس سے کم حاصل ہوگا اسکو بھی ایک قسم کا نقصان ہی سمجھنا چاہیے۔ اس موقع پر
ایک خاص حالت بتانی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ کبھی بہت اعلیٰ نرخ پر تھوڑی سی
چیز فروخت کرنے سے زیادہ منافع ہوتا ہے بمقابل کمتر نرخ پر زیادہ مال فروخت کرنے کے

باب چہارم فصل ۲۶

چنانچہ قحط کے شروع شروع میں دکانداروں پر اکثر یہی شبہہ ہوا کرتا ہے کہ مال موجود ہے مگر نرخ بڑھ جانے کی طمع سے فروخت کم کرتے ہیں۔ لیکن قلیل فروخت اور کثیر منافع کی ایسی مثالیں کم نظر آتی ہیں۔ عام حالت تو یہی ہے کہ مال جس قدر زیادہ فروخت ہوتا ہے اسیقدر منافع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اب فروشندوں کو لیجئے ان کی تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ جتنی بھی اعلیٰ قیمت مل سکے وصول کریں۔ اور قیمت جس قدر چڑھتی ہے اسی قدر زیادہ مال فروخت کرنے کا لالچ ہوتا ہے بازار تو اس لئے ہے کہ وہاں خریدار اور فروشندے بات چیت کر کے ایسی قیمت قرار دیں کہ فریقین کو منظور ہو۔ ہر فرد کو نہ صرف فریق ثانی کے بلکہ اپنے فریق کے باقی کل افراد کے خیالات سے باخبر رہنا پڑتا ہے اور اس قسم کی واقفیت جس قدر وسیع اور عام ہو اسی قدر بازار مکمل سمجھنا چاہئے گویا کہ بازار کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر کوئی کاروبار کے تمام حالات سے واقف رہے؛

اضافہ قیمت کا اندیشہ

اگلی فصل میں ہم کچھ پیچیدگیاں واضح کریں گے جو اس ابتدائی بیان میں ہم نے ترک کر دی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہاں پر ایک نکتہ جتانا باقی ہے جب فروشندے کسی ضروری چیز کی قیمت بڑھاتے ہیں۔ مثلاً اوپر بیان کیا گیا کہ کہر پڑنے سے جو فصل خراب ہوئی تو تاجروں نے گیہوں کی قیمت تین روپے من سے بڑھا کر چار روپے کر دی۔ تو اس حرکت سے خریدار بہت ناخوش ہوتے ہیں بلکہ فروشندوں پر ان کو غصہ آتا ہے۔ شکایت یہ کی جاتی ہے کہ کل تک تو یہ لوگ بخوشی تین روپے من گیہوں فروخت کر رہے تھے اب ان کو کیا حق ہے کہ قیمت چار روپے کر دیں اور غریب لوگ بھوکوں مریں معاشیات کے متعلم کو حق ہونے نہ ہونے سے تو کچھ بحث نہیں وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ ایسی حالت میں فروشندے قیمت ضرور بڑھا دیں گے اور وہ ایسا کرنے کے قانوناً مجاز بھی ہیں۔ رہا یہ سوال کہ از روئے مذہب و اخلاق یہ کہاں تک جائز ہو سکتا ہے اس کا جواب ان معلموں اور واعظوں کے ذمہ ہے جو لوگوں کو نیکی بدی سمجھانے والے ہیں۔ معاشی یہ بھی بتا سکتا ہے کہ قیمت بڑھنے سے جو خرید گھٹے گی تو کچھ مال ان لوگوں کے آئندہ صرف کے واسطے بچ رہیگا جو کل مال فروخت ہو جانے کی صورت میں فاقہ کرنے پر مجبور ہوتے۔ اگر ہم پیدائش کے ابتدائی دور پر نظر ڈالیں تو یہ وقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً غور کرو کہ اس حالت میں اگر سخت کہرا پڑے تو کیا نتیجہ ہوگا۔ کاشتکار جو اپنے کنبے

باب چہارم
اصل ۲۰

کے واسطے غلہ پیدا کر رہا تھا اس کو فکر ہوتی ہے کہ کہرے سے فصل خراب ہوئی
اگلی فصل پکڑنی دشوار ہوگی غلہ پہلے ہی ختم ہو جائیگا اس نے تو یہ اندازہ کیا تھا کہ
ربیع کی پیداوار اکتوبر نومبر تک کام دیگی۔ اتنے میں خریف کی فصل تیار ہو جاوے گی لیکن
فصل جو ماری گئی تو اب اندیشہ ہے کہ غلہ کا ذخیرہ جولائی اگست ہی میں جواب دے دیگا
پس اگر دور اندیش ہے تو فوراً وہ غلہ کا خرچ گھٹا دیگا۔ اور اس قدر گھٹا دیگا کہ اس فصل کی
پیداوار سے اگلی فصل تک کام چل جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو گرمیوں بھر کاشتکار کے
کنبے کو پیٹ بھر روٹی ملنی دشوار ہے۔ غلہ کی کمی کی وہ طرح طرح سے تلافی کریگا کچھ ترکاری
بوئے گا یا مل سکے تو قرب و جوار سے کسی قسم کے پھل توڑ توڑ کر لائیگا بہر حال کاشتکار
کو کنبہ پالنا دوبھر ہو جائیگا۔

قصبوں میں جب تاجر نرخ بڑھاتے ہیں تو بعینہ یہی واقعہ پیش آتا ہے اگر وہ
مال اس نرخ سے بیچیں کہ بلا تکلف حسب سابق دو ہزار من غلہ فی ہفتہ نکلتا رہے تو ظاہر
ہے کہ اگلی فصل آنے سے قبل ہی غلہ کا کل ذخیرہ ختم ہو جاویگا نرخ بڑھنے سے لوگ
اپنا خرچ گھٹا دیتے ہیں۔ یعنی کمتر مقدار کام میں لاتے ہیں روٹی تو پیٹ بھر کر ملتی نہیں
کچھ روٹی کھائی اور کچھ سستی سستی چیزوں سے پیٹ بھر لیا اس طرح پر گیہوں کفایت
سے خرچ ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ کل ذخیرہ بہت جلد اڑ جائے تھوڑی بہت
مقدار فصل آنے تک دستیاب ہوتی رہتی ہے اور جو قیمت ادا کر سکتے ہیں وہ برابر خریدتے
ہیں۔ ظاہر ہے کہ کل ذخیرہ خرچ ہو جاتا تو ان کو بھی باوجود استطاعت فاقے کرنے پڑتے

اسپچیاه
فصل ۲۷

فصل ستائیس ۲۷

توازن میں چند پیچیدگیاں

اب ہم کو چند ایسی پیچیدگیاں بیان کرنی ہیں جو بازار کے کاروبار میں اکثر پیش آتی ہیں ہواں تو فرض کرو کہ تاجروں کے علاوہ کچھ کاشتکار بھی بازار میں غلہ لادیں۔ گویا کل رسد تاجروں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ جب کاشتکار بھی کافی مقدار لاویں گے تو فروشندوں اور خریداروں کو دقت کا سامنا ہوگا۔ تاجر اور دکانداروں کا تو کام ہی یہ ہے کہ بازار کی ذرا ذرا سی خبر رکھیں لیکن کاشتکاروں کو اتنی واقفیت کہاں۔ نہ ان کو موجودہ طلب کا پورا حال معلوم اور نہ رسد کا۔ یا تو وہ روز گذشتہ کے نرخ سے اندازہ لگائیں گے یا اپنی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے دام مانگیں گے۔ طلب و رسد کی حالت پر انکو اس قدر توجہ کہاں ہو سکتی ہے جتنی تاجر اور دکاندار کو ہوتی ہے۔ جب مال کی رسد کا بہت کچھ دارومدار کاشتکاروں پر ٹھیرا تو ممکن ہے کہ مال کبھی معمول سے بہت زیادہ آئے اور کبھی بہت کم۔ کاشتکار پابندی سے کیوں آنے لگے۔ کبھی آئے کبھی نہ آئے بازار کی عام حالت میں تو کوئی بڑا فرق نہ آئے گا۔ لیکن مال کی فوری کثرت و قلت کی وجہ سے یہ دقت ضرور جلد جلد پیش آئیگی کہ کبھی نرخ بہت گھٹا تو کبھی بہت چڑھ گیا۔ بہر صورت کاشتکار کو بہت اصلی قیمت نہ مل سکے گی نہ تو اس کو مال کے موجودہ ذخیرہ کا اندازہ اور نہ لوگوں کے ارادوں کی اس درجہ اطلاع جتنی کہ تاجر اور دکاندار کو ہوتی ہے اور اگر اس کو روپے کی سخت ضرورت ہوئی۔ جیسا کہ اکثر واقع ہوتا ہے۔ تو پھر وہ کسی دکاندار کے ہاتھ ضرور اپنا مال سستا فروخت کر دیگا۔ حالانکہ بازار کی حالت پر نظر کرتے

ہوئے زیادہ قیمت ممکن ہوگی سب بازاروں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بعض لوگ دوسروں سے ... چاہیے
زیادہ ماہر اور سمجھ دار ہوتے ہیں اور دوسروں کے مقابل مال زیادہ ارزاں خریدتے اور ...
گراں فروخت کرتے ہیں بعض وقت لوگ مجبوریوں سے بعض کر مال ارزاں فروخت کرتے
یا گراں خریدتے ہیں حالانکہ بہ حالت آزادی وہ ایسی کو ہرگز ہرگز گوارا نہ کرتے۔ ان سب کا
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل مال ٹھیک ٹھیک قیمت متوازنہ کے حساب سے فروخت
نہیں ہوتا۔ بلکہ کچھ ارزاں فروخت ہوتا ہے اور کچھ گراں۔ یہ فرق اہل معاملہ کی حالت پر منحصر
ہے تاہم قیمت کی مجموعی مقدار قریب قریب وہی آپڑتی ہے جو کہ قیمت متوازنہ کے حساب سے ہوتی۔

دوسری پیچیدگی درآمد و برآمد کے سبب سے پیدا ہوتی ہے فرض کرو کہ جس قصبے کا حال کی بابت
ہم اوپر کی مثال میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہاں ریل جاری ہو جائے تاکہ مال کی درآمد و برآمد
میں سہولت ہو۔ اور کلکتہ یا کانپور کے تاجروں کے کارندے وہاں رہنے لگیں اور سب
مناسب قیمت پر گیہوں میں خرید لیا کریں اول اول تو بازار میں بدنظمی پیدا ہوگی نہ تو دکاندار
انداز ہو گا کہ یہ نئے خریدار کہاں تک دام لگائیں گے اور نہ قدیم خریداروں کو ان کا مقصد
معلوم ہوگا لیکن کچھ عرصے میں سب ایک دوسرے سے واقف ہو جائیں گے کاروبار میں انکی
شرکت نئی بات معلوم نہ ہوگی۔ ان کارندوں کا حال بھی معمولی دکانداروں کا سا ہوجائیگا۔
ان کی خریداری بھی نرخ کی کمی بیشی پر منحصر ہوگی یعنی نرخ چڑھا تو مال کم خریدیں گے اور گھٹا
تو زیادہ۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے آنے کے بعد بازار میں خریداروں کی تعداد بڑھ
جائے گی قیمت متوازنہ قرار پانے کا وہی طریقہ جاری رہیگا۔ مقامی لوگوں کو ان نئے
خریداروں کے ارادوں کا پتہ چلانا یا اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ یہ تو پہلے بھی معلوم
ہوگیا تھا کہ مقامی طلب اور رسد کی کیا مقدار ہے۔ لیکن ان لوگوں کے آجانے کے بعد تو
اب کلکتہ کانپور وغیرہ تک کی حالت پر نظر دوڑانی پڑتی ہے۔ ممکن ہے کہ کلکتہ میں نرخ
بہت اعلیٰ ہو اور یہ لوگ بہت سا مال خرید کر یہاں بھی نرخ چڑھا دیں۔ یا کلکتہ کا
بازار سرد ہو تو یہ لوگ خریداری سے دست کش رہیں اور نرخ بہت اتر جائے۔ پس اگر
اس قصبے کے لوگوں کو کاروبار میں کامیاب ہونا ہے اور کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ ارزاں
سے ارزاں خریدیں اور گراں سے گراں فروخت کریں۔ تو ان کو اپنی معلومات بہت وسیع کرنی
پڑیگی۔ جن جن بازاروں کا اپنے بازار سے کاروباری تعلق ہو وہاں کے نرخوں سے بھی باخبر

باب چہارم
فصل ۲۰

رہنا ضروری ہے۔ تاکہ وہاں کے خریداروں کے مقابلے میں پیش بندی ہوسکے اور بیع خریداری میں نقصان نہ پہنچے جدا جدا رہنے کے بجائے اب بازار ایک سلسلے کے تحت آگئے ہیں یہ تبدیلی کچھ دنوں سے بسرعت شمالی ہندوستان میں پھیل رہی ہے چنانچہ اس قسم کے جداگانہ بازار جیسا کہ ہم نے گذشتہ فصل میں فرض کیے اب کہیں کہیں بطور استثنا نظر آتے ہیں۔ حالانکہ پہلے ایسے بازار بہت عام تھے۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں تک میں گیہوں روئی اور دوسرے جنسوں کے تاجر بڑے بازاروں سے کاروباری تعلق رکھتے ہیں شمالی ہندوستان کے تاجر بالعموم ہر صبح کو کلکتہ سے تار منگاتے ہیں کہ بازار کا کیا رنگ ہے۔ اور جب کاروبار بہت گرم ہو تو لندن اور شکاگو جیسے دور دراز مقامات سے ان قصبوں میں تار پہنچتے ہیں کہ جہاں کے عوام ان کے نام تک سے واقف نہیں ہوتے

جتھابندی

تیسری پیچیدگی اس وقت نمودار ہوتی ہے جبکہ فروشندے یا خریدار آپس میں جتھا باندھ لیں اور باہم مقابلہ کرنا چھوڑ دیں جس بازار کا بار بار ذکر ہو چکا ہے۔ فرض کرو کہ کہ اس میں تاجر اتفاق کرلیں کہ بس اتنا مال لائیں اور اس نرخ سے فروخت کریں ممکن ہے کہ ان کی منہ مانگی قیمت پر طلب و رسد میں توازن پیدا ہو جائے۔ اور جتنا مال جس قیمت پر وہ دینا چاہیں۔ دکاندار سے اسی قدر خرید لیں۔ اکثر تاجر مل کر یہ داؤ چلتے ہیں بعض ممالک میں تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ بزور قانون ایسے جتھوں کو توڑ توڑ کر ان کو ممنوع قرار دے رہے ہیں انگریزی میں ان جتھوں کے متعدد نام مروج ہیں۔ مگر مفہوم سب کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ تاجروں کی یہ حرکت ضرور اندیشہ ناک اور قابل اعتراض ہے کہ آپس میں اتفاق کرکے حد مناسب سے کہیں زیادہ قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حال کے معاشیین خاص طور سے جتھوں اور اجاروں کے مسائل پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ طلبا کو کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد ان مباحث کا بھی مطالعہ کرنا پڑیگا۔ سردست تو اس قدر جاننا کافی ہے کہ اگر فروشندے یا خریدار اپنا ایک جتھا بنالیں تو فروخت ہونے والے مال کی مقدار اور قیمت پر اس کا بہت کچھ اثر پڑ سکتا ہے۔ چوتھے یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے کہ بالعموم ایک ہی احتیاج کئی کئی چیزوں سے پوری ہوسکتی ہے اور اگر کسی ایک چیز کی قیمت بہت بڑھ جائے تو لوگ اسکے بجائے اور اور چیزیں استعمال کرنے لگتے ہیں

باب چہارم
فصل ۲

پس گیہوں کے تاجروں کی توجہ گیہوں تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ ان کو دوسرے غلوں جیسے جوار مکی کی حالت پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی غلہ ارزاں ہو اور گیہوں گراں ہو جاوے تو لوگ ضرور گیہوں کی جگہ اس کو کام میں لائیں گے۔ اور گیہوں کی طلب میں تخفیف ہو جائیگی جو بدل نہ ملنے کی حالت میں نہ ہوتی۔ یا اگر چاول کی فصل ماری جاوے اور چانول بہت گراں ہو جاوے تو گیہوں کا صرف بڑھ جائیگا۔ اور اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوگا۔ پس چھوٹے سے بازار میں بھی تاجر ایک ہی غلہ تک اپنی توجہ محدود نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ جتنے غلے بھی خوراک کے کام آئیں ان سب کی طلب و رسد سے خبردار رہنا ضروری ہے۔ اور اکثر ہوتا یہ ہے کہ وہی تاجر مختلف غلوں کا کاروبار کرتے ہیں پس اُن کو بازار کی پوری پوری خبر رہتی ہے:

مال کی روک

مال روک رکھنا بھی ایک توجہ طلب امر ہے محض سہولت کی خاطر یہ فرض کر لیا گیا کہ تاجر جس قدر غلہ بازار میں لاتے ہیں سب کا سب فروخت کر دیتے ہیں۔ اور کچھ باقی نہیں رکھتے۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہوتا۔ اکثر تاجروں کا مال بازار کے قریب ہی موجود رہتا ہے نہ سب مال بازار لانے کی ضرورت ورنہ کچھ واپس لے جانے کی۔ فروشندے بازار کا رنگ دیکھتے ہیں۔ اگر مانگ زیادہ ہے تو مال بھی زیادہ نکالتے ہیں اور اگر مانگ کم ہے تو مال بھی تھوڑا ہی باہر رکھتے ہیں۔ پس خریدار محض غلہ کی گاڑیوں یا بوریوں سے جو بازار میں نظر آئیں ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس قدر مال برائے فروخت موجود ہے۔ بہت سا مال قرب و جوار میں کھیتوں یا گوداموں میں بھرا پڑا ہوگا۔ جو مناسب موقع پر فوراً نکل سکتا ہے۔ پس خریداروں کو ذخائر کی خبر رکھنی ضروری ہے فروشندوں کے رجحان کو بھی بغور دیکھیں۔ اور اس سے نتائج اخذ کریں۔ خریدار بھی موجودہ ضرورت سے زیادہ مال خرید رکھتے ہیں۔ پس اگر نرخ چڑھ جائے تو وہ معمول سے کم غلہ خریدیں گے۔ اور اگر وہ کفایت نہ کرے تو کم از کم اگلے بازار تک اس زائد مقدار سے کام چلائیں گے جو پہلے سے گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر غلہ ارزاں ہو جائے تو وہ معمول سے زیادہ خرید ڈالیں گے اور اس سابق زائد مقدار میں اور بھی اضافہ ہو جاویگا۔ الغرض فروشندے ہوں یا خریدار جو کچھ وہ ظاہر میں دیکھتے ہیں۔ محض اس پر رائے قائم نہیں کر سکتے۔ بلکہ دونوں کا ارادہ

باب چہلم ص ۲۰ — خرید و فروخت کا اجتماع

اور منصوبوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے ؛

ہم نے فروشندوں اور خریداروں کے دو جداگانہ گروہ دکھائے ہیں لیکن اسکو بھی محض ایک مفروضہ سمجھنا چاہیے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ بڑے بڑے بازاروں میں وہی لوگ دونوں کام انجام دینے پر آمادہ رہتے ہیں۔ نرخ چڑھا تو فروخت کرنے لگے اور گھٹا تو خود خریدار بن گئے۔ مثلاً کوئی تاجر تین روپے من کے حساب سے گیہوں خریدے اور تین روپے دو آنہ من کے حساب سے فروخت کرنے پر آمادہ ہو۔ پس اگر نرخ تین روپے ہے تو وہ خرید شروع کردیگا۔ کیونکہ بازار کی حالت پر نظر کرتے ہوئے اس کو امید ہے کہ نرخ عنقریب چڑھیگا۔ اور فروخت میں اس کو اور کچھ نہیں تو آنہ دو آنہ کا نفع ضرور مل جائیگا۔ اگر تین روپے دو آنہ من کے نرخ سے وہ مال نکالے تو گویا اس کے اندازے میں عنقریب قیمت گھٹنے والی ہے۔ بڑے بڑے بازاروں میں بہت سے تاجر ہوتے ہیں جن کا یہی کام ہے کہ طلب ورسد کی حالت کے متعلق ان کو جو کچھ خبر ملے اس سے بازار کے توازن کا پہلے سے اندازہ کرلیں۔ اور متوقعہ قیمت متوازنہ سے بڑھ کر فروخت کرنے یا گھٹکر خریدنے کا جو کوئی موقع ملے تو اس سے فائدہ اٹھائیں اگر اُن کا اندازہ صحیح نکلا یعنی جس قیمت پر طلب ورسد میں توازن قائم ہو۔ وہ پہلے سے اندازاً معلوم ہوگئی تو دونوں صورتوں یعنے خرید و فروخت میں ان کو نفع ہوگا۔ اگر اندازہ غلط نکلا تو خسارہ اٹھانا پڑیگا۔

خرید و فروخت کا اجتماع

اس قسم کے تاجروں کا بازار پر یہ اثر پڑتا ہے کہ نرخ بہت کچھ اصلی قیمت متوازنہ کے قریب رہتا ہے۔ اگر نرخ چڑھے تو کچھ تاجر فوراً مال کی فروخت شروع کردیتے ہیں اور کچھ خرید سے دست کش ہو جاتے ہیں۔ یعنی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اور طلب میں تخفیف۔ یہ حالت بدلتے ہی قیمت پھر ٹھکانے آلگتی ہے۔ ایسے بازار میں قیمت برابر گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن ہر اضافے سے تخفیف کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر تخفیف سے اضافے کا رجحان نتیجہ یہ ہے کہ قیمت اس مقدار سے بہت زیادہ نہیں گھٹ بڑھ سکتی جو کہ رسد وطلب کی موجودہ حالت میں مناسب معلوم ہوتی ہے بازار کی مستقبل حالت کا جو تاجر اندازہ کرتے اور اس کے بھروسے پر کاروبار چلاتے ہیں۔ تو اس سے ایک پیچیدگی بھی پیدا ہوتی ہے جس کو اصطلاحاً تخمین کہہ سکتے

ہیں۔ اگر گیہوں کا نرخ آج کل تین روپئے من ہو اور کسی تاجر کو امید ہو کہ … بازار
وہ سوا تین روپے من ہو جائیگا تو اس کو لازم ہے کہ … ہو سکے غلہ …
ایک مہینہ رکھ کر اس کو چار آنہ من کے نفع سے بیچ ڈالے؛

جب تاجروں کے پاس قیمت ادا کرنے کو روپیہ نہیں ہوتا اور … کی امید
پر وہ کسی نہ کسی ترکیب سے سودا کر لیتے ہیں۔ یا تو روپیہ قرض لے لیا۔ قرض لینے کے
بھی بہت سے طریق ہیں جو کہ آیندہ اعتبار کے تحت میں … ہوں گے۔ یا ادھار
خرید لیا۔ یا یہ معاہدہ کر لیا کہ ایک مہینہ بعد جب قیمت دیں گے، تو … لیں گے۔
مثلاً عمرو اور بکر دو تاجر ہیں۔ عمرو ماہ جون میں ہزار من گیہوں بکر سے خرید … معاہدہ
یہ ہے کہ بکر ۱۵ جولائی کو غلہ عمرو کے حوالے کر دے اور اسی روز تین ہزار روپئے قیمت
وصول کر لے ۱۵ جولائی سے پہلے ہی نرخ بڑھ کر سوا تین روپئے ہو جاتے۔ عمرو وہ غلہ
سوا تین ہزار روپے کو زید کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ سودا کرتے وقت تو بیشک اسکے
پاس چھٹانک بھر بھی غلہ نہیں صرف بکر کا معاہدہ ہے کہ وہ ہزار من غلہ دیگا۔ ۱۵۔ جولائی
کو عمرو سوا تین ہزار روپئے زید سے وصول کرتا ہے ان میں سے تین ہزار بکر کے حوالے
کر کے اس کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غلہ زید کے سپرد کر دے عمرو کے پاس گو غلہ موجود
نہ تھا۔ لیکن بالا ہی بالا ارزاں خریدنے اور گراں فروخت کرنے سے اس کو ڈھائی
سو روپے کا منافع مل گیا زید کوشش کریگا کہ کچھ منافع لیکر اوروں کے ہاتھ غلہ بیچ دے۔

اور اگر عمرو کو اندیشہ ہو کہ نرخ گھٹے گا تو وہ بکر کے ہاتھ غلہ فروخت کرنے کا معاملہ
کریگا۔ اس وقت اس کے پاس غلہ موجود نہیں مگر اس کو یہ امید ضرور ہے کہ غلہ
دینے کے وقت تک وہ اس کو زیادہ ارزاں خرید لیگا۔ گر ایسا ہوا تو یہاں بھی معاملہ
مثال مذکورۂ بالا کی طرح سر انجام پائے گا۔ مثلاً عمرو نے بکر کے ہاتھ ہزار من گیہوں بہ قیمت
تین ہزار روپے ۱۵ جولائی کے واسطے فروخت کئے۔ یعنی اس تاریخ کو مال دیا جائے
اور قیمت ادا ہو۔ تاریخ مذکورہ سے پہلے پہلے خوش قسمتی سے ایک ہزار من گیہوں
بہ قیمت دو ہزار آٹھ سو روپے زید سے اسی تاریخ یعنی ۱۵۔ جولائی کے واسطے خرید لئے۔
جب تاریخ آئی تو زید کو ہدایت کر دی کہ گیہوں بکر کے حوالے کر دو بکر سے تین ہزار
روپے لیکر دو ہزار آٹھ سو تو زید کو ادا کر دیئے اور باقی دو سو اپنی جیب میں ڈالے۔

۱ جبار
فصل ۱۰

یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو نے مستقبل قیمت کے اندازہ کرنے میں غلطی کی ہو یعنی قیمت میں تخفیف نہ ہو اور تین روپے من سے کم نرخ پر گیہوں نہ خرید سکے اب یا تو معاہدہ توڑے اور بدعہدی سے تاجر ہمیشہ کے واسطے بدنام اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اور یا جن داموں پر ملے گیہوں خریدے اور بکر کو تاریخ معینہ پر دے۔ فرض کرو کہ تین ہزار دو سو روپے میں ہزار من گیہوں میں تو عمرو کو دو سو روپے کا خسارہ اٹھانا پڑیگا کیونکہ بکر سے اس کو صرف تین ہزار روپے وصول ہوں گے؛

اس قسم کا کاروبار سراسر قمار بازی معلوم ہوتا ہے۔ محض مستقبل حالات کے اندازہ پر لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ آجکل بڑے بڑے بازاروں میں جوئے کا تھوڑا بہت رنگ نظر آتا ہے۔ پس اگر کوئی ناتجربہ کار طلب و رسد کے پورے پورے حالات جانے بغیر یونہی ایسا کاروبار شروع کردے تو یقیناً جلد اس کا دیوالہ نکل جائے گا۔ اس کو تو کچھ سمجھ ہوگی نہیں اور ہوشیار تاجر اس کو خوب اُلّو بنائیں گے۔ جب نرخ چڑھنے کے آثار ہوں گے تو وہ گرنے کا اندازہ لگائیگا۔ اور جب نرخ اترتا نظر آئیگا تو وہ بڑھنے کی امید باندھے گا۔ ہر صورت میں اس کو تو خرید و فروخت سے خسارہ ہوگا۔ اور جو تاجر اس سے معاملہ کریں گے ان کے پوبارہ ہیں یہ غریب تو گرفتار یا تو سب روپیہ انہی لوگوں کی نذر کردیگا یا چند تلخ تجربوں کے بعد اس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ بھی بازار کے نشیب و فراز سمجھنے لگے گا؛

حاصل کلام یہ کہ آج کل کے مکمل بازاروں میں تاجروں کی بڑی بڑی جماعتیں ہیں جن کا یہی خاص کام ہے کہ رسد و طلب کے متعلق تمام ضروری حالات معلوم کریں اور اپنی معلومات کی بنا پر اندازہ لگائیں کہ مستقبل قریب و بعید یعنی ہفتہ عشرہ یا چندماہ بعد قیمت متوازنہ کیا قرار پائیگی۔ اگر آیندہ قیمت بڑھنے کی امید ہو تو وہ خرید شروع کردیتے ہیں اور اگر قیمت گھٹنے کا اندیشہ ہو تو مال فروخت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کبھی انکے پاس بہت سا مال موجود ہوتا ہے اور کبھی وہ آیندہ کے واسطے موجودہ مقدار سے زیادہ مال فروخت کر ڈالتے ہیں۔ لیکن کاروبار میں کامیابی کا راز یہی ہے کہ پہلے سے قیمت متوازنہ کا صحیح اندازہ کرے۔ اگلی فصل میں یہ بحث پیش ہوگی کہ ان بازاروں سے ان طبقوں کا کیونکر تعلق قائم ہے۔ جو مال و سامان تیار کرتے ہیں یا جو اس کو صرف میں لاتے ہیں؛

باب چہارم
فصل ۰

فصل اٹھائیس ۲۸

دولت پیدا اور صرف کرنے والوں کا بازار سے تعلق

تھوک فروش اور خوردہ فروش

آج کل بڑے بڑے تھوک فروش بازاروں میں کاروبار کا یہی طریق ہے کہ بہت سے تاجر رسد و طلب کے مستقبل حالات کے متعلق اندازہ لگا لگا کر خرید و فروخت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مال تیار کرنے والے اور صرف کرنے والے بھی ایسے کاروبار میں حصہ لیتے ہیں مگر صرف اس حالت میں جبکہ وہ کوئی بڑی مقدار فروخت کریں یا خریدیں۔ مثلاً جہاں بڑے بڑے کارخانوں میں کل کے ذریعے سے سوت کاتا جاتا ہے۔ تاجروں کے ساتھ کارخانہ دار بھی کاروبار میں حصہ لیتے ہیں یعنے تاجروں کے ہاتھ خود بھی سوت فروخت کرتے ہیں۔ اور تاجر اس کو خوردہ فروشی میں نکالتے ہیں یا دوسری جگہ بیچتے ہیں۔ جہاں سوت کا خرچ ہو۔ غریب نورباف جو دستی کرگھے سے کپڑا بنتا ہے۔ اس کی یہ حیثیت کہاں کہ اپنے واسطے تھوڑا سا سوت تھوک فروش بازار میں جاکر خریدے جہاں ہزارہا گٹھوں سوت کا سودا ہوتا ہے یا دور دراز بازاروں کو تھوڑے سے سوت کی فرمائش بھیجے۔ اس طرح ہر غریب کاشتکار یا تھوڑا غلہ صرف کرنے والے خود بازار جاکر یہاں کی خرید و فروخت میں حصہ نہیں لے سکتے۔ پس ان بڑے بڑے تھوک فروش بازاروں اور مال تیار اور صرف کرنے والوں کے مابین چھوٹے چھوٹے مقامی بازاروں کا واسطہ قائم ہے جہاں خوردہ فروشی کے طور پر دکاندار مال خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اب ہم گیہوں جیسی چیز کی پیدا اور صرف کرنے والوں کی حالت مطالعہ کرنی ہے واضح ہو کہ گیہوں کے بڑے بڑے تھوک فروش بازار آپس میں یوں گتھے رہتے ہیں کہ گویا دنیا بھر میں گیہوں کا ایک بڑا بازار پھیلا ہوا ہے:

خوردہ فروشی کی کیفیت

جس شخص کو اپنے گھر کے خرچ کے واسطے گیہوں کی ضرورت ہو وہ بالعموم کسی

باب چہارم
فصل ۲۰

خوردہ فروش دکاندار سے خرید لیتا ہے اور قیمت میں چون وچرا کرنے کا موقع بھی اسکو کم ملتا ہے۔ خوردہ فروش دکاندار ایک نرخ مقرر کر لیتے ہیں۔ خریدار صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اگر غلہ ارزاں ہو تو کچھ زیادہ خرید لیں اور گراں ہو تو کم۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئیے کہ ایسے خریداروں کا بہ حیثیت مجموعی نرخ پر کچھ اثر ہی نہیں پڑتا۔ واقعہ یہ ہے کہ بازار میں ان کی طلب ایک سب سے اہم عنصر شمار ہوتی ہے ہر قصبہ کے دکاندار مقامی طلب سے واقف ہوتے ہیں۔ یعنے ان کو اندازہ رہتا ہے کہ کس کس نرخ سے کتنا مال نکل سکے گا۔ اور جیسا کہ واضح ہو چکا ہے بحالت ارزانی زیادہ مال فروخت ہوتا ہے اور بحالت گرانی مقابلۃً کم۔ دکاندار کو معلوم ہے کہ کل مال اس نے کتنے کو خریدا ہے اور وہ خوردہ فروشی میں ایسی قیمت مقرر کرتا ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو بالعموم دکاندار خوردہ فروشی کی قیمت تھوک فروشی کے نرخ سے بہت نہیں بڑھا سکتے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو دوسرے دکانداروں کے مقابلے کی وجہ سے اس کی دکانداری خراب ہو جائیگی۔ سب کو اپنا اپنا مال بیچنے کی فکر ہوتی ہے۔ اگر کوئی دکاندار قیمت بڑھائے تو باقی ایسا نہ کریں گے۔ اور خریدار اسکو چھوڑ کر دوسری دکانوں سے سودا خریدنے لگینگے پس دکاندار مجبور ہیں۔ اور خوردہ فروشی کا نرخ تھوک فروشی کے نرخ سے بہت نہیں بڑھ سکتا۔

صرف کرنے والوں کی طلب کا اثر

البتہ گیہوں بیچنے والوں کی معدودے چند دکانیں ہوں تو ممکن ہے کہ وہ آپس میں جتھا کر کے گیہوں کی قیمت مقدار مناسب سے بڑھا دیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے اور خریداروں کو تو اکثر یہ شبہہ ہو جاتا ہے۔ مگر سر دست ہم کو اس واقعہ سے زیادہ بحث نہیں بازار کے نقطۂ نظر سے تو خوردہ فروش دکانداروں کا خاص کام یہ ہے کہ صرف کرنیوالوں کی طلب بازار میں پیش کریں یعنے ان کے واسطے بازار سے مال خریدیں اور دکانوں پر ان کے ہاتھ فروخت کریں۔ چنانچہ اس واقعے کی اوپر تشریح ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے تاجروں کے گماشتے جو چھوٹے چھوٹے بازاروں میں مال خریدتے ہیں وہ مقامی طلب کی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہیں اور جو کچھ رنگ دیکھتے ہیں اپنے مالکوں کو مطلع کرتے رہتے ہیں اس طرح پر بڑے بڑے تھوک فروش بازاروں میں ان مقامات سے بھی طلب کی کمی بیشی کی خبر پہنچتی رہتی ہے۔ جہاں

بڑے بڑے تاجروں کے گماشتے مال خریدتے ہیں۔ پس تھوک فروشی کے نرخ متوثر کرنے میں صرف کرنے والوں کی طلب کا بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یعنی اسی طلب کی کمی بیشی کے لحاظ سے علی الترتیب نرخ ارزاں اور گراں رہتا ہے ؛

باب چہارم فصل ۲۰

پیدا کرنے والوں کی حیثیت

گیہوں پیدا کرنے والے یعنی کاشتکار کی حالت گیہوں صرف کرنے والے سے کسی قدر مختلف ہے۔ اگر وہ اپنا مال مقامی بازار میں فروخت کرے تو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ اس کو بہت اچھی قیمت نہ مل سکیگی اور غالباً اس سے کم ملیگی جو کسی دکاندار یا تاجر کو ملتی۔ اگر وہ نرخ اس کو منظور نہ ہو تو وہ اپنا مال واپس لے جا سکتا ہے تاکہ کچھ عرصے تک اضافۂ نرخ کا انتظار کرے لیکن اس کو اور بہت سے کام کرنے ہیں اسکے پاس اتنا وقت کہاں کہ بار بار آئے۔ اور وہ اکثر مال لاتا بھی اسی وقت ہے جبکہ اسکو روپے کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ پس نرخ جو کچھ بھی ہو۔ وہ مال فروخت کر ہی دیتا ہے۔ اور اگر مال بازار لانے کے بجائے گاؤں میں کسی تاجر کو دے ڈالے تو اس کو یہ بھی خبر نہ ہوگی کہ نرخ بازار کیا ہے۔ اور تاجر ضرور اُس کو قیمت مناسب سے کچھ کم ہی دیگا۔ البتہ اگر گاؤں یا اُس کے قرب وجوار میں متعدد تاجر ہوں تو ان میں سے ہر ایک زیادہ مال خریدنے کی کوشش کریگا اور مقابلے کے جوش میں قیمت بڑھا دیگا۔ اس طرح پر کاشتکاروں کا بھلا ہو جائیگا لیکن بدقسمتی سے ہندوستان کے کاشتکاروں کو ایسے موقع کم میسر آتے ہیں گاؤں میں یا تو تاجر ہی ایک ہوتا ہے یا چند ہوں بھی تو آپس میں جتھا باندھ لیتے ہیں۔ یا کاشتکار کسی نہ کسی تاجر کے قرضدار ہوتے ہیں اور دباؤ کی وجہ سے دوسرے تاجروں کے ہاتھ مال فروخت نہیں کر سکتے ؛

اوپر کے بیان سے ایسا معلوم ہوگا کہ تاجروں کو بہت کچھ اقتدار حاصل ہے اور نرخ بازار سے بہت کم قیمت پر مال خرید سکتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ لیکن کسی ایک حد تک چنانچہ جب طالب علم ہندوستان کی قیمتوں کی تاریخ پر نظر دوڑائیگا۔ تو اس کو درج شدہ قیمتوں اور فصلی قیمتوں میں بہت فرق نظر آئیگا۔ قسم آخر الذکر سے مراد وہ قیمتیں ہیں جن پر کاشتکار فصل کے وقت اپنا مال تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ یہ فرق برابر گھٹ رہا ہے یعنی اب کاشتکاروں کو بہ مقابل سابق نرخ بازار کے قریب تر قیمت ملنے لگی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ فرق معاشیین اور علم الاعداد کے ماہروں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے

باب چہارم
فصل ۲۸
کمترین قیمت کی حد

جبکہ وہ اُس آمدنی کی تحقیقات کریں جو ملک کو زراعت سے حاصل ہوتی ہے:
یہ صحیح ہے کہ نرخ بازار سے کمتر قیمت پر تاجر گاؤں میں مال خرید لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ گیہوں یا اور کوئی غلہ مفت نہیں لے سکتے۔ بلکہ جس قدر کم قیمت وہ دیں گے اس کی بھی ایک حد ہے اس سے کم وہ بھی نہیں دیسکتے معاشیات میں یہ حد ایک اہم مسئلہ سمجھی جاتی ہے۔ اور ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس سے بحث کرنا چاہتے ہیں:
اس باب کے شروع میں بیان ہوچکا ہے کہ اگر کاشتکار صرف اپنے گھر کے خرچ کے واسطے غلہ پیدا کرے تو وہ اس حد تک کاشت کریگا کہ پیداوار کا افادہ اور کاشت میں جو دشواری برداشت کرنی پڑے اس کا اعدام افادہ برابر ہوجائے جب وہ بازار کے واسطے غلہ پیدا کرے تب بھی حد پیدائش اس افادہ اور اعدام افادہ کے توازن سے قرار پاتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ بحالت اول پیداوار کے افادہ کا دشواری پیدائش کے اعدام افادہ سے موازنہ کیا جاتا ہے اور بحالت دوم اس زر کے افادہ سے جو پیداوار کی قیمت میں وصول ہو۔ جس کاشتکار نے ایک ایکڑ زمین کاشت کی ہو اور جس کو اندیشہ ہو کہ پیداوار کی قیمت ان دشواریوں کا کافی معاوضہ نہ ہوگی جو کاشت میں اس کو برداشت کرنی پڑیں تو وہ بیچارہ سوائے اس کے اور کیا کرسکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جس قدر قیمت بھی مل سکے لے لے لیکن جب دوسری فصل آئیگی تو وہ اس قدر زمین کاشت نہ کریگا یا تو وہ کاشت بالکل ترک کردیگا۔ یا کم از کم غلہ کی وہ مقدار پیدا نہ کریگا جس کے واسطے سب سے زیادہ دشواری اٹھانی پڑتی ہو۔ پس اگر گیہوں کا نرخ بہت ادنی ہو جائے تو یہ خیال کرکے کہ پورے پورے دام وصول نہیں ہونگے کاشتکار گیہوں کی کاشت کم کردیں گے۔ اب کاشتکار اپنا غلہ خواہ گاؤں میں تاجر کے ہاتھ فروخت کریں یا بازار میں لاکر۔ بہر صورت گیہوں کی رسد بہت گھٹ جائیگی۔ اور اگر تاجروں کو زیادہ غلہ خریدنا مقصود ہو تو چاہیے کہ وہ نرخ بڑھا دیں تاکہ آیندہ زیادہ گیہوں کاشت ہو۔ پس اگر تاجر کو خریدنے میں کسی سے مقابلہ نہ بھی کرنا پڑے تو اسکو چاہیے کہ کاشتکاروں کو غلہ کی واجبی قیمت دے۔ اگر وہ نرخ بہت گھٹا دیگا تو کاشتکار بھی گیہوں کم بوئینگے اور جب تاجر کو فروخت کے واسطے کم مال ملیگا تو اس کو نقصان پہنچے گا نرخ بازار بہت گھٹ جائے اور تاجروں کو کم مال مطلوب ہو تو قیمت کی کمی کی وجہ سے دیہات

میں کاشتکار کاشت بھی گھٹا دیں گے اور اگر نرخ بازار بڑھا چڑھا رہے تو کاشتکار اعلیٰ قیمت کے لالچ سے کاشت بڑھا دیں گے اور زیادہ زیادہ غلہ پیدا ہوگا۔ کسی فصل میں کتنے رقبہ پر کوئی چیز کاشت ہوتی ہے۔ اس کا دار و مدار کئی باتوں پر ہے۔ جن میں سے ایک قیمت متوقعہ بھی ہے۔ پس رقبۂ زیر کاشت کی توجیہ محض قیمت سے نہیں ہو سکتی۔ البتہ ایسی چیزوں کی کاشت میں جیسے کہ گیہوں، نیشکر، روئی جو محض فروخت کی خاطر پیدا کی جاتی ہیں۔ رقبۂ زیر کاشت اور قیمت حاضرہ میں ضرور صاف تعلق نظر آتا ہے؛

ام چہارم فصل ۱۰

اوپر واضح ہو چکا ہے کہ گو مال پیدا اور صرف کرنے والوں میں سے کوئی فریق بھی بلاواسطہ بازار کے کاروبار میں حصہ نہیں لیتا۔ تاہم تھوک فروش بازاروں میں بھی قیمت پر انکے رجحان کا بہت اثر پڑتا ہے۔ صرف کرنے والوں کی طلب میں جو تبدیلیاں ہوں ان کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور جو قیمت کہ مال پیدا کرنے والے کے پلے پڑے اسی پر رسد کا بیشتر دار و مدار ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بازاروں کے تاجروں کو خواہ یہ خبر نہ ہو کہ دور دراز دیہات میں کاشتکاروں کو کیا قیمت دی جا رہی ہے۔ تاہم وہ اس بات کو خوب تحقیق کر لیتے ہیں کہ کتنا رقبہ کاشت ہوا ہے۔ کیونکہ صرف اسی کی بنا پر تو رسد کا اندازہ ہو سکتا ہے اگر ان کو پتہ چلے کہ رقبۂ کاشت گھٹ گیا ہے۔ تو وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ رسد کم ہوگی اور سے قیمت متوازنہ ضرور چڑھ جائے گی۔ اخباروں میں گیہوں روئی وغیرہ کے رقبۂ کاشت و پیداوار کے متعلق جو تخمینے وقتاً فوقتاً منجانب سرکار شائع ہوتے ہیں۔ غالباً طلباء کی نظر سے گزرتے ہونگے بازاروں کی خاطر یہ تخمینے تیار کرائے جاتے ہیں۔ اور ان کو خوب مشتہر کر دیا جاتا ہے تاکہ سب تاجروں کو اطلاع ہو جائے اور سب سوچ سمجھ کر کاروبار کریں؛

پس معلوم ہوا کہ تھوک فروش بازار میں کاروبار کرنا کوئی آسان بات نہیں فروشندوں میں کچھ تو خود مال پیدا کرنے والے یا ان کے گماشتے ہوتے ہیں جو درحقیقت مال نکالنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ تاجر ہوتے ہیں جنکو مال فروخت کرنے کی کچھ زیادہ فکر نہیں اور نہ وہ اپنے ذخیروں کا پتہ دیں۔ قیمت دیکھ کر مال فروخت کرتے ہیں۔ یہی حال خریداروں کا نظر آتا ہے۔ ان میں کچھ تو تاجر ہیں جو دوسروں کے ہاتھ مال فروخت کر ڈالتے ہیں۔ کچھ لوگ مال خرید کر اپنے صرف میں لاتے ہیں۔ کچھ دکاندار خریدا ہوا مال خوردہ فروشی کے طریق سے بیچتے ہیں۔ فروشندے اور خریدار سب ذرا ذرا سی خبر رکھتے ہیں کہ رسد و طلب میں کیا کیا تبدیلیاں ہونے کے قرائن ہیں۔ اور

دیکھو باب فصل ۱۰

آج نرخ کیا رہیگا۔ کل کیا۔ ایک ہفتہ بعد کیا بلکہ ایک دو ماہ بعد کیا یہ سب اندازہ لگاتے رہتے ہیں۔ دوسرے کاروباری لوگوں کی رائے بھی معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اور جس جس نرخ سے سودا ہوا ان سب کی خبر رکھتے ہیں۔ جو لوگ ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکیں کہ آیندہ قیمتیں کیا کیا رہیں گی ان کے تو پو بارہ ہیں۔ کاروبار سے انکو بہت کچھ منافع حاصل ہوگا اور جو اندازے میں غلطی کریں ان کا دیوالہ نکل جائے تو تعجب نہیں۔ باقی جو لوگ درمیانی حالت میں ہوں ان کو کچھ نہ کچھ منافع مل رہیگا۔ اکثر ملکوں میں بڑے بڑے بازاروں کا حال طلبا کو بہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے متعلق بہت سے اخباروں میں کافی تفصیل شائع ہوتی ہے۔ کلکتہ یا بمبئی کے اخباروں سے گیہوں۔ روئی۔ سن اور چاول کے بازار کا کم وبیش حال معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن شمالی ہندوستان کے انگریزی اخبار اور اکثر دیسی زبانوں کے اخبار ایسی معلومات کم شائع کرتے ہیں؛

توازن حالات کا خلاصہ

یہ تو سچ ہے کہ تھوک فروش بازاروں کا کاروبار ٹیڑھی کھیر ہے لیکن پیچیدگیاں جو کچھ بھی ہوں۔ سب بازاروں کی عام خصوصیت یہی ہے کہ کاروباری لوگ رسد وطلب کی حالت پر نظر جمائے رہتے ہیں ہر ایک کو یہی فکر لگی رہتی ہے۔ کہ فلاں فلاں نرخ سے لوگ کتنا مال فروخت کرنا پسند کریں گے اور کتنا خریدنا۔ اسی واقفیت کی بنا پر وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قیمت متوازنہ کیا ہوگی۔ یعنے کس نرخ سے لوگ اتنا ہی مال فروخت کریں گے۔ جتنا کہ دوسرے لوگ خریدیں یا یوں کہئے کہ کس قیمت پر رسد وطلب میں توازن قائم ہو جائیگا یعنی ہر دو مقداریں ایک دوسرے کے برابر ہوں گی۔ اور قیمت متوازنہ کا جسقدر صحت کے ساتھ اندازہ کیا جائیگا اتنا ہی کاروبار میں منافع ہوگا؛

فصل انتیس ۲۹

معمولی توازن

اوپر کی بحث سے واضح ہوا کہ خوردہ فروشی کے نرخ۔ یعنی وہ نرخ جن سے عام صرف کرنے والوں کو سابقہ پڑے بہت کچھ ان نرخوں سے متعلق ہیں جو تھوک فروش بازاروں میں قرار پائیں۔ اور تھوک فروشی کے نرخ بازار کی خبروں اور کاروباری لوگوں کی رایوں کے اثر سے برابر تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اگرچہ خوردہ فروشی اور تھوک فروشی کے نرخ گھٹتے بڑھتے ہیں تاہم عام تجربہ ہے کہ صرف کرنے والوں کی نظر میں اُن چیزوں کی قیمتوں کے کچھ معیار مقرر ہوتے ہیں۔ جن کو خریدنے کے وہ عادی ہیں۔ جب قیمت اس معیار سے بڑھ جائے تو اعلیٰ کہلاتی ہے اور گھٹ جائے تو ادنیٰ صرف کرنے والوں کی طرح کاروبار والے بھی قیمتوں کے معیار رکھتے ہیں ایسی قیمتوں کو معمولی قیمت کہہ سکتے ہیں یا معیاری قیمت۔ یہ وہ قیمتیں ہیں جو بازار میں اکثر قائم رہتی ہیں جو قیمتیں ان سے کم و بیش ہوں وہ مستثنیٰ شمار ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی ان ہی کی جانب رجوع ہوتی رہتی ہیں پس جب کوئی قیمت غیر معمولی کہی جائے تو مراد یہی ہے کہ وہ معیار سے کم ہے یا زیادہ مثلاً شمالی ہندوستان میں لوگ گیہوں کی معمولی قیمت سولہ سیر فی روپیہ خیال کرتے ہیں اگر ایک روپیہ میں سولہ سیر سے کم ملیں تو قیمت گراں کہلاتی ہے۔ اور اگر زیادہ ملیں تو ارزاں۔

معمولی قیمت کی بحث بھی معاشیات میں بہت دقت طلب بن جاتی ہے۔ آگے چل کر ہم کو یہی دیکھنا ہے کہ وہ کیونکر قرار پاتی ہے معمولی قیمت اور بازاری قیمت سے کیسا تعلق ہے۔ لیکن یہ اول ہی سمجھ لینا چاہیے کہ قیمت خواہ معمولی ہو خواہ بازاری وہ ہمیشہ کی تبدیلی یکساں نہیں رہتی بلکہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً بعض مقامات میں گیہوں کی معمولی قیمت آج کل سولہ سیر فی روپیہ ہے مگر اس کی تجارت پھیلنے سے قبل یہی معمولی قیمت بیس سیر فی روپیہ تھی

باب چہارم
فصل ۲۹

چنانچہ ابتک بعض بوڑھے لوگ بیس سیری روپیہ تو معمولی قیمت خیال کرتے ہیں اور سولہ سیری روپیہ کو بہت اعلیٰ قیمت قرار دیتے ہیں۔ ان کو ابتک اسی معیار کا خیال چلا جاتا ہے جو ان کے بچپن میں تھا۔ یہ خبر ہی نہیں کہ اب معیار بدل گیا ہے۔ لیکن عام لوگ آج کل بیس سیری روپیے کو ارزانی والی قیمت مانتے ہیں۔ پس فرق یہ ہے کہ قیمتیں تو دونوں قسم کی بدلتی ہیں۔ مگر بازاری قیمت جلد جلد بدلتی ہے حتیٰ کہ ہر ہر گھنٹہ کے بعد اور معمولی قیمت دیر دیر سے اور بتدریج تبدیل ہوتی ہے:

مدت کے مصارف
۔ نرخ کے گھٹنے
کا اثر

معمولی قیمت کی بابت سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس گذشتہ بحث کو بھی پیش نظر رکھیں کہ مال پیدا کرنے والے پیداوار یا اسکی قیمت کے اُتار چڑھاو کا اس اعتبار سے کیونکر موازنہ کرتے ہیں جو انکو پیدائش کی دشواری کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے۔ اس مسئلہ پر زیادہ گہری نظر ڈالی ہو تو کسی ایسی صنعت و حرفت کی مثال لو جو گیہوں کی کاشت کے مانند کثرت و قلت پیداوار کے باب میں موسموں کی عمدگی یا خرابی پر منحصر نہ ہو۔ کاشتکار کو ستمبر اور نومبر کے درمیان یہ طے کر لینا پڑتا ہے کہ کس قدر گیہوں کاشت کرنا ہے۔ نومبر کے بعد تو گیہوں بو یا نہیں جا سکتا۔ گیہوں کے بجائے ہم دیسی کپڑے کی مثال لیتے ہیں جس کو جولاہا سال بھر دستی کرگھے سے بنتا رہتا ہے۔ فرض کرو کہ کپڑے کا ایسا نرخ ہے کہ کل لاگت یعنے سوت وغیرہ کی قیمت نکلنے کے بعد جولاہے کی گذر کے لائق دام نکل رہتے ہیں۔ ہم نے جو کہا کہ گذر کے لائق۔ آگے چلکر اس جملے کے ٹھیک ٹھیک معنی بھی خاص طور پر مطالعہ کرنے ہونگے۔ یہاں سردست اس قدر جاننا کافی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے کے واسطے روٹی اور پہننے کے واسطے کپڑا کنبے بھر کو مل جائے کچھ رسمی ضروریات بھی میسر ہوتی رہیں مگر نہ تو کچھ پس انداز ہو سکے اور نہ خرچ بڑھانے کی گنجائش ہو۔ فرض کرو کہ کپڑے کی بازاری قیمت اس قدر گھٹ جائے کہ نوربافوں کو گذر کرنی مشکل ہو جتنا کپڑا تیار موجود ہو اس کو فروخت کئے بغیر تو چارہ نہیں خواہ قیمت کچھ ہی ملے۔ بلکہ عجب نہیں کہ قیمت گھٹنے پر شروع شروع میں کچھ روز نوربافی کپڑے کی بنائی جاری رکھیں اور یا تو اپنا خرچ گھٹا دیں یا قرض دار بن جاویں۔ لیکن اگر مدت تک قیمت یوں ہی گھٹتی رہے تو نورباف کب تک گذر کر سکیں گے کچھ عرصہ بعد قرض ملنا بھی بند ہو جاویگا اور فاقہ کشی کی نوبت آجائے تو عجب نہیں۔ یہ تو ان کو علم نہیں کہ نرخ کیونکر قرار پاتا ہے مگر وہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس نرخ پر کاروبار چلنا ممکن نہیں۔ پس یا تو

کپڑا بننے کے علاوہ یا اس کے بجائے کوئی اور کام شروع کر دینگے تاکہ بسر اوقات کی صورت پیدا ہو۔ سب کا طرز عمل اس معاملے میں یکساں نہ ہوگا۔ کچھ نورباف جن کا کرگھا بہت پرانا اور بوسیدہ ہو چکا ہے۔ بنائی چھوڑ کر گاؤں یا قصبے میں محض مزدوری شروع کریں گے کچھ نوجوان قرب و جوار کے شہروں میں نکل جاویں تو عجب نہیں۔ بہت سے دیہی نوتی کے طور پر کچھ نہ کچھ سے رہیں گے اور [illegible] اور [illegible] چلی تو وہ کرگھے چھوڑ کر [illegible] کے کاموں [illegible] لگیں گے۔ [illegible] نہیں کا [illegible] اور شکوانے میں [illegible] ہو جائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ [illegible] کے بعد کپڑے کی پیداوار گھٹ جائیگی۔ اول تو کمتر نور باف کپڑا بنیں گے اور جو یہ کام کریں گے بھی تو اکثر اوقات اس کو چھوڑ چھوڑ کر اور دوسرے کاموں سے لگ جائیں گے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ بازار میں کپڑا کم آئیگا یعنی اس کی رسد گھٹ جائے گی۔ لیکن مناسب بھی یہی ہے کہ کپڑے کی رسد میں تخفیف ہو تاکہ بازاری قیمت میں اضافہ ہو۔ اور بالعموم رسد میں تخفیف ہونے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ یعنی بازاری قیمت بڑھ جاتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مدت دراز تک کسی چیز کی قیمت اس قدر گھٹی رہے کہ اس کے پیدا کرنے والوں کی گذر نہ ہو سکے۔ اگر قیمت زیادہ گھٹی تو تھوڑے دنوں بعد اس چیز کی رسد میں ضرور کمی آجائے گی۔ اور جب یہ نوبت پہنچے تو بازاری قیمت میں پھر اضافہ ہوگا؛

ب۔ جہاں

اصل ۴۹

قیمت کے معیار پیدائش سے بڑھ جانے کا نتیجہ۔

اب اگر اس کے برعکس حالت تصور کرو۔ یعنی کپڑے کی قیمت اس قدر بڑھ جائے کہ نور باف مالا مال ہو جائیں۔ خوب کمائیں اور لطف اٹھائیں۔ اب اس خوش حالی کے دو نتیجے ہو سکتے ہیں۔ اگر نورباف روپیہ جوڑنے یا خرچ بڑھانے کے شائق ہیں تو وہ اور بھی زیادہ کپڑا تیار کرینگے اور اگر ان کو روپیہ جوڑنے یا خرچ بڑھانے کی پروا نہ ہو اور آرام کا شوق ہو تو وہ بہ مقابل سابق کپڑا کم بنیں گے تاکہ آرام کا موقع زیادہ ملے۔ اب دونوں نتائج پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا چاہیے۔

مغربی ممالک یعنی یورپ اور امریکہ میں تو نتیجہ اول نمودار ہوگا اور ان ممالک کے معاشیین کو نتیجہ دوم کا خیال بھی نہ آئیگا۔ جہاں لوگوں کو روپیہ کمانے اور اپنی مالی حالت سدھارنے کا شوق ہوتا ہے وہاں ایسے موقع پر کاروباری مستعدی اور بھی بڑھ جاتی ہے ایسے ممالک میں تو کپڑے کی قیمت اس قدر بڑھنے پر نورباف اور بھی زیادہ وقت تک کام کریں گے۔ اپنے کُنبے سے کام میں زیادہ مدد لیں گے۔ اور جن کے کرگھے پرانے یا

۴۴۴ فصل ۲۹

فرسودہ ہیں وہ نئے نئے کرگھے خرید کر کام جاری کردیں گے پس کپڑے کی رسد میں اضافہ ہوگا اور ساتھ ہی قیمت میں کچھ تخفیف ہو جائے گی؛

لیکن ہندوستان اور بعض دیگر ممالک کے متعلق یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ قیمت بڑھنے کا یہی نتیجہ نمودار ہوگا یعنے کاروبار میں زیادہ مصروف ہو جائیں گے بعض لوگوں کو آرام یا یوں کہو کہ بیکاری زیادہ مرغوب ہوتی ہے اور وہ روپیہ جوڑنے یا خرچ بڑھانے کے خواہاں نہیں ہوتے۔ اور جب وہ کمائی بڑھتی دیکھیں گے تو کام میں اضافہ کرنے کے بجائے وہ اس کو اور بھی کم کردیں گے۔ بقدر ضرورت کمائیں گے اور باقی وقت آرام اور چین سے بسر کریںگے گویا کپڑے کی رسد گھٹ جائے گی۔ اور جب وہ گھٹی تو ظاہر ہے کہ قیمت میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ گویا اضافۂ قیمت مزید اضافہ کا باعث ہوگا۔ ایسی حالت میں بازار کی جو رفتار ہوگی۔ اس کی تشریح سمجھنے کے واسطے معاشیات کی زیادہ معلومات درکار ہے یہ بحث مبتدی کی سمجھ سے باہر ہے لہٰذا بطور استثنا ہم اس کو یہیں ختم کیے دیتے ہیں۔ سردست طلبا اور یہ فرض کریں کہ جب کپڑے کی قیمت یوں بڑھے گی تو نورباف زیادہ کمائی کے شوق میں کام بھی زیادہ کریں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کچھ لوگ اس طرح کام بڑھا دیں۔ اور کچھ زیادہ کمائی کی پروا نہ کریں اور کام گھٹا دیں تو قیمت کی روش اس سے مختلف ہوگی جو اس حالت میں دکھائی گئی ہے جبکہ سب کے سب نورباف روپے کے شوق میں کام زیادہ کرنے لگیں۔ پس یہ فرض کرنا مقصود نہیں کہ فرداً فرداً ہر ایک نورباف کام میں اضافہ کردیگا۔ بلکہ مفروضہ صرف یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی رسد میں اضافہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ قیمت بڑھنے پر کچھ تو کام کم کردیںگے۔ اور آرام زیادہ لیں گے۔ بعض پر کچھ اثر نہ ہوگا جتنا کام پہلے کرتے تھے اب بھی اتنا ہی کیے جائیں گے اور بعض کمائی کے شوقین کام اور بھی پھیلا دیں گے۔ اور مفروضہ یہ ہے کہ ان آخرالذکر نوربافوں کی پیداوار کا اضافہ اول الذکر کی پیداوار کی تخفیف سے بڑھا رہیگا اور بحیثیت مجموعی زیادہ کپڑا تیار ہوگا؛

قیمت اور رسد پیدائش کا تعلق

یہ مفروضہ آج کل شمالی ہندوستان پر اگر پورا پورا نہیں تو بہت کچھ ضرور صادق آتا ہے کہ کسی چیز کی قیمت بڑھنے سے اس کی پیداوار اور رسد میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور بالآخر بازاری قیمت پھر گھٹ جاتی ہے یہیں واضح ہوا کہ پیدائش دولت کے دوسرے

باب چہلم
فصل ۲۹

دور میں جس کو دست کاروں کا دور بھی کہتے ہیں۔ اور جس کا اس کے قبل بیان ہو چکا ہے۔
بشرطیکہ یک رنگی حالات۔ ایک ایسی قیمت ضرور قرار پا جاتی ہے جس کو معمولی قیمت
کہتے ہیں۔ اور اگر بازاری قیمت اس سے انحراف اور تجاوز کرے بھی تو مال تیار کرنے والوں
کے طرز عمل سے وہ قیمت پھر اسی حد پر آ جاتی ہے جو کہ معمولی قیمت شمار ہوتی ہے۔ اگر قیمت
اُترتی ہے تو پیداوار ساتھ ساتھ گھٹتی ہے اور اگر قیمت چڑھتی ہے تو پیداوار بھی بڑھ جاتی
ہے قیمت کا معیار وہ مقدار ہوگی کہ جس پر دستکار لوگ اپنی گذر کر سکیں یعنی مال کی
لاگت اور آلات و اوزار خریدنے اور درست کرانے کے مصارف منہا کرنے کے بعد مال
کی قیمت میں سے اتنی مقدار بچ رہے کہ دستکاروں کی بسر اوقات ہو جائے اور تنگدستی
محسوس نہ ہو؛

اوپر ایک جملہ جلی خط میں لکھا گیا ہے۔ بشرطیکہ یک رنگی حالات۔ یہ جملہ بہت اہم
اور توجہ طلب ہے۔ اگر اس مفروضہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ مغالطہ ہو سکتا ہے
کہ گویا معمولی قیمت ہمیشہ وہی ایک رہتی ہے۔ کبھی تبدیل نہیں ہوتی حالانکہ یہ خیال
غلط اور خلاف واقعہ ہوگا۔ حالات بدلتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ معمولی قیمت
میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں چنانچہ آگے چلکر یہ واقعہ واضح ہو جائیگا۔ رسد و قیمت کے
باہمی تعلق اور معمولی قیمت کے تعین کے باب میں ایک نتیجہ اوپر اخذ ہوا یعنی یہ کہ رسد اور
قیمت میں معکوس تبدیلیاں ہونے سے معمولی قیمت برقرار رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے
کہ آیا یہ نتیجہ پیدائش کے صرف دوسرے دور پر عائد ہوتا ہے یا تیسرے دور یعنی کارخانوں
کے دور پر بھی صادق آتا ہے۔

چند کارخانے گڑ خرید کر شکر بناتے ہیں اور ایک ہی بازار میں اپنا مال بیچتے ہیں
اور بہ نظر سہولت فرض کرو کہ گڑ سے شکر بنانے میں جو شیرہ نکلتا ہے اس کی فروخت
سے منافع پر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے یعنی کمی بیشی نہیں ہوتی دستکاروں کی طرح کارخانوں
کے متعلق یہ کہنا کہ ان کا گذر ہو سکے عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کارخانوں کے
باب میں یوں کہتے ہیں کہ معمولی قیمت کا معیار مصارف پیدائش کے لحاظ سے قرار پاتا
ہے لیکن غور کرنے پر واضح ہوگا کہ یہ معیار بھی اسی معیار کے مطابق ہے کہ جو دستکاروں
کے بیان میں بسر اوقات کے نام سے قرار پا چکا ہے۔ مصارف پیدائش سے لاگت کی بہت سی

باب چہارم ضمن ۲۶

مدوں کا مجموعہ مراد ہے۔ اس اصطلاح کا پورا پورا مفہوم تو کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد واضح ہوگا۔ سردست یہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں لاگت کی مندرجۂ ذیل مدیں داخل ہیں

(۱) پیداوار خام اور ایندھن کی قیمت یعنی ان چیزوں کی قیمت جو مال و سامان تیار کرنے میں صرف ہوں۔ مثلاً جوتے کے کارخانے میں چمڑا، سوت اور لوہا وغیرہ جو جوتوں میں لگے پیداوار خام شمار ہوگا؛

(۲) کارخانے کی عمارت اور کلوں کی مرمت و تجدید کا خرچ۔

(۳) کل ملازموں اور مزدوروں کی تنخواہ اور اجرت۔

(۴) آجر یا کارخانہ دار کا منافع۔

پہلی تین مدوں کا مفصل حساب ہر کارخانے میں تحریر ہوتا ہے اور اگر ایک من شکر کے مصارف پیدائش دریافت کرنے ہوں تو اس کا طریق یہ ہے کہ کسی مدت میں جس قدر رقم خرچ ہوئی ہو اور جتنے من شکر تیار ہوئی ہو ان کی تعداد معلوم کرلے اور اول الذکر کو آخر الذکر سے تقسیم کر دے۔ حاصل تقسیم ایک من شکر کی لاگت ہوگی۔ اس میں بعد کو آجر کے منافع کی مناسب مقدار اور شامل کر دی جائے تو یہ مجموعہ گویا مصارف پیدائش شمار ہوگا اس آخری مد یعنے منافع پر ابھی غور کرنا باقی ہے۔ آگے چلکر تقسیم دولت کے تحت میں منافع کی ماہیت سے بحث کی جائیگی۔ لیکن اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی شخص بلا وجہ کارخانہ کیوں چلائے گا۔ وہ جو کارخانے میں روپیہ لگاتا ہے اور کوشش کرتا ہے تو اسی امید پر کہ کچھ آمدنی حاصل ہو اور اسی آمدنی کا نام منافع ہے؛

شکر سازی کے ایک ایسے کارخانے کی مثال لو کہ جس کو کاروبار میں نہ کوئی خاص دقت پیش آتی ہو اور نہ کوئی خاص سہولت میسر ہو یعنے جو کارخانوں کا نمونہ شمار ہو سکے فرض کرو کہ من بھر شکر کی تیاری میں آٹھ روپئے تو گرہ سے خرچ ہوں اور ایک روپیہ کارخانہ دار اپنا منافع لگائے تو گویا مصارف پیدائش نو روپے من ہوئے۔ مناسب منافع سے ایسی مقدار مراد ہے کہ جس پر کارخانہ دار قانع ہو سکیں۔ نہ وہ انکی توقع سے بہت کم ہو اور نہ زیادہ۔ جب اس قدر منافع ملتا ہے تو کارخانہ داروں کو نہ تو یہ افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کام میں رقم کیوں لگائی۔ کوئی اور کاروبار کرتا بہتر

ہوتا اور نہ وہ اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ اس کام میں اور زیادہ روپیہ لگائیں ۔ سے چہارم
بلکہ جس پیمانے پر کام جاری ہو اس کو برقرار رکھتے ہیں۔ پس اگر شکر کا نرخ نو روپے من فصل ۲۰
ہو تو گویا مصارف پیدائش ملتے رہیں گے اور کارخانہ دار اگر بہت خوش نہ ہوں تو ان کو
شکایت بھی نہ ہوگی۔ پس مناسب منافع ملتا رہیگا۔ اب اگر شکر کا نرخ گھٹ کر آٹھ روپے من
رہ جائے تو منافع کل کا کل غائب ہو جائے گا۔ کارخانہ دار نقصان کے خوف سے مال
کم تیار کرینگے اور جب مال کی رسد گھٹی تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ قیمت پھر اس درجہ چڑھ جائے
کہ کارخانہ داروں کو مناسب منافع ملنے لگے۔ اگر یہ خیال ہو کہ شکر کی ارزانی محض چند روزہ
ہے تو کارخانہ دار پیداوار میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ مال تو اتنا ہی تیار ہوتا رہیگا
جتنا کہ قبل ارزانی تیار ہوتا تھا البتہ بہ مقابل سابق اس کا بیشتر حصہ تو گودام میں روک لیا
جائے گا اور کمتر مقدار بازار میں آئیگی۔ تاکہ تخفیف رسد سے قیمت چڑھے تو باقی رکا ہوا
مال بھی فروخت کیا جائے۔ یہ تو کوئی عجیب بات نہیں۔ مال فروخت کرنے میں تاجر بھی
یہی ترکیب چلتے ہیں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ پیداوار ہی گھٹا دی جائے۔ اس کے کئی
طریق ہیں کارخانے کا بند کرنا تو ضرور نہیں یا تو کام کا وقت گھٹا دیا جائے یا بعض
کلیں روک دی جائیں یا اس وقت تک جو کام میں جلدی ہو رہی تھی اس کو ترک
کر دیا جائے کارخانے کے منیجر یا منتظم کو یہ جاننا بھی فرض ہے کہ کساد بازاری کے وقت
مال کی پیداوار کس طریق سے کم کرنی چاہیئے :

پس اگر قیمت مصارف پیدائش سے بھی گھٹ جائے تو کارخانہ دار کوئی ایسی ترکیب
ضرور نکالیں گے کہ قیمت میں پھر اضافہ ہو فرق صرف اتنا ہے کہ کارخانہ دار یہ ترکیب
جان بوجھ کر چلیں گے اور وہ غریب نورباف جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں یہ ترکیب نادانی سے
خود بخود کر گذریں گے۔ مگر نتیجہ ہر دو صورت میں وہی ہوا ہوتا ہے یعنی رسد میں
تخفیف ہونے سے بازار میں قیمت اپنی قدیم مقدار تک چڑھ جاتی ہے۔ اب فرض کرو
کہ شکر کی قیمت اتنی بڑھے کہ دس روپے من ہو جائے کارخانہ دار ایک روپیہ من منافع
پر قانع تھے مگر اب تو ان کو دو روپے من منافع ملنے لگا ممکن تھا کہ آرام کے شائق دستکار
ایسی حالت میں پیداوار کم کر دیتے مگر کارخانہ دار تو منافع کے بڑے لالچی ہوتے ہیں
جب وہ قیمت چڑھتی دیکھیں گے تو زیادہ سے زیادہ مال تیار کر کے نکالیں گے تاکہ

باب چہارم
فصل ۲۹

جتنا منافع ملنا ممکن ہو ملجائے جتنا مال تیار موجود ہے وہ سب فروخت کر ڈالیں گے اور ساتھ ہی ساتھ مال کی پیداوار بھی بڑھا ئیں گے۔ کام کے اوقات میں توسیع کرینگے۔ اور جلد جلد کام کرائیں گے پس قیمت کے زیادہ بڑھنے پر رسد بھی بڑھیگی اور اضافہ رسد کے ہاتھوں قیمت میں پھر تخفیف ہو جائے گی :

پس کارخانوں کے دور میں یہ معمولی قیمت خوب معیار کا کام دیتی ہے۔ اگر اس حد سے قیمت بڑھے یا گھٹے تو خود کارخانہ دار وہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ قیمت پھر اسی حد پر آرہتی ہے۔ پس دستکاروں اور کارخانوں کے دور میں تغیر و قیام قیمت کے لحاظ سے کوئی بڑا فرق نہیں اگر ہے تو صرف اس قدر کہ کارخانوں کا حساب زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے اور ان کے باب میں معمولی قیمت کی بنا مصارف پیدائش کہلاتی ہے۔ اور دستکاروں کے باب میں ضروریات زندگی قیمت کی بنا شمار ہوتی ہیں۔ لیکن اگر نظر غور سے دیکھو تو دستکاروں کی آمدنی میں سے چیزوں کی اصلی لاگت منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے اس کا ایک حصہ تو گویا اس کی محنت کی اجرت ہوتا ہے اور باقی کاروبار چلانے کا منافع۔ پس اس کے متعلق بھی یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مصارف پیدائش کی بنا پر معمولی قیمت قرار پاتی ہے۔ اوپر کی کل بحث کا لب لباب ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں :

اگر کسی چیز کی پیدائش اجارہ کی پابند نہ ہو تو مصارف پیدائش کے قریب قریب معمولی قیمت قرار پاتی ہے اور جب تک پیدائش اور صرف کی حالت نہ بدلے وہ برقرار رہتی ہے۔ بازاری قیمت میں البتہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن وہ بھی جہاں معمولی قیمت سے جدا ہوئی رسد میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں کہ وہ پھر اس کے قریب آرہے گویا بازاری قیمت بھی ہر انحراف کے بعد معمولی قیمت کی طرف عود کرتی ہے۔ جبکہ پیدائش کسی اجارہ کی پابند ہو تو پھر حالت کچھ اور نظر آئے گی لیکن یہ بحث یہاں چھیڑنی قبل از وقت ہوگی۔ اس کو سردست ملتوی رکھنا بہتر ہے۔ معاشیات کے کچھ مطالعہ کے بعد طالب علم اس کو اچھی طرح پر سمجھ سکیں گے :

مصارف اور لاگت

پیدائش یا صرف کی حالت بدلنے سے جو معمولی قیمت میں تغیر تبدیل ہوتا ہے۔ اسی کو ہم اگلی فصل میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن کچھ اصطلاحات کی تشریح یہاں برمحل معلوم ہوتی ہے تاکہ آئندہ بحث سمجھنے میں مغالطہ نہ ہو۔ انگریزی میں دو مرادف

اصطلاحیں رائج ہیں ان میں سے ایک کو **مصارف پیدائش**۔ دوسری کو **پیداوار** ماسچبام
کی لاگت سے تعبیر کر سکتے ہیں معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ اسی طرح دو ہم معنی اصطلاحیں معمولی
اور ہیں۔ ایک کو **معمولی قیمت** کہہ سکتے ہیں۔ دوسری کو **قدرتی قیمت**۔ ان دونوں
اصطلاحوں میں اب اول الذکر زیادہ مروج ہے۔ لفظ قدرتی کے اور بھی کئی معنی ہوتے ہیں
اس لئے دوسری اصطلاح نہ چل سکی؛

جس انگریزی اصطلاح کو ہم پیداوار کی لاگت سے تعبیر کرتے ہیں اس کے بھی انگریزی
میں دو معنے ہوسکتے ہیں۔ یا تو پیدائش کی دشواری جس کو اعدام فوائد سے تعبیر کرتے ہیں
یا وہ رقم جو اس اعدام افادہ کے توازن کے واسطے ادا کرنی پڑتی ہے۔ اسلئے دیکھنا
ہے کہ پیدائش دولت میں جو دشواری پیش آتی ہے لوگ اس کو برداشت کریں
انگریزی میں اس اصطلاح کے استعمال سے مغالطہ ہوسکتا ہے پس دوسری اصطلاح
بہتر ہے جسکی مصارف پیدائش سے تعبیر ہے اور جس سے لاگت کی رقم درست ہے؛

فصل تین ۳

مصارف پیدائش میں تبدیلیاں

مصارف

گذشتہ فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ جب تک دولت کی پیدائش و صرف کی حالت میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہ ہو معمولی قیمت مصارف پیدائش کے قریب رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس شرط کے معنی کیا ہیں اور عملی طور پر وہ کہاں تک پوری ہوتی ہے اس شرط کا یہ مفہوم نہیں کہ کل دوران میں مصارف کی تمام مدیں جوں کی توں رہیں یا یہ کہ جتنے کارخانے ایک سامان تیار کریں ان سب میں مصارف کی بعینہ وہی مدیں ہوں۔ کارخانے کے منیجر یا منتظم کو دو باتیں مدنظر رہتی ہیں۔ اول یہ کہ مال اعلے سے اعلے قیمت پر فروخت ہو دوم یہ کہ جہاں تک ہو سکے مصارف پیدائش کم رہیں کارگذار منیجر ہمیشہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ مصارف گھٹانے کی کوئی سبیل نکلے وہ مزدوروں کے مختلف طبقوں کی کارکردگی کا موازنہ کرتا ہے۔ ایسے ایسے طریق نکالتا ہے کہ کمتر مزدوروں سے کام لینا پڑے۔ تجربہ کر کے دیکھتا ہے کہ کام مزدوروں کے ہاتھ سے سستا ہوتا ہے یا کل کے ذریعہ سے پھر یہ بھی جستجو رہتی ہے کہ پیداوار خام سب سے ارزاں کہاں ملتی ہے۔ مال کی باربرداری کا خرچ گھٹانا کسطرح ممکن ہے ملازموں سے کیونکر اچھے سے اچھا کام لینا چاہیئے۔ حساب کتاب کا کام مختصر کرنے سے دفتر کے مصارف میں تخفیف کیونکر ہو سکتی ہے۔ غرضکہ کاروبار کے ہر پہلو پر اس کو نظر ڈالنی پڑتی ہے تاکہ جہاں کہیں گنجائش نظر آئے وہیں سے کفایت نکالے۔ سب منیجر یکساں کارگذار نہیں ہوتے پس یہ کیسے ممکن ہے کہ مصارف پیدائش کی مدیں سب کارخانوں میں بعینہ یکساں اور مساوی ہوں۔ مصارف کی تفصیل میں فرق نہ ہونا غیر اغلب ہے

پس جب ہم کسی چیز کے مصارف پیدائش کا ذکر کریں تو یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ ہر ایک مساوی مقدار کی پیدائش کے وہی مصارف پڑتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی کارخانے میں مصارف زیادہ ہوتے ہیں۔ کسی میں اس سے کم اور ایک ہی کارخانے میں وقتاً فوقتاً مصارف کم یا بیش ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہر زمانے میں مصارف کا ایک معیار رائج رہتا ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فلاں فصل میں جو شکر فلاں بازار میں فروخت ہوئی تو اس کے مصارف پیدائش نو روپیہ من تھے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ بعض کارخانوں میں لاگت کا اوسط صرف آٹھ روپیہ من پڑا ہو بعض میں ساڑھے نو۔ اول الذکر کارخانوں کو زیادہ منافع ملا۔ دوسروں کو کم مگر مجموعی منافع کا اوسط قریب قریب وہی نکلے گا کہ گویا سب کارخانوں میں مصارف مساوی رہے یعنے نو روپے من۔ پس معلوم ہوا کہ معمولی قیمت مصارف کے اوسط کی بنا پر جن کو معیاری مصارف بھی کہتے ہیں۔ قرار پاتی ہے نہ کہ کسی خاص کارخانے کے مصارف کی بنا پر:

ملہ جہم [?]
اصل م [?]

یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ پیدائش اور صرف کے حالات بدلنے سے مصارف کا معیار بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت فرض کرنی ممکن ہے کہ آبادی بھی معین ہو یعنے نہ گھٹے نہ بڑھے لوگ وہی چیزیں اتنی ہی مقدار میں ہمیشہ صرف کریں اور طریق پیدائش میں بھی کوئی تبدیلی نہ ہو۔ معاشیین کبھی کبھی بحث کی خاطر ایسی حالت سکون فرض کر لیتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر حالت واقعی ایسی ہوتی تو چیزوں کی معمولی قیمت ہمیشہ وہی رہتی۔ کبھی کم و بیش نہ ہوتی۔ تاریخ ہندوستان کے کسی دور میں ایسے سکون کی حالت نظر نہیں آتی بلکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ تبدیلیوں کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ پس یہ بھی امید نہیں ہو سکتی کہ ملک میں کبھی ایسے سکون کی حالت آئندہ قائم ہوگی تاہم چند مثالوں سے ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایسی حالت کبھی قائم ہوئی بھی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا:

حالت سکون کی مثالیں

ایک کمہار کی مثال لو جو اپنی ضروریات خود مہیا کرنے والے گاؤں میں رہتا ہے۔ فصل تیرہ میں بھی ایسی مثال بیان ہو چکی ہے۔ جب آبادی بھی وہی برقرار رہے نہ گھٹے نہ بڑھے اور لوگوں کی عادتیں بھی تبدیل نہ ہوں تو سال بہ سال مٹی کے برتنوں کی طلب میں شاید ہی کوئی تبدیلی ہو تو ہو ورنہ ایک سی حالت رہیگی کمہار اسی وضع قطع کے اتنے ہی برتن ہر سال بنائیگا اور ان کے معاوضے میں اتنا ہی غلہ اس کو ملتا رہیگا۔ نہ کوئی بازار ہوگا نہ قیمت طے کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کاروبار کا دار و مدار رسم و رواج پر آپڑیگا کمہار نہ بیچے

ایچارہ
فصل ۴

کام کا طریق بدلیگا نہ اس کو قیمت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ جو کچھ ملیگا وہ اسکی بسراوقات
کے لیئے کافی ہوگا۔ اور جہاں تک [illegible] گاؤں کا تعلق ہے برتنوں کی معمولی قیمت قرار پا جائیگی
گاؤں کے دوسرے دستکاروں کا [illegible] حال ہوگا چنانچہ چھوٹے چھوٹے پس ماندہ
قصبوں میں اب بھی [illegible] رنگ نظر آتا ہے کہ جب تک کہ طلب و رسد کی حالت میں کوئی فرق
پیدا نہ ہو۔ چیزوں کی معمولی قیمت تبدیل نہیں ہوتی۔ اور جب رواج پڑ جاتا ہے تو اکثر جو قیمت
[illegible] دیتے ہیں۔ وہ معمولی قیمت [illegible] اب اگر وہ گاؤں جو اپنی کل ضروریات
خود مہیا کرتا [illegible] کسی قصبے [illegible] کاروبار شروع کرے تو ممکن نہیں کہ ان دونوں کی
خرید و فروخت کا [illegible] یہی بات تو یہی قرین قیاس ہے کہ قصبے میں بھی
[illegible]وں کی مانگ ہوگی اور [illegible] گاؤں اور قصبے کے سب خریداروں کو برتن مہیا
نہ کر سکیگا [illegible] تو وہ اپنے گا[illegible] قدیم گاہکوں کو برتن دیگا لیکن اگر قصبے والے
برتنوں کی زیادہ قیمت لگائیں تو پھر وہ لالچ میں آکر برتن قصبے میں فروخت کرنے لگیگا۔
تاہم اگر گاؤں والے بھی قیمت بڑھانے پر رضامند ہوں تو وہ ضرور ان کو ترجیح دیگا۔
گویا طلب کے اضافہ سے گاؤں کی قدیم رسم ٹوٹ گئی۔ اور اب کمہار زیادہ قیمت پر باہر والوں
کے ہاتھ بھی برتن فروخت کرنے لگا۔ لیکن ساتھ ہی ممکن ہے کہ گاؤں کے لوگ قصبے سے
تانبے کے برتن خریدنے شروع کریں اور اس وجہ سے کمہار کے برتن اور بھی کم فروخت
ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور کمہار قصبے میں آبسے نئے قسم کے چاک پر بہت سے
عمدہ برتن بنائے اور کام میں گاؤں کے کمہار کو نیچا دکھادے قصبہ تو درکنار گاؤں میں
بھی اسی کے برتن استعمال ہونے لگیں۔ اور اس غریب دیہاتی کمہار کو جو دام پہلے
ملتے تھے وہ بھی نہ ملیں اب یا تو یہ کوشش کر کے قصبے والے کمہار کے سے برتن
بنانا شروع کردے یا تکلیف و ناداری برداشت کرے؛

جو فرضی مثالیں اوپر بیان کی گئیں ان کا منشاء یہ ہے کہ بہت سہل اور صاف طور
نمایاں ہوجائے کہ جو صنعت و حرفت معمولی دستکاروں کے ہاتھ میں ہے یا جو کارخانوں
میں پھیلی ہوئی ہے اس پر کیا کیا حالت کیونکر گزرتی ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ چیزیں
بنانے کے طور وطریق بدلتے ہیں۔ اور جو لوگ چیزیں صرف میں لاتے ہیں ان کے
عادات و مذاق میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں

تبدیلیاں — فصل ۳

ایسی تبدیلیوں کی رفتار بہت سست ہے۔ اور اگر مغربی ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو یہ قول غلط بھی نہیں لیکن پھر بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ضرور ہیں اور اب ان کی رفتار بھی روز افزوں نظر آتی ہے۔ تبدیلیاں ہونے سے معارف پیدائش بھی بدل جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی معمولی قیمت میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو معمولی قیمت اس سال ہے وہی سال گذشتہ بھی رہی ہو۔ مگر دس سال قبل معمولی قیمت ضرور کچھ اور ہوگی؛

تبدیلی کی صورتیں

اگر طلباء کو ان تمام اسباب کا مطالعہ کرنا مقصود ہو کہ جو باہم مل کر قیمت متواتر تبدیل رد و بدل کرتے رہتے ہیں تو معاشیات کی بڑی بڑی تصنیف کی طرف رجوع کرنا چاہیئے یہاں ہم صرف چند واضح مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ کچھ عرصہ سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں کھیتی باڑی کے مزدوروں کی اجرت برابر بڑھ رہی ہے۔ جو کاشتکار مزدور رکھتے ہیں ان کے کاروبار پر اس اضافۂ اجرت کا اثر پڑتا ہے۔ اور جن فصلوں کی تیاری میں زیادہ محنت درکار ہے ان پر اس کا اثر سب سے زیادہ نظر آتا ہے مثلاً کپاس کی فصل ایسی ہے کہ اسکی تیاری میں بہت محنت کی ضرورت ہے۔ اس کی کاشت میں تو کچھ زیادہ خرچ نہیں پڑتا۔ لیکن جب فصل تیار ہوتی ہے تو کپاس چننے کے واسطے بہت سے مزدور رکھنے پڑتے ہیں۔ اور انھی مزدوروں کی اجرت کپاس کے معارف پیدائش کا بڑا جزو بن جاتی ہے۔ یہ اضافۂ اجرت کی وجہ سے کپاس کے معارف پیدائش غلہ ہائے خوردنی کے معارف سے کہیں بڑھ گئے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کاشتکار جن کے نزدیک کپاس یا غلہ بونا یکساں تھا اب محض اس وجہ سے غلہ کی کاشت کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں کمتر محنت درکار ہے۔ لہٰذا کپاس کی کاشت کا رقبہ گھٹ رہا ہے۔ کپاس اوٹنے والے کارخانے مجبوراً قیمت بڑھاتے ہیں تاکہ کاشتکار کافی مقدار مہیا کرنے پر آمادہ رہیں ورنہ پیداوار گھٹنے سے ان کارخانوں کا کاروبار بھی سست پڑ جائیگا۔ بازاری قیمت تو ہر روز اور ہر ہفتے گھٹتی بڑھتی رہیگی لیکن جو معمولی قیمت قرار پائے گی وہ بھی اس مقدار سے زیادہ ہوگی جو اجرت نہ بڑھنے کی صورت میں قرار پاتی؛

کارخانوں کی دقتوں کی یہ تو ابتدا ہی ہے۔ محض کپاس کی قیمت بڑھا دینے سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ ایسے کارخانے اکثر ان ہی مقامات پر جاری کیئے جاتے ہیں جہاں

باب ۱۴
فصل ۳

کپاس بہ کثرت کاشت ہوتی ہے۔ پس اب کارخانوں کو بھی مزدوروں کی اجرت بڑھانی پڑیگی ورنہ ان کی کافی تعداد ملنی دشوار ہے۔ بھلا جب مزدور نہ ہوں گے تو کارخانے کیسے چلیں گے۔ پس کارخانوں پر اضافۂ اجرت کا دوگنا بار پڑا۔ کپاس کی قیمت جدا بڑھی اور کارخانوں کے مزدوروں کی اجرت جدا۔ پس اوٹی ہوئی کپاس یعنی روئی کی قیمت میں بھی اضافہ ہونا لازمی ہے ورنہ یہ کارخانے بند ہو جائیں گے۔ ورسوت کاتنے والے کارخانوں کو روئی میسر نہ ہوگی۔ ان کارخانوں کو بھی نہ صرف روئی کی زیادہ قیمت ادا کرنی پڑیگی۔ بلکہ مزدوروں کی اجرت بڑھانی بھی ضرور ہے۔ پس سوت کی قیمت اور بھی چڑھ جائیگی۔ تاکہ اس میں کاشتکاروں کپاس اوٹنے والوں اور سوت کاتنے والوں کے مصارف کے ہر سہ اضافے شامل ہو جائیں اور اس مثال کو طول دی کر یہ ثابت کرنا دشوار نہیں کہ لباس کی قیمت میں ان کے علاوہ کچھ اضافے اور بھی ہوں گے۔ یعنے مذکورۂ بالا تینوں اضافوں کے علاوہ کپڑا بننے والوں، رنگنے والوں، اور درزیوں کی اجرت کے اضافے بھی لباس کی قیمت میں شامل ہو جائینگے۔ حاصل کلام یہ کہ اجرت کی بدولت لباس کی قیمت کہیں سے کہیں چڑھ جائے گی:۔

اگر حالات پیدائش میں کوئی اور تبدیلی نہ ہوئی ہو تو ہم لباس کی مجموعی قیمت پر اُن مزدوروں اور کاریگروں کی اجرت کے اضافہ کا اثر جو کپڑا بنانے میں شریک ہوں جو ریق بالا معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسا سکون کبھی ممکن نہیں کہ ہم صرف کسی ایک خاص تبدیلی کا اثر جداگانہ دریافت کر سکیں۔ بلکہ ایک ہی وقت میں گوناگوں تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً جب مزدوروں کی اجرت بڑھی ہے۔ غالباً وہ اب لباس میں زیادہ روپیہ صرف کرینگے۔ اور چونکہ ان میں سے اکثر کے پاس اب تک لباس ناکافی تھا اب روئی کے کپڑے کی طلب میں بہت اضافہ ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ قیمت متوازنہ بھی بدل جائے گی۔ مگر ریلیں بہت پھیل گئی ہیں اور ان کے ذریعے سے اب سوت کاتنے کے کارخانے اُن دور دراز مقامات سے بھی روئی منگا سکتے ہیں کہ جہاں سے بوجہ بیشی مصارف باربرداری پہلے روئی منگانی محال تھی۔ گویا ریلوں کے وسیلے سے روئی کی رسد بڑھ گئی اور سوت کاتنے والوں کو اب کم قیمت پڑنے لگی۔ سوت کے نرخ میں بھی تخفیف ہو جاوے گی۔ اور بالآخر کپڑے کی قیمت بھی گھٹنے لگی ممکن ہے کہ اسی دوران میں

سوت کاتنے کی بہتر کلیں آگئی ہوں کوئلہ اور ایندھن کا نرخ بدل گیا ہو۔ اور عجب نہیں باب جلد
کہ پیدائش وصرف کی حالت میں اور بھی چند در چند تبدیلیاں نمودار ہو گئی ہوں پس واضح فصل ۔
ہوا کہ کپڑے کی معمولی قیمت اس کے مصارف پیدائش کے مساوی رہتی ہے۔ مگر مصارف
پیدائش خود کم وبیش ہوتے رہتے ہیں۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ عرصہ دراز تک معمولی قیمت
کی ایک ہی مقدار قائم رہے۔ اس میں بھی مصارف پیدائش کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ہونی
لازمی ہیں؛

اسی طرح مٹی کے تیل کی تجارت پر غور کرو۔ شمالی ہندوستان میں اس کا رواج ابھی
تھوڑے دنوں سے پھیلا ہے۔ ورنہ پہلے روغن دار تخموں سے جو تیل نکلتا تھا وہی روشنی کے
واسطے کام آتا تھا۔ مثلاً سرسوں کا تیل، تل کا تیل، ارنڈی کا تیل۔ جب مٹی کا تیل اول اول
آیا تو وہ کنستروں میں بھر بھر کر آتا تھا اور کنستر لکڑی کے صندوقوں میں رکھے ہوتے تھے۔
لیکن اس طریق پر تیل باہر بھیجنے میں خرچ بہت پڑتا تھا۔ اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے،
کہ کسی چیز کو ایسی جگہ پہنچانا جہاں وہ صرف میں آسکے پیدائش کی حالت کی ایک صورت ہے
پس مال بھیجنے کے مصارف بھی مصارف پیدائش میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ اوائل اول
مٹی کا تیل گراں تھا اور صرف خوش حال لوگ اس کو استعمال کرتے تھے۔ لیکن اس سے
چونکہ ایک احتیاج پوری ہوتی تھی رفتہ رفتہ اس کا رواج بڑھا حتیٰ کہ تیل نکالنے والوں
کو خود ایسی ترکیبیں اختیار کرنے کا خیال پیدا ہوا کہ مصارف باربرداری گھٹ جائیں۔ اکثر لوگوں
نے دیکھا ہوگا کہ ریل کے اسٹیشنوں کے قریب تیل کے کارخانوں کی طرف سے عالیشان
عمارتیں بن گئی ہیں جہاں تیل کا بہت سا ذخیرہ رہتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ بڑے بڑے
آہنی پیپوں میں تیل بھر کر ان کو مال گاڑی پر رکھ کر لاتے ہیں اور ان عمارتوں کے اندر بھی
بڑے بڑے کنڈ بنے ہوتے ہیں پیپوں کا تیل بھر دیتے ہیں۔ پس کنستروں اور صندوقوں
کا کل خرچ بچ رہتا ہے اور باربرداری کے مصارف بھی بہت کم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ
ریلوے اسٹیشنوں کے قرب وجوار میں اب تیل بہ مقابل سابق بہت ارزاں فروخت ہوتا ہے
یہاں بھی ہم نے صرف ایک ایسی تبدیلی پیش نظر رکھی ہے جس سے مصارف پیدائش
میں تخفیف ہوئی۔ مٹی کے تیل کی تجارت میں جو جو تبدیلیاں عمل میں نمودار ہوئیں ان میں بعض تو معمولی قیمت کے
اضافہ کی ساعی تھیں اور بعض تخفیف کا باعث۔ لیکن وہ سب تبدیلیاں بہت پیچیدہ ہیں اور یہاں ان سے

باب چہارم
فصل ۳
وقت کی بحث

بحث کرنی بے محل معلوم ہوتی ہے ۔

جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں ۔ یہاں پر ان تمام اسباب کی چھان بین کرنی مقصود نہیں جن کا چیزوں کی معمولی قیمت پر اثر پڑتا ہے ۔ یہ بحث بہت دشوار ہے اول اول طالب علم کو تقسیم دولت کے بیان میں ابتدائی مباحث پر اکتفا کرنا چاہیے ۔ لیکن دشواری کا سب سے بڑا باعث وقت کا مسئلہ ہے اس کے متعلق چند الفاظ لکھنے ضروری معلوم ہوتے ہیں ۔ اگر ہم صرف ایک دن یا ایک ہفتہ پیش نظر رکھیں تو بسہولت بہت سی چیزوں کے مصارف پیدائش کا ٹھیک ٹھیک حساب بنا سکتے ہیں ۔ یعنی معمولی قیمت دریافت کرلیں اور وہ قریب قریب مصارف پیدائش کے برابر ہوگی ۔ لیکن جب زیادہ طویل زمانے سے سابقہ پڑے تو وقت پیش آتی ہے ۔ کیونکہ معمولی قیمت کی جو مقدار اس دور کے شروع میں تھی آخر میں وہ نہ ہوگی بلکہ کم یا بیش ہو جائیگی ۔ بہت کم معاشی اسباب ایسے ہیں جنکا اثر فوراً یا جلد ظاہر ہو جاتا ہو ورنہ بعض کا اثر تو سالہا سال کے بعد نمودار ہوتا ہے ۔ پس جب ہم کو کسی سبب کا اثر دریافت کرنا ہو تو یہ غور کر لینا بھی ضرور ہے کہ وہ اثر کتنے عرصے میں ظاہر ہوگا ۔ اس بحث کی دقت طلباء کو اس وقت محسوس ہوگی جبکہ توازن رسد وطلب کے کل پہلوؤں پر نظر ڈال کر وہ اس مسئلے پر عبور حاصل کرنیکی کوشش کرینگے ۔ معاشیات کی بڑی بڑی تصانیف میں اس مسئلے کی مفصل بحث موجود ہے ۔ اس کے مطالعے سے دقت اور پیچیدگی کا کچھ اندازہ ہوگا ۔ یہاں پر تو صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ وقت کی بحث سے خاص قسم کی دشواری پیدا ہو جاتی ہے ۔

فصل اکتیس ۳۱

نتائج

کتاب کے شروع میں ہم نے بیان کیا تھا کہ علم معاشیات کا مرکزی مسئلہ یہ ہے کہ چیز کی کوئی مقدار جو کسی قیمت کے حساب سے فروخت ہوتی ہے تو کس اصول کی بنا پر ہوتی ہے۔ کیونکر مقدار معین ہوتی ہے اور کس طرح قیمت قرار پاتی ہے۔ اس دشوار سوال کا جو جواب اب تک دریافت ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے:

(۱) جس بازار میں بھی کسی چیز کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ قیمت بڑھنے سے مقدار مطلوبہ گھٹتی ہے۔ اور قیمت گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے۔

(۲) اس کے برعکس کسی چیز کی اُس مقدار میں جو بغرض فروخت پیش کی جائے یا بالفاظ مختصر اس کی رسد میں قیمت بڑھنے سے اضافہ ہوتا ہے اور قیمت گھٹنے سے تخفیف ہوتی ہے:

(۳) بازار میں جو نرخ طے کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیمت متوازنہ قرار پا جاتی ہے۔ یعنی ایسی قیمت کہ اس کے حساب سے لوگ جتنا مال فروخت کرنا چاہیں اتنا ہی مال دوسرے لوگ خریدنا بھی پسند کریں نہ کم نہ زیادہ۔ یا بالفاظ مختصر وہ قیمت کہ جس پر رسد و طلب میں توازن پیدا ہو جائے:

(۴) بازاری قیمت میں تو روز روز کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر جب تک پیدائش یا صرف کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہو وہ مصارف پیدائش کے قریب ہی قریب رہتی ہے۔ کیونکہ جہاں وہ زیادہ گھٹتی بڑھتی ہے کچھ اسباب پیدا ہو کر خود بخود اسکی اصلاح کر دیتے ہیں اور اکثر معمولی قیمت مصارف پیدائش کے ہم پلہ رہتی ہے:

اجمالِ فصل ۳

ہم جتا چکے ہیں کہ جب دولت کی پیدائش اجارے کے تحت میں جاری ہو تو یہ نتائج منطبق نہ ہوں گے لیکن یہ بحث آیندہ کے واسطے ملتوی ہو چکی ہے۔ ہندوستانی دستکاروں کے بعض بعض طبقوں کو بھی ہم بطور مستثنےٰ پیش کر چکے ہیں انکے متعلق بھی بحث آیندہ ہو سکے گی۔ اس سے قبل بھی ان مستثنیات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے یہاں پھر احتیاطاً یاد دہانی کر دی گئی :

(۵) واقعہ یہ ہے کہ پیدائش اور صرف کی حالت برابر تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ ان تبدیلیوں کے اثر سے مصارف پیدائش بھی بدلتے رہتے ہیں اور بالآخر معمولی قیمت بھی کم یا بیش ہو جاتی ہے جن جن اسباب کی وجہ سے معمولی قیمت میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے ان کی تفصیل بحث بھی آیندہ پر ملتوی رہی۔ صرف یہ اشارہ کر دیا گیا کہ وقت کی بحث سے خاص دشواری پیدا ہو جاتی ہے :

بحث کی پیچیدگی

پس معلوم ہوا کہ ہم نے جو سوال اٹھایا تھا کہ کس اصول کے مطابق کسی چیز کی کوئی مقدار کس قیمت پر فروخت ہوتی ہے اس کا جواب دینا کوئی سہل بات نہیں ہے انسان کی زندگی کتنی پیچیدہ ہے۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا ہے یہ پیچیدگی اور بھی بڑھ رہی ہے اور معاشیات جیسا علم کہ جو بہت کچھ انسانی زندگی سے بحث کرتا ہے کیونکر سہل اور سادہ بن سکتا ہے۔ اس کو بے شمار اسباب سے سابقہ پڑتا ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ اپنا عمل کرتے رہتے ہیں اور ان میں بعض کا رجحان کسی طرف ہے اور بعض کا کسی طرف ہم کو تو صرف وہ نتیجہ نظر آتا ہے جو ان تمام اسباب کے ملے ہوئے اثرات سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس نتیجے کی تنقیح کے واسطے ان تمام اسباب کا ایک ایک کرکے پتہ چلانا اور یہ تحقیق کرنا کہ ہر ایک کے اثر کو اس نتیجے کی تیاری میں کس درجہ دخل ہے ضروری ہے۔ عام لوگ تو اتنی تکلیف گوارا کرتے نہیں ان کو اگر منجملہ بہت سے اسباب کے کوئی ایک سبب بھی ایسا معلوم ہو جائے کہ جس کو نتیجے سے کچھ بھی تعلق ہو تو پھر وہ قناعت کر لیتے ہیں اور اسی سے ان کی تشفی ہو جاتی ہے مثلاً کچھ عرصے سے ہندوستان میں غلے کا نرخ چڑھ گیا ہے۔ پس معمولی آدمی تو اس گرانی کے اسباب میں کوئی ایک سبب جو ان کو معلوم ہو گا لے اڑینگے اور اسی کو گرانی کا باعث کہنے لگیں گے۔ چنانچہ اکثر ہندوستانی اخبار گرانی غلہ کی بحث کرتے وقت یا تو خرابی موسم کو

اس کا باعث قرار دیتے ہیں یا ریلوں کے اجرا کو یا تجارت برآمد کو گویا منجملہ دس بارہ اسباب کے جو لوگوں کو معلوم ہیں کسی ایک کو لیکر بزعم خود اس سے گرانی کی پوری پوری توجیہ کرتے ہیں۔ لیکن انسان کی زندگی کے معاملات ایسے سہل اور سادہ نہیں کہ کوئی یوں تا ... سمجھا دے۔ اور اگر کوئی معاشی نتیجہ درحقیقت سمجھا مقصود ہو تو ضرور ہے کہ ... اسباب کا ایک ایک کر کے پتہ لگایا جائے جن کو نتیجے سے کچھ بھی تعلق ہو۔ اور پھر یہ تحقیق کیا جائے کہ ایک سبب کے عمل کو نتیجہ پیدا کرنے میں کہاں تک دخل ہے اور چونکہ بہت سی باتیں جو ... سبب معلوم ہوتی ہیں فی نفسہ دوسرے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہیں سلسلہ بہ سلسلہ بہت سے اسباب تحقیق کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً قیمت بڑھنے کا ایک سبب اضافہ اجرت ہی لیکن اضافہ اجرت اور کئی اسباب کا نتیجہ ہے چنانچہ ہم آگے چلکر اس قول کی تشریح کرینگے پس گرانی بہت سے اسباب کا نتیجہ ہوئی اور ان تمام اسباب کی تحقیق ضروری ہے ورنہ مسئلہ گرانی ویسے کا الجھا رہ جائیگا۔

تجربے سے ثابت ہوا کہ ایک ساتھ بہت سے اسباب کا مطالعہ کرنا دشوار بلکہ محال ہے۔ پیچیدہ مسائل کے معلوم کا طریق ... دماغ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا جیسا کہ دیگر علوم کے طلبار کا قاعدہ ہے۔ معاشی بھی ایک وقت میں ایک ہی سبب تحقیق کرتا ہے۔ وہ فرض کر لیتا ہے کہ گویا وہی ایک سبب عمل پیرا ہے اور تحقیق کرتا ہے کہ اگر درحقیقت کوئی اور سبب یا اسباب دخل نہ دیں تو اس ایک سبب کا جداگانہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے وہ باقی اسباب کا بھی مطالعہ کرتا ہے اور اسی دوران میں ترتیب دیتا جاتا ہے کہ کون کون سبب تو اس پہلے سبب کے موافق ومعاون ہیں اور کون کون مخالف ومنافی اور بالآخر اس اصلی نتیجے کی توجیہ جس کی تحقیق مقصود تھی کم وبیش اصلی حالات کے مطابق ہو جاتی ہے اتنی تحقیق اور وسعت نظر کے بعد یہ حکم لگانا بھی ممکن ہے کہ اگر فلاں سبب یا اسباب جو عمل پیرا ہیں قوی یا ضعیف ہو جائیں تو نتیجے پر اس کا کیا اثر پڑیگا۔

مطالعے کا جو طریق اوپر بیان ہوا اس کی مثال اسی باب کے مباحث میں موجود ہے ہم نے بازار کے بیان میں اول اول ایسے شرائط فرض کر لیے جن کا درحقیقت کوئی وجود نہیں ... اور پھر نہایت سادہ حالات کے تحت میں یہ دریافت کیا کہ قیمت متوازن کیونکر قرار پاتی ہے پھر ہم نے تحقیقات میں توسیع کی۔ اور ... پتہ چلایا کہ اگر مفروضہ شرائط میں ...

باب چہارم فصل ۲۱

فلاں فلاں نظر انداز کر دی جائیں تو نتیجے میں کیا فرق پیدا ہوگا اور اسی طرح بعد کو اصل واقعات کی توجیہ ہوگئی۔ پھر ہم نے اسباب کا ایک اور مجموعہ لیکر یہ تحقیق کیا کہ ایک معمولی قیمت ہوتی ہے۔ اور بازاری قیمت ہمیشہ اسی کی طرف عود کرتی رہتی ہے اسطرح اسباب کے ایک دوسرے مجموعے سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ معمولی قیمت خود بھی کچھ عرصے بعد گھٹتی بڑھتی ہے۔ پھر بھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تحقیق یہاں ختم ہوگئی اول تو ہم نے اجارے کی بحث آیندہ پر ملتوی کر دی اور وہ نہ صرف علمی بلکہ عملی حیثیت سے بھی بہت توجہ طلب اور اہم ہے۔ دوسرے ان اسباب کی تحقیق بھی ملتوی رہی کہ جن کی بدولت معمولی قیمت میں تغیر تبدل ہوا کرتا ہے حاصل کلام یہ کہ جو مسئلہ زیر تحقیق ہے اس کو ابھی ہم نے مکمل اور تشفی بخش طور پر حل نہیں کیا البتہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرین حقیقت ضرور ہے بالفاظ دیگر جو کچھ بیان کیا گیا وہ صحیح اور درست ہے لیکن ناکافی ہے اور مسئلے کی مکمل تحقیق کے واسطے ابھی بہت کچھ بحث ہونی باقی ہے۔

جب معاشی اس طور پر تحقیق شروع کریں تو ان کا فرض ہے کہ اچھی طرح پر دوسروں کو بھی جتا دیں۔ مثلاً جب کسی ایک سبب واحد کا مطالعہ کیا جائے تو سا سب سے قبول پر واضح کر دینا ضروری ہے کہ باقی اور اسباب کو معطل فرض کر لیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم رہے کہ وہ تمام بحث حالت سکون کے مفروضے پر مبنی ہے۔ بعض قدیم مصنفوں۔ مثلاً ریکارڈو نے۔ اس معاملے میں بہت بے پروائی برتی ہے جب کچھ فرض کرتے ہیں تو مفروضہ کو صاف طور پر نہیں جتا دیتے اور مفروضات پیش نظر نہ ہونے سے لوگوں کو طرح طرح کے مغالطے پیدا ہوتے تھے۔ طلباء کو بھی چاہیئے کہ ایسے مفروضات سے خبردار رہیں۔ مصنف نے جو باتیں فرض کی ہوں، بحث پڑھتے وقت انکو ملحوظ رکھیں اور جب طلبا اس علم سے کافی واقف ہو جائیں تو قدیم تصانیف پڑھ پڑھکر انھیں خود پتہ چلانا پڑیگا کہ فلاں بحث میں کیا کیا مفروضات مضمر ہیں جو بیان نہیں کیے گئے۔

معمولی قیمت کی بحث میں ایک مفروضہ اس قدر اہم ہے کہ گو وہ چھٹی فصل میں بیان ہو چکا ہے تاہم یہاں اس کی یاد دہانی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ تمام بحث میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ زر کی قوت خرید میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بازاری قیمت میں جو رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے متعلق تو یہ مفروضہ مفروضہ نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ زندگی

قوتِ خرید اس قدر جلد جلد نہیں بدلتی چنانچہ بازاری قیمت کے بیان پر اس مفروضے کا کچھ اثر نہیں پڑتا البتہ جب معمولی قیمت کی بحث پیش ہو تو اس [illegible] اس قدر طویل زمانہ موجود ہوتا ہے کہ اس کے دوران میں زر کی قوتِ خرید کا گھٹ بڑھ جانا بہت ممکن ہے [illegible] یہ تبدیلی پیش نظر نہ رہے تو بہت کچھ مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ سردست تو طلبا کو صرف یہ جاننا کافی ہے کہ قیمت کی بحث میں یہ مفروضہ داخل ہے کہ زر کی قوتِ خرید میں تیز تبدیلی نہیں ہوتا۔ آگے چل کر ان کو معلوم ہوگا کہ اگر معمولی قیمت کے بجائے معمولی قدر سے بحث کی جائے تو پھر اس مفروضے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ بڑی بڑی تصانیف میں یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ مگر بہ نظر سہولت ہم نے قدر کے بجائے قیمت سے بحث کی اور مفروضہ بھی صاف صاف بتا دیا۔

طلب و رسد ... تقسیم ... مسائل سے متعلق

ہم نے اس باب کی بحث کو معاشیات کا مرکزی مسئلہ قرار دیا ہے وجہ یہ ہے کہ توازن رسد و طلب کی بحث جو ہم نے مال و سامان کی خرید و فروخت کے سلسلے میں پیش کی تھی درحقیقت عاملین پیدائش سے بھی اسی قدر متعلق ہے۔ ہر عامل کے کام کا جو معاوضہ ملتا ہے اس کی بھی اسی بحث سے توجیہ و تشریح ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر آگے چل کر واضح ہوگا کہ مزدوروں کی اجرت، اصل کا سود، آجروں کا منافع، اور زمین کا لگان یہ سب کے سب معاوضے عاملین کی رسد و طلب پر منحصر ہیں ان مباحث کو مجموعی طور پر تقسیم دولت کہتے ہیں۔ اور اگلے باب میں ان ہی کا بیان درج ہے۔

لیکن ابھی تقسیم دولت کا مسئلہ پورا پورا بیان نہیں ہو سکتا مفصل بحث کے واسطے توازنِ رسد و طلب کے مسئلے پر بہت وسعت نظر درکار ہے۔ اور ہم نے اب تک اس پر سرسری نظر ڈالی ہے۔ یہاں پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ چند در چند حیثیتوں سے عاملین بھی کیونکر مال و سامان کے مماثل بن گئے۔ اور کس کس لحاظ سے پھر بھی عاملین پیدائش مال و سامان سے جداگانہ اور مختلف بھی ہیں۔ اس قسم کے ابتدائی بیان سے یہ تو پورے طور پر سمجھ میں آ نہیں سکتا کہ اجرت۔ سود۔ لگان یا منافع کی شرح کیونکر قرار پاتی ہے۔ لیکن رسد و طلب کے متعلق جو [illegible] ان کے مقاصد اور اہمیت کے سمجھنے اور اندازہ کرنے میں اگلے باب کے مطالعے سے ان کو ضرور مدد ملے گی۔

باب پنجم

تقسیم دولت

فصل بتیس ۳۲

ابتدائی بیان

تقسیم دولت کی ماہیت

یہ تو واضح ہو چکا کہ چند عاملین کے ملنے سے دولت پیدا ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ دولت پیدا ہونے کے بعد کیونکر ان لوگوں کے باہم تقسیم ہوتی ہے جنھوں نے وہ عاملین مہیا کیے ہیں۔ معاشیات کی اس بحث کو اصطلاحاً تقسیم دولت کہتے ہیں؛

ایسی حالت تصور کرنی ممکن تو ہے کہ پیدا شدہ دولت کے تقسیم کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن، درحقیقت ایسا بہت کم واقع ہوتا ہے کہ تمام پیداوار ایک ہی شخص کی ملک بن جائے۔ اگر کوئی بلا شرکت غیر کسی زمین کا مالک ہو اور خود ہی اسمیں کھیتی باڑی کرے تو اور کوئی اس بنا پر کہ پیدائش میں اس نے ہاتھ بٹایا ہے پیداوار میں حصّے کا دعوے نہیں کر سکتا بلکہ سب پیداوار اسی ایک شخص کی ملک رہیگی۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں کہ دوسروں کی شرکت بغیر کوئی تن تنہا دولت پیدا کرے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ لوگ ملکر عاملین پیدائش مہیا کرتے ہیں اور جو کچھ دولت پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سے اپنے اپنے عامل یا عاملین کی کارگزاری کے حساب سے اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں۔ پیدائش کے اولین دور میں، لوگ اپنی ضروریات

خود ہی مہیا کرتے تھے۔ کاشتکار گو اپنا کاروبار خود ہی سنبھالتا تھا۔ یعنی بیشتر خود ہی کھیتی باڑی میں محنت کرتا تھا اور اپنی طرف سے اصل بھی لگاتا تھا۔ لیکن زمین پھر بھی بالعموم زمیندار سے لینی پڑتی تھی۔ اور زمیندار زمین کی کارگزاری کے معاوضے میں لگان وصول کرتا تھا۔ یہ لوگ اپنی محنت کے بدلے اجرت پاتے تھے۔ اور اگر اصل قرض لیا جاتا تو قرض خواہ کو سود دینا پڑتا تھا۔ اسی طرح پیدائش کے دور ثانی میں جس کو وہ دستکاران کی کہتے ہیں۔ دستکار جو اپنا کاروبار چلاتا ہے تو خود ہی محنت کرتا ہے اور کم و بیش اصل بھی اپنی ہی جیب سے لگاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دوسرے کی زمین پر رہ کر کام کرتا ہے۔ تو اس کو زمین کا لگان یا کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اگر مزدور رکھتا ہے تو اجرت دیتا ہے۔ اور اگر اصل قرض لیتا ہے تو اس پر سود ادا کرتا ہے۔ پیدائش کے تیسرے دور میں جس کو کارخانوں کا عہد کہتے ہیں۔ بعینہٖ مختلف گروہوں کو لگان، اجرت اور سود ادا کیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کا باعث یہ ہے کہ لوگ بلامعاوضہ مدد نہیں دیتے۔ جس طرح مزدور اپنی محنت کی اجرت چاہتا ہے، عام طور پر وہ لوگ بھی جن کے پاس زمین یا اصل ہو معاوضہ لیے بغیر دوسروں کو ان کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے۔ اب یہ سوال پیش ہے کہ مختلف عاملین پیدائش مہیا کرنے والے لوگ پیداوار میں کیونکر اپنا اپنا حصہ قرار دیتے ہیں:

جب کوئی مال تیار ہوتا ہے تو اس کی قیمت میں سے مدات ذیل کے حساب سے مطالبات پورے کرنے پڑتے ہیں:

(۱) سود

(۲) لگان

(۳) اجرت

(۴) اجرت تنظیم

تقسیم دولت میں یہی بحث در پیش ہے کہ مطالبات کی مقداریں کیونکر قرار پاتی ہیں۔ لیکن مال کی قیمت پر چند مطالبات اور بھی عائد ہوتے ہیں جن کو مختصر اً بیان کیا جاتا ہے

(۵) مطالبات فرسودگی اصل

(۶) ٹیکس یا محصول

اصل دائر کے متعلق تو صاف ظاہر ہے کہ اصل صرف ہونے پر بار بار جدید اصل

اب پھر
فصل ۲۲

لگانا پڑتا ہے۔ مثلاً نور باف جو کپڑا فروخت کرے تو اس کی قیمت میں سے اس سوت کے دام نکلنے ضروری ہیں جو کپڑا بننے میں کام آیا ہو کاشتکار کو ہر فصل پر تخم کی ضرورت پڑتی ہے اور پیداوار میں سے تخم بچانا ہوتا ہے۔ شکر سازی کے کارخانے میں پیداوار خام۔ ایندھن اور اجرت کی مدوں میں جو کچھ خرچ ہو وہ سب رقم شکر کی قیمت سے وصول ہوتی ہے۔ لیکن اصل قائم بھی بتدریج فرسودہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کو کبھی نہ کبھی دوبارہ مہیا کرنے کا پہلے ہی سے بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ عمارتیں کلیں اور آلات و اوزار ہمیشہ تو قائم رہتے نہیں۔ کچھ عرصے میں بوسیدہ اور از کار رفتہ ہو ہی جاتے ہیں۔ اور کبھی نہ کبھی ان کو بدلنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اگر کارخانہ دار پیداوار میں سے تھوڑا تھوڑا اس غرض کے لئے پس انداز نہ کرتا رہے اور کل آمدنی باقی مدوں میں تقسیم کر دیا کرے تو بالآخر ایک دن ایسا آئیگا جبکہ اصل قائم کے فرسودہ ہو جانے سے کارخانہ ہی بند کرنا پڑیگا۔ سب اچھے اچھے کارخانے پیداوار میں سے کچھ نہ کچھ مطالبات فرسودگی کی مد میں بچاتے رہتے ہیں تاکہ جب موجودہ اصل قائم از کار رفتہ ہو جائے تو اس اندوختہ سے جدید اصل قائم مہیا ہو سکے۔ چنانچہ سالانہ یا ششماہی آمدنی کا حساب کرتے وقت کارخانہ داران مطالبات کو منہا کر دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کارخانے اس مد کو یعنی مطالبات فرسودگی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور بالآخر جب اصل قائم از کار رفتہ ہو جاتا ہے۔ تو جدید اصل مہیا کرنے میں سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ کوئی کاشتکار پچاس روپے میں بیل کی جوڑی خریدے۔ اب اگر اس جوڑی سے دس برس تک کام چلنے کی توقع ہو تو کاشتکار کو چاہیئے کہ پانچ روپے سال پس انداز کرتا رہے تاکہ دس برس بعد جب یہ جوڑی بیکار ہو جائے تو وہ دوسری جوڑی خریدے بلکہ اگر کاشتکار اپنا روپیہ سود پر بنک میں جمع کرتا رہے تو پانچ روپے سال سے کم رقم پس انداز کرنی پڑیگی۔ کیونکہ دس سال کے آخر میں جو پچاس روپے درکار ہوں گے ان کا ایک جزو بنک کے سود سے نکل آئے گا مگر ہندوستانی کاشتکار بنک سے حساب و کتاب کم رکھتے ہیں۔ اور وہ شاید اس طریق سے فائدہ نہ اٹھا سکے بلکہ دور اندیشی کا مقتضا ہے کہ کاشتکار تھوڑی سی مزید رقم بطور بیمہ جمع کرتا رہے۔ تاکہ اگر جوڑی دس سال سے قبل ہی بیکار ہو جائے تو نئی جوڑی خریدنے میں کم دقت پڑے۔ مثلاً جوڑی چھ برس ہی

شامل ہو جائے تو پانچ روپے سال کے حساب سے تو اس وقت تک صرف تیس روپے
واجب ہوں گے البتہ اگر کچھ مزید رقم نفع کی مد میں جمع ہوتی رہی تو پچاس میں تھوڑی کمی رہ گئی
ہیجے کے طریق نے آجکل بہت رواج پا رکھا ہے۔ معاشیات کی بڑی بڑی تصانیف میں
اس کا مفصل بیان موجود ہے۔ بنظر اختصار ہم نے بیان صرف اشارہ پر اکتفا کیا۔ یہ امر
ہے کہ کاشتکار کو مطالبات فرسودگی کا جمع کرنا بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ جب بیل مر جاتے
ہیں تو یا تو روپے قرض لیکر کاشتکار نئے بیل خریدتے ہیں یا کھیتی باڑی چھوڑ بیٹھتے ہیں
حالانکہ زراعت ہی ان کا ذریعۂ معاش ہے حاصل کلام یہ کہ پیداوار میں سے اول تو کچھ
مطالبات فرسودگی نکلنے چاہئیں۔ خواہ اصل دائر ہو یا قائم۔ یعنی ایک ہی مرتبہ صرف ہونے
میں ختم ہو جائے یا کچھ عرصے تک صرف میں آتا رہے۔ مطالبات منہا ہونے کے بعد جو کچھ بچے
وہ مختلف عاملین مہیا کرنے والوں میں اُن کے عاملین کی کارگذاری کے حساب سے تقسیم
ہونا چاہیئے:

دوسری مد یعنی ٹیکس یا محصول وہ رقم ہے جو سرکار یا کسی مقامی حکومت مثلاً میونسپلٹی
یا انجمن صفائی کو لوگ حکماً ادا کریں۔ یہ رقم قانون کے ذریعے سے مقرر ہوتی ہے۔ معاشی اسباب
کو تعین میں کوئی دخل نہیں۔ محصول کے معاشی نتائج بہت کچھ اہم ہو سکتے ہیں۔ اور ان کا
مطالعہ معاشیات کا ایک خاص جزو مانا جاتا ہے۔ سردست اس قدر جاننا کافی ہے
کہ پیداوار کا ایک جزو بطور محصول سرکار کو بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور عاملین پیدائش
مہیا کرنے والوں کے درمیان وہ تقسیم نہیں ہو سکتا:

مذکورۂ بالا دو مدیں یعنی مطالبات فرسودگی اور محصول منہا کرنے کے بعد جو کچھ
باقی بچے وہ چار مدوں میں تقسیم ہو کر عاملین پیدائش کی کارگذاری کا معاوضہ ہوتا ہے
اصل کا معاوضہ سود، زمین کا لگان، محنت کی اجرت۔ اور کاروباری نظام کا معاوضہ
جو ایک خاص قسم کی محنت ہے۔ اجرت تنظیم کے نام سے جداگانہ شمار ہوتا ہے جیسا کہ
اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ پیدائش دولت کا انتظام کئی طریقوں پر ہو سکتا ہے اور سلسلہ
تقسیم دولت ہر طریق پر منطبق اور چسپاں ہوتا ہے۔ لیکن ہم بحث میں موجودہ طریق نظام
کو مد نظر رکھتے ہیں۔ یعنی کوئی شخص یا جماعت کاروبار شروع کرتی ہے۔ لگان پر زمین لیتی
ہے۔ اجرت پر مزدور رکھتی ہے اور سود پر اصل رقم بطور قرض لیتی ہے۔

ا۔بکم
فصل ۲۲

یا تاجر اصطلاحاً آجر کہلاتی ہے۔ آجر کی حیثیت میں یہ خصوصیت ہے کہ زمین محنت اور اصل کا معاوضہ تو وہ بشرح معین ادا کردیتا ہے، اور پیداوار میں سے جو باقی بچے وہ اس کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ پس اگر کاروبار خراب ہو جائے تو ممکن ہے کہ اس کو کچھ بھی نہ بچے۔ بلکہ دوسروں کو مقررہ معاوضے ادا کرنے بھی دشوار ہو جائیں۔ یہی وہ موقع پیدائش ہے، جس کے تحت میں لگان، اجرت، سود اور اجرت تنظیم کے مسائل مودار ہوتے ہیں :

معلوم ہوا کہ آجر کو کاروبار سے جو کچھ آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ اجرت تنظیم سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں ان عاملین پیدائش کی کارگذاری کا معاوضہ بھی شامل ہوتا ہے جو اُس نے خود مہیا کیے تھے مثلاً زمین کا لگان، اصل مستعار کا سود اور مزدوروں کی اجرت دینے کے بعد جو کچھ کاشتکار کو بچتا ہے وہ کل کا کل اس کی اجرت تنظیم شمار نہیں ہو سکتا۔ اس نے بھی تو آخر مزدوروں کی طرح کھیتی میں محنت کی ہے، کچھ اجرت ملنی چاہیئے۔ غرض کہ کاشتکار کی آمدنی میں تین چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ اجرت سود اور کچھ اجرت تنظیم۔ علیٰ ہذا جب۔ مالک کارخانہ خود ہی انتظام بھی کرے تو اُس کی آمدنی میں کچھ تو اس کے اصل کا سود شامل ہوتا ہے اور کچھ اس کی محنت یعنی انتظام کاروبار کی اجرت۔ اس کی آمدنی کا ذریعہ یہی دو مدیں ہوتی ہیں۔ جبکہ یورپ میں معاشیات نشوونما پارہا تھا اتفاق سے اُس زمانے میں کارخانوں کے منتظم خود ہی اصل بھی مہیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اول اول اجرت تنظیم اور اصل کے سود میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ آجر کی کل آمدنی بحیثیت مجموعی منافع کہلاتی تھی۔ مگر بعد کو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ سود اور اجرت تنظیم قرار پانے کے مختلف قانون ہیں اور ان دو مدوں میں تفریق کیئے بغیر منافع کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ پس اس مصلحت سے اب دونوں مدوں کو جدا جدا شمار کرتے ہیں خواہ وہ ایک ہی شخص کی ملک ہوں۔ چنانچہ قدیم تصانیف میں تو منافع سے بحث کی گئی ہے مگر جدید مصنفین اس کے بجائے سود اور اجرت تنظیم کو جدا جدا بیان کرتے ہیں :

آجر ہی ایک ایسا شخص نہیں جس کو دو یا زیادہ ذرائع سے آمدنی حاصل ہوتی ہے جبکہ زمیندار اپنے آسامی یعنی کاشتکار کو روپیہ قرض دیتا ہے تو اس رقم پر سود وصول

لرتا ہے۔ جو زمین کے لگان سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ گویا اس کی آمدنی کا کچھ حصہ تو لگان [illegible] ہوتا ہے۔ اور کچھ سود۔ اسی طرح جب زمیندار کھیت کی اصلاح اور درستی میں روپیہ [illegible] لگاتا ہے تب بھی وہ کاشتکار سے سود وصول کر لیتا ہے۔ [illegible] سود بہ شکل اضافہ لگان لیا جاتا ہے۔ جیسا پیداوار کا [illegible] ادا کرتا ہے۔ اس میں اکثر ایک حصہ [illegible] وان دونوں مدوں میں ایک خاص وجہ سے [illegible] پانے کے قانون جدا ہیں اور سود کے [illegible]

پس معاشی کسی شخص کی آمدنی سے بحیثیت مجموعی بحث [illegible] اس کو یہ بھی تحقیق کرنا ضروری ہے کہ آمدنی کن کن ذرائع سے حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ جو ذرائع ہیں ان میں سے ہر ایک کا اس آمدنی میں کتنا کتنا حصہ ہے۔ ساتھ ہی [illegible] یہ بھی ضروری ہے کہ آمدنی بہ تمام و کمال شمار ہو۔ بعض لوگوں کو اس طور سے معاوضہ ملتا ہے کہ جس سے اُن کی آمدنی کی بعض مدیں نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں [illegible] سائیس کو تین روپے ماہوار ملتی ہے۔ لیکن اس کی آمدنی صرف تین روپے شمار کرنا غلطی ہے کیونکہ اس کو تنخواہ کے علاوہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے رہنے کے لیے [illegible] کھانے پینے کے لیے کچھ غلہ جاڑے کے موسم میں کمبل اور اسی قسم کی چیزیں بھی ملتی ہیں۔ پس سائیس کی آمدنی میں تنخواہ کے علاوہ یہ سب چیزیں شمار ہونی چاہییں۔ جن کو روپے کے علاوہ کچھ چیزیں اور رعایتیں بھی بطور معاوضہ ملتی ہیں ان کی آمدنی شمار کرنے کا یہی طریقہ ہے جو ابھی بیان ہوا۔ رعایت کی بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً [illegible] مل جائے۔ بڑھاپے میں پنشن ملے۔ بیماری میں علاج مفت ہو۔ غرضیکہ وہ تمام رعایتیں آمدنی میں شمار ہونی ضرور ہیں جن کا تخمینہ روپے کے ذریعے سے بیان ہو سکتا ہے۔

تقسیم اور عاملین

تقسیم دولت کا مطالعہ کرتے وقت معاشی کو یہ دریافت کرنا پڑتا ہے کہ لوگ جو عاملین پیدائش مہیا کرتے ہیں۔ ان کی کارگذاری کے معاوضے میں کیا کیا پاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف ایک ہی عامل مہیا کرے تو اس کی آمدنی کے مجموعے سے بحث ہو گی لیکن اگر ایک سے زیادہ عامل مہیا کرے تو ہر ایک عامل کی کارگذاری کے معاوضے میں جتنی جتنی آمدنی حاصل ہوتی ہو ان کی سب مدوں سے جدا جدا بحث کرنی پڑتی ہے۔

۱۴۴ مم
اصل ۲۱

اس طریق سے اُن اسباب پر غور کیا جاتا ہے جو سود، لگان، اجرت اور اجرت تنظیم کی شرح پر اثر ڈالتے ہیں۔ آیندہ بیان سے واضح ہوگا کہ عاملین پیدائش کی حالت بھی بعینہٖ ویسی ہے جیسی کہ گذشتہ باب میں مال اور اسباب کی بیان ہو چکی ہے۔ محنت اور اصل کی رسد و طلب میں بھی ایسا ہی توازن ہوتا ہے جیسا کہ چیزوں کی رسد و طلب میں۔ لگان، سود اور اجرت کو یا وہ قیمتیں ہیں جو ان عاملین کی کارگذاری کے مبادلے میں دی جاتی ہیں مگر ساتھ ہی اس کے ہر ایک عامل کے چند خواص جداگانہ ہیں جن کا لحاظ لازم ہے۔ پس نہ تو زمین سراسر عام چیزوں کے مماثل شمار ہو سکتی ہے اور نہ محنت اور نہ اصل ہو سکتا ہے۔

خرید اور کرایہ پر لینے میں فرق

عام چیزوں اور عاملین پیدائش میں ایک بدیہی فرق ہے اور مفصل بحث سے قبل اسکو بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ چیزیں لینے کا عام طریق تو یہ ہے کہ یکمشت قیمت ادا کر دی اور چیز مبادلے میں لے لی۔ لیکن عاملین پیدائش کی کارگذاری کے معاوضے یا قیمت کا دارمدار وقت کی اس مقدار پر ہے جو ان کی کارگذاری میں صرف ہو۔ بالفاظ دیگر عام چیزیں اکثر خریدی جاتی ہیں لیکن عاملین پیدائش کرایہ پر لیے جاتے ہیں۔ یہ صریح فرق کچھ زیادہ اہم نہیں۔ اول تو چیزوں کا کرایہ پر لینا کوئی انوکھی بات نہیں اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کرایہ پر لینے کا اس قدر عام رواج نہیں جس قدر ان کے خریدنے کا ہے۔ ہم گاڑیاں کرایہ کرتے ہیں مکانات کرایہ پر لیتے ہیں اور کبھی کبھی چند روزہ استعمال کے واسطے میز کرسی اور پلنگ تک کرایہ پر لیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ممکن ہے کہ پیدائش دولت کا کام سرانجام دینے کے واسطے زمین خرید لی جائے، اگرچہ معمولاً وہ کرایہ پر اٹھتی ہے۔ مزدور بھی کسی نہ کسی حد تک خریدنے ممکن ہیں۔ مثلاً ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں غلام خرید و فروخت ہوتے تھے اور بعض نیم متمدن ممالک میں اب بھی یہ تجارت جاری ہے۔ یہی غلام مزدوروں کا کام کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ خریدنے اور کرایہ پر لینے کا فرق کوئی ایسا فرق نہیں جو عام چیزوں اور عاملین پیدائش میں امتیاز قائم کر سکے۔ پس طلبا کو اس پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ عاملین پیدائش کی کارگذاری کا معاوضہ کیونکر قرار پاتا ہے۔ معاوضہ یکمشت ادا ہونے کے بجائے اگر وقتاً فوقتاً ادا ہوتا رہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ بحث کی نوعیت پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

فصل تینتیس ۳۳

سود

سودی قرضہ

یہ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ قرض پر سود لینے دینے کا ہندوستان میں کب سے رواج ہوا۔ بارھویں فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ سود کا رواج پس اندازی کے رواج کے بعد پیدا ہوا ہوگا کیونکہ اندوختہ سے اصل نکلتا ہے اور بغیر پس اندازی کے اندوختہ کا وجود کیونکر ممکن۔ غالباً اول اول تو لوگوں نے اپنا اندوختہ خود ہی بطور راس المال استعمال کیا ہوگا۔ یعنی کام اپنے ہی ذمہ رکھا ہوگا۔ لیکن رفتہ رفتہ کچھ عرصے میں سود پر زر اصل کے قرض لینے دینے کا رواج پھیل گیا۔ ہم با تحقیق نہیں کہہ سکتے کہ ضرور ایسا ہی ہوا لیکن قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم رواج سود کی ایسی ہی ابتدا تصور کر کے ایک فرضی مثال پیش کرتے ہیں جس سے اُس کاروبار پر روشنی پڑے گی جو ہمارے پیش نظر ہے۔

فرض کرو کہ کسی کاشتکار کے ہل چلانے والے بیل یکایک مر گئے اور اس کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ اور بیل خرید لے۔ مگر اس کے ہمسائے نے بہت سا غلہ بچا رکھا ہے۔ پس وہ اس سے درخواست کرتا ہے کہ کچھ غلہ مستعار دیدو تاکہ میں بیل خرید لوں۔ ہمسایہ عذر کرتا ہے کہ اس کو خود اپنی ضروریات درپیش ہیں۔ مثلاً ایک نیا مکان بنوانا ہے۔ کاشتکار اصرار کرتا ہے کہ نئے مکان بنوانے کی کیا جلدی پڑی ہے۔ ایک سال میں قرض وصول ہو جائے تب مکان بنوا لینا۔ ہمسایہ جواب دیتا ہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ اُس وقت تک انتظار کروں۔

کاشتکار اس سوال کا دو طرح پر جواب دے سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہم تم قدیم یا پرانے دوست ہیں۔ مجھ کو سخت ضرورت ہے کھیت جوتنے بغیر میری کیونکر گذر ہوگی

مالنجسم
صل ۴۴

اگر ہمسایہ مروت میں آکر قرض دے کلاتو گویا یہ قرض حسنہ ہوگا اور سود خارج از بحث ہے۔ اگر ہمسایہ مروّت نہ برتے تو کاشتکار دوسرا جواب یہ دے سکتا ہے کہ قرض دینے میں تم کو نفع ہوگا۔ میں اگلے سال تم کو تمہارے غلے سے زیادہ دیدوں گا ہمسایہ لالچ میں آکر قرض دینے پر آمادہ ہو جانے اور یہ قرار پائے کہ پچیس من غلہ دیکر اگلے سال تیس من غلہ وصول کرے گو یا اس طور سے اصل کے قرض لینے دینے کی ابتدا ہوئی۔ اور شرح سود اس خاص معاملے میں بیس فی صدی قرار پائی :

اس مثال کی تفصیل پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے قرض یا سود کے اساسی نکات واقع ہوتے ہیں قرض گیر کو کچھ دولت فوری استعمال کے واسطے درکار ہے۔ اور اس احتیاج کو پورا کرنے کی غرض سے وہ اس بات پر رضامند ہو جاتا ہے کہ کچھ روز بعد قرض سے زیادہ مقدار ادا کرے۔ یہ احتیاج بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ باب سوم میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کو پورا کرنے کے واسطے لوگ اسی طرح دولت ادا کرتے ہیں جیسے کہ کوئی روپیہ دیکر گھی خریدے۔ قرض دہندہ کے پاس کچھ دولت موجود ہے چاہیے تو اس سے وہ اپنی احتیاجات پوری کرے لیکن اس کا خیال ہے کہ سال بھر بعد جو زیادہ دولت قرض دار سے وصول ہوگی اس سے بیشتر احتیاجاً پوری ہو سکیں گی بہ مقابل اسکے کہ موجودہ دولت ابھی صرف کردی جائے بالفاظ دیگر سال بھر بعد زیادہ احتیاجات پوری ہوں گی۔ اور اس وقت کم۔ پس انتظار کرنا ہی بہتر ہے۔ اس وقت دولت صرف کرنے میں اتنا فائدہ نہیں ہے جتنا کہ سال بھر انتظار کرنے کے بعد صرف کرنے میں ہوگا :

تعیین شرح سود

اوپر کی مثال میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ شرح سود قرار پانے سے قبل فریقین قرض کے معاملے میں کچھ بات چیت کرتے ہیں۔ اور ان کی حیثیت اس معاملے میں بالکل وہی ہے جو کسی چیز کے خریدار اور فروشندے کی ہوتی ہے۔ قرض گیر کم سے کم سود ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور شرح سود کی ایک حد ہے کہ اس سے بڑھ کر قرض گیر ادا کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ خریدار کا بھی قیمت کے معاملے میں یہی طرز عمل ہوتا ہے مثلاً اگر قرض گیر دیکھے کہ قرض کا دوگنا بطور سود ادا کرنا پڑیگا تو غالباً وہ قرض لینے کی جرأت نہ کریگا۔ اتنا سود بھلا کہاں سے

مانگیگا۔ البتہ ممکن ہے کہ زیادہ سے زیادہ پچاس فی صدی تک سود کا متحمل ہو سکے لیکن اگر کم شرح سے قرض ملنے کی امید ہو تو وہ پچاس فی صدی پر بھی آمادگی ظاہر نہ کریگا اس کے برعکس قرض دہندہ کی حالت فروشندہ کی سی ہوگی۔ وہ زیادہ سے زیادہ سود وصول کرنے کی کوشش کریگا۔ اور کم سے کم سود کی بھی اس کی نظر میں ایک حد ہوگی کہ اس سے کم پر وہ قرض دینا پسند نہ کریگا اور جس قدر زیادہ سے زیادہ حتی الامکان سود مل سکےگا نہ چھوڑیگا۔

پس معلوم ہوا کہ پرانے زمانے میں جو کبھی کبھار قرض کا لین دین ہوتا تھا اس کی بھی بعینہ وہی حالت تھی جو آج کل چیزوں کی خرید و فروخت کی ہے۔ اس زمانے میں قرض کا کاروبار بہت کم رائج تھا اور چیزوں کی طرح عمل نہ ہوتا تھا قاعدہ بازار یہ تھا کہ وہاں لوگ قرض لیتے دیتے۔ مگر سچ پوچھو تو ہندوستان کے بہت سے دیہات میں اب تک یہ باتیں مفقود ہیں۔ اصل قرض لینے دینے کا کاروبار اب تک جو کچھ بھی پھیلا ہوا ہے وہ رسم و رواج کی بنا پر جاری ہے۔ اور گاؤں گاؤں میں اس کی نوعیت مختلف ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص قرض دے اور وہ اس کو مع سود وصول ہو۔ رہے تو قرض دینے میں اس کی جرأت بڑھتی جائیگی حتیٰ کہ کچھ عرصے بعد یہی لین دین اس کا خاندانی پیشہ قرار پائیگا۔ جن کاشتکاروں کو قرض کی ضرورت ہوگی وہ بھی قاعدۃً انہی قرض دہندوں سے درخواست کرینگے کہ جو ان کے جان پہچان ہوں۔ اور جن سے لین دین رہ چکا ہو۔ پس بحالت موجودہ گاؤں میں ایک طرف تو بہت سے لوگوں کو وقتاً فوقتاً قرض کی ضرورت پڑتی ہے اور دوسری طرف معدودے چند بلکہ بعض گاؤں میں صرف ایک ہی شخص قرض دینے پر آمادہ رہتا ہے اور وہ بھی بشرطیکہ اس کے اطمینان کے مطابق شرح مناسب سود ملے ان قرض دہندوں کی حالت ان خردہ فروشوں سے بہت ملتی جلتی ہے جن کا اٹھائیسویں فصل میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بھی شرح سود بعض اوقات پر معین کر دیتے ہیں جیسے کہ دکاندار غلہ کا نرخ مقرر کرتے ہیں۔ البتہ ان کی شرح پر ایک بندش ضروری قائم رہتی ہے۔ وہ یہ کہ قرض دہندوں کو خوف رہتا ہے کہ اگر شرح بہت بڑھائی تو لوگ قرض لینا چھوڑ دیں گے اور سود سے ان کو بہت کم آمدنی ہوگی پس

باب پنجم
فصل ۲۳

یہ لوگ ایک رسمی یا معمولی شرح مقرر کر رکھتے ہیں اور طلب اصل میں جو کمی بیشی نمودار ہوتی ہے اس کے مطابق اس شرح کی ترمیم ہوتی رہتی ہے یعنی جب مانگ کم ہو تو روپیہ بیکار رکھنے کے بجائے وہ معمولی شرح سے کم پر قرض دے دیتے ہیں اور جب مانگ بڑھے تو معمول سے زیادہ شرح وصول کرنے لگتے ہیں ؛

اصل کے بازار
ساہوکارا اور اصل

معمولی دیہات میں جس طرح کہ غلہ یا اور چیزوں کا کوئی باقاعدہ بازار نہیں اصل کا بھی نہیں ہوتا ۔ اصل کا بازار دیکھنا ہو تو کسی شہر یا قصبے میں جا کر دیکھنا چاہیے وہاں البتہ بازار کا رنگ نظر آتا ہے ۔ ایک طرف تو ان لوگوں کی جماعت کثیر جو قرض لینا چاہتی ہے اور کم سے کم شرح سود پر لینا چاہتی ہے ۔ دوسری طرف قرض دینے والوں کا گروہ جو زیادہ سے زیادہ سود وصول کرنے کی فکر میں ہوتا ہے ۔ قرض دینے میں بنک خاص طور پر سرگرم رہتے ہیں ۔ انکا مختصر حال سولھویں فصل میں بیان ہو چکا ہے بنکوں کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ عوام کا روپیہ جمع کریں اور لوگوں کو قرض دیں اس لین دین سے جو منافع ہو اس کا ایک حصہ تو جمع کرنے والوں کو بطور سود دیا جاتا ہے کچھ کاروبار میں خرچ ہوتا ہے ' اور کچھ بنک کو بطور منافع بچ رہتا ہے جب بنک جمع شدہ روپے پر جمع کنندوں کو سود دیتا ہے تو لازم ہوا کہ وہ قرض پر قرض گیروں سے اور بھی زیادہ سود وصول کرے ورنہ پھر اس کو منافع ملنا کیونکر ممکن ہے ۔ پس ہر ایک بنک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر جمع شدہ روپیہ لوگوں کو قرض دے ۔ بس اتنی رقم اپنے پاس رکھ لے کہ جو لوگ اپنا جمع شدہ روپیہ فوراً واپس لینا چاہیں وہ لے سکیں ۔ بنکوں کی حالت بھی ان ہی لوگوں کی سی ہے جو بازار میں مال اور سامان فروخت کرتے ہیں وہ بھی اپنا روپیہ اسی طرح قرض دینا چاہتے ہیں ' اور اول الذکر کو اعلےٰ سے اعلےٰ شرح سود مطلوب ہوتی ہے جیسے کہ آخر الذکر کو زیادہ سے زیادہ قیمت اور خواہ دکاندار ہو یا بنک ' کاروباری ترقی کے جوش میں یہ اپنے اپنے حریفوں سے خوب مقابلے کرتے رہتے ہیں ؛

قرض گیروں میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو کسی ضرورت کے واسطے روپیہ قرض لیں ۔ ضروریات بہت قسم کی ہو سکتی ہیں ۔ لیکن ہر قرض گیر یہی چاہتا ہے کہ

جہاں تک ہو سکے کم سود دینا پڑے۔ پس ایک طرف تو قرض گیروں میں مقابلہ ہے
کہ جتنا قرض مل سکے اس کو منگوا لیں۔ دوسری طرف بنک کوشاں ہے کہ جتنا روپیہ
قرض دینا منظور ہو وہ سب کا سب قرض پر لگ جائے۔ پس اصل کا بازار بھی ہر
لحاظ سے ویسا ہی باقاعدہ نظر آتا ہے جیسا گیہوں کا تھوک فروش بازار جس کا بیان
گذشتہ باب میں درج ہو چکا ہے ؛

سود پر اصل ۴۳

اصل کے بازار میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ گیہوں کے بازار
میں فروشندوں کو دوسرے مقامات کی حالت رسد و طلب پر بھی ہر وقت نظر رکھنی
پڑتی ہے۔ کیونکہ گیہوں ایک جگہ سے دوسری جگہ با آسانی جا سکتا ہے اور جہاں سے
زیادہ قیمت ملے وہیں فروخت ہو سکتا ہے۔ لیکن [illegible] کو جگہ جگہ لے جانا گیہوں [illegible]
سے بھی کہیں زیادہ سہل ہے۔ جب تک [illegible] اعتبار کے [illegible]
واقعہ [illegible] اصل کی نقل [illegible] پوری [illegible]
تو صاف ظاہر ہے کہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ایک لاکھ [illegible] کلکتہ سے بمبئی [illegible]
بہت سہل ہے۔ حالانکہ ایک روپیہ کے گیہوں بھیجنے میں مقابلۃً بہت زیادہ دقت پیش
آئے گی اور اس پر طرہ یہ کہ نوٹ کی شکل میں [illegible] بہت کم ضرورت ہوتی ہے
آج کل تار اور بنکوں کے طفیل سے چند الفاظ [illegible]
رقم کلکتہ سے کانپور۔ بمبئی۔ رنگون یا لندن پہنچ جاتی ہے۔ [illegible]
اعلیٰ منافع کی امید ہو فوراً کوئی رقم دور دستہ دو [illegible] چنانچہ
دہلی یا کانپور کے بنک والوں کو نہ صرف ہندوستان کے مختلف [illegible]
رسد و طلب کی جو حالت ہو اس سے باخبر رہنا ضروری [illegible] انگلستان [illegible]
اور جاپان جیسے دور دراز ممالک کی حالت پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ وہاں اصل کی
رسد و طلب کا کیا حال ہے۔ گویا اصل کا بازار گیہوں کے بازار سے بھی زیادہ باقاعدہ
اور انتظام یافتہ ہے۔ لیکن طریق وہی ایک ہے۔ ہندوستان میں اصل کے بازاروں
کی جو حالت ہے اس کا قدرے مفصل بیان ضروری معلوم ہوتا ہے ؛

اصل کے بازار

اس سے قبل واضح ہو چکا ہے کہ عام چیزوں کے بازار کا قاعدہ ہے کہ قیمت
بڑھنے سے مانگ یا طلب گھٹتی ہے اور قیمت کی تخفیف سے مانگ میں اضافہ ہوتا ہے اور رسد

اصل کی طلب

بس یہی حال اصل کا بھی ہے۔ لوگ طرح طرح کی اغراض کے واسطے قرض لیتے ہیں۔ لیکن بیشتر قرض کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اُس سے پیدائش دولت میں کام لیکر نفع کمائیں اور جتنا زیادہ نفع ملنے کی گنجائش ہوگی اسی قدر زیادہ زیادہ اصل سے لوگ کار و بار چلائیں گے۔ ہر کوئی آجر دل میں یہی سوال کرتا ہے کیا زیادہ اصل لگانے سے منافع میں اضافہ ہو سکتا ہے؟ مثلاً وہ حساب لگاتا ہے کہ اگر دس ہزار روپے کی لاگت سے چند نئی کلیں کارخانے میں لگادی جائیں تو آمدنی میں دو ہزار روپے سال کا اضافہ ممکن ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس مزید آمدنی میں سے ہزار روپے سال بطور مطالبات فرسودگی پس انداز کرنے ضروری ہیں۔ پس اب دیکھنا یہ ہے کہ ہزار روپے سال کی آمدنی کی خاطر نئی کلیں لگائی جائیں یا نہیں۔ اس سوال کے جواب کا دارومدار اصل مستعار کی شرح سود پر ہے۔ اگر چار فی صدی سود کے حساب سے قرض مل جاوے تو وہ یقیناً دس ہزار روپیہ قرض لیکر نئی کلیں خریدیگا۔ کیونکہ اس کو صرف چار سو روپے سالانہ سود ادا کرنا پڑیگا اور ہزار روپے سال آمدنی بڑھ جاوے گی گویا چھ سو روپے سال کی بچت رہیگی۔ لیکن اگر شرح سود دس فی صدی ہو تو کل مزید آمدنی سود کی نذر ہو جائیگی اس غریب کے پلے کچھ نہ پڑیگا۔ پھر وہ کیوں درد سر خریدنے لگا۔ لیکن اگر شرح سود دس فی صدی سے کچھ کم ہو تا کہ اس کو سو پچاس روپے بچ رہیں تب اس کا ارادہ مذبذب ہوگا۔ خواہ اتنے قلیل منافع کی خاطر قرض لیکر کلیں خریدے یا نہ خریدے۔

تاجر جو قرض لیتے ہیں اس کا دارمدار بھی سود کی شرح پر ہے۔ جو تاجر کہ فصل کے موقع پر کاشتکاروں سے غلہ خریدتے ہیں اُن کو بالعموم نقد قیمت ادا کرنی پڑتی ہے پس کچھ رقم موجود رہنی چاہیئے فرض کرو حساب سے معلوم ہوا کہ اگر غلہ دیہات سے خرید کر دور دراز بازاروں میں فروخت کیا جائے تو دو ماہ کے عرصے میں دو فی صدی کے حساب سے منافع مل سکتا ہے۔ جس سے کاروبار کے اخراجات مثلاً غلہ لے جانیکا خرچ وغیرہ خارج ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اتنے منافع کی خاطر اصل قرض لیکر کاروبار چلانا چاہیئے یا نہیں۔ دو ماہ میں دو فی صدی کے حساب سے بارہ فی صدی سالانہ منافع ہوا۔ اب اگر قرض پر بھی بارہ فی صدی سالانہ کے حساب سے سود دینا پڑے تو

کاروبار لاحاصل بلکہ مفت کا دردِ سر ہے۔ لیکن اگر کہیں چار فی صدی سالانہ سود پر قرض ملجائے تو وہ بہت کچھ کاروبار پھیلائیگا۔ اور اگر شرح سود دس فی صدی ہو تو ممکن ہے کاروبار کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ اس میں منافع کی بہت کم گنجائش نظر آتی ہے ؛

پس معلوم ہوا کہ ہر قسم کے قرض گیروں کی ایک سی حالت ہے۔ ہر ایک کے لئے شرح سود کی ایک حد ہے کہ اس سے بڑھ کر ادا کرنے پر کوئی قرض گیر رضامند نہ ہوگا۔ کیونکہ منافع کی پھر کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ سب قرض گیروں کے واسطے یہ حد کسی ایک معین مقدار پر عائد نہیں ہوتی بلکہ کاروبار کی نوعیت کے لحاظ سے قرض گیروں کی نظر میں مختلف مقداروں پر عائد ہوتی ہے۔ مگر بحث خاص توجہ طلب بات یہ ہے کہ خواہ کوئی مقدار ایسی حد قرار پائے شرح سود اس مقدار سے جس قدر کم ہوگی لوگ اسی قدر زیادہ قرض لیں گے۔ چنانچہ ترے بڑے زاروں میں شرح سود خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، کچھ لوگ تو مذبذب ہوتے ہیں کہ قرض میں یا نہ لیں اور کچھ اس چہ کنم میں رہتے ہیں کہ قرض لیں تو کتنا لیں۔ شرح میں ذرا ذرا سی تبدیلیاں ہونے سے قرض گیروں کے ارادوں میں فرق آتا رہتا ہے۔ پس جہاں تک مانگ یا طلب کا تعلق ہے اصل کی حالت معمولی مال کی سی ہے اور قانون طلب اس پر صادق آتا ہے ؛

اب اصل کی رسد کا پہلو لیجئے۔ جس قدر روپیہ قرض مل سکے وہ بیشتر یا بنکوں کے پاس رہتا ہے یا ان لوگوں کے پاس جو روپے کا لین دین کرتے ہیں اور جو بالعموم سیٹھ یا مہاجن کہلاتے ہیں۔ اگر شرح سود بہت ہی ادنےٰ ہو تو ان میں سے کوئی بھی قرض دینا گوارا نہ کریگا اور شرح سود جس قدر اعلیٰ ہوگی اتنا ہی زیادہ روپیہ قرض دینے پر یہ سب کے سب آمادہ ہوجائینگے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جیسا کہ قیمت بڑھنے سے گیہوں کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح شرح سود بڑھنے سے اصل کی رسد بڑھتی ہے بلکہ اصل کی رسد کا اضافہ بہت صاف نظر آجاتا ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوچکا ہے اصل بمقابلہ گیہوں کے بہت زیادہ سہولت اور سرعت کے ساتھ جگہ بہ جگہ پہنچ سکتا ہے۔ پس ایک طرف تو قرض گیر کم سے کم شرح سود پر

بمبیوبم
ص ۴۴

قرض لینے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف قرض دہندے اعلیٰ سے اعلیٰ شرح وصول کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اور فریقین کی حیص بیص سے بالآخر خالص سود کی ایک بازاری شرح قرار پاتی ہے۔ کہ جس پر موجودہ طلب اور رسد کا توازن قائم ہو جاتا ہے:

سود اور قیمت میں جو ایک بیّن فرق ہے سود خالص کی اصطلاح سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اگلی فصل میں یہ فرق بخوبی واضح ہو جائے گا:



بات نمبر
فصل ۳۴

فصل چونتیس ۳۴

سود

سود عام و سود خالص

طلباء کو یاد ہوگا کہ چیزوں کے بازار کا حال بیان کرتے وقت اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ گو چیزوں کی قیمت جلد جلد بدلتی رہتی ہے۔ تاہم ایک وقت میں ایک ہی قیمت متوازنہ قائم رہ سکتی ہے مثلاً یہ ممکن نہیں کہ کسی بازار میں ایک ہی وقت ایک قسم کے گیہوں سولہ سیر اور بیس سیر کے نرخ سے فروخت ہوں اور اصل کے بازار کا اگر سرسری حال معلوم ہو تو فوراً خیال ہوتا ہے کہ سود کی حالت قیمت سے بالکل مختلف ہے۔ قیمت کی طرح سود کی شرح ایک وقت میں یکساں ہونی ضروری نہیں۔ کوئی چار پانچ فی صدی کے حساب سے قرض لے رہا ہے تو کسی کو دس بارہ فی صدی پر قرض مل رہا ہے اور بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور چیزوں کی ایک بازاری قیمت ہوتی ہے سود کی کوئی بازاری شرح نہیں۔ اس فرق کا باعث یہ ہے کہ جو رقم روزمرہ کی بول چال میں سود کہلاتی ہے وہ اکثر کل کی کل اصل کی کارگذاری کا معاوضہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے علاوہ اس میں بعض اور بھی مدیں شامل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر سود کی دو قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ سود خالص۔ اور سود خام سود کی آخرالذکر قسم سے تو وہ کل رقم مراد ہوتی ہے جو قرضدار قرض کے علاوہ ادا کرتا ہے اور جو کہ عرف عام میں سود کہلاتی ہے اور اول الذکر قسم سے سود خالص کا وہ جسنرو مراد ہوتا ہے جو محض اصل کی کارگذاری کا معاوضہ ہو اور اس میں کوئی اور مد شامل نہ ہو۔

علت

سود خام میں سود خالص کے علاوہ بالعموم دو مدیں اور شامل ہوتی ہیں۔ ایک تو اس بات کے مطالبات بیمہ کہ وقت موعودہ پر شاید قرضدار قرض ادا نہ کرے۔ بیمہ

دام بیچنے والے کو تو ایسا کوئی خطرہ پیش نہیں آسکتا کیونکہ جب مال دے دیا اور قیمت
لے لی تو معاملہ ختم ہو گیا۔ لیکن قرض کا معاملہ مدتوں تک چلتا ہے ممکن ہے کہ کسی
وقت میں قرض دار کی حالت تباہ ہو جائے وہ قرض ادا نہ کر سکے اور کل رقم برباد
ہو جائے۔ فرض کرو کہ کوئی شخص قرض لے کر کاروبار کرنے کے واسطے کچھ زمین خرید کر
جس زمین سے وہ کھیتی باڑی کی امید رکھتا ہو اس کی پیداوار سے کچھ فائدہ نہ ہو
تو اس نے روپیہ سے نقصان اٹھایا ... قیمت ... قسطیں ادا کرے گا تو اگر ساکھ
رقم ڈوب جائے۔ جہاں قرض ... ہو وہاں ... کا خطرہ بہت ضرور رہتا ہے کہ رقم
ڈوب جائے جب قرض ... سود ... کے علاوہ اس جوکھم کی ... بھی رقم
مطالبات میں شامل ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص دس ہزار روپیہ کی ت
سی چھوٹی چھوٹی رقمیں لوگوں کو قرض دے ... اس خطرہ کی بنا پر ... سود
زیادہ وصول کرے تو ... اس کو
دس ہزار روپیہ ... مطالبات ... وصول ... اگر اس کو اوسط
... روپیہ ... مطالبات ... تین سو روپیہ ...
اور اگر قرض ... سو روپیہ ... تو ... مطالبات ... سے وصول
ہو گئے اور باقی تین سو روپیہ ... گئے۔

یہ قرض لینے کے متعلق اس امر سے کوئی ... جوکھم ... ہے اس کے
مطابق وہ مطالبات کی مقدار کو ... ہے۔ اگر معلوم ہو کہ قرض لینے والا
خوش حال ہے تو مطالبات کی مقدار زیادہ نہیں ہوگی مگر اس کی حالت اچھی نہ ہو تو
قرض دینے والے کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے اور مطالبات بڑھ بھی سکتا ہو
اور ساتھ ہی اگر قرض لینے ... بھی مشہور ہو تو ممکن ہے کہ قرض ادا کرنے
پر بھی وہ ... اس حالت میں لوگوں کی ... کو قرض دینے کا مطالبات بہ
بہت زیادہ طلب کرے گا ... ساکھ کی عمدگی سے مراد یہ ہے کہ
لوگ اس کو خوش حال اور خوش معاملہ سمجھیں اور اس کے متعلق یہ خطرہ نہیں
رکھتے کہ وہ قرض ادا نہ کرے گا۔ برعکس ساکھ کی خرابی کے یہ معنی ہیں کہ
لوگوں کو اس کے متعلق یہ گمان ہو کہ یا تو وہ قرض ادا نہ کر سکے گا یا ادا کرنا نہ چاہے گا

چنانچہ جس شرح سود سے کسی کو قرض ملے اس سے اس کے اعتبار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بہتر
اچھی ساکھ والوں کو قرض کمتر شرح سود پر ملے گا اور خراب ساکھ والوں کو اعلیٰ شرح فصل ۲۲
سے بھی ملنا دشوار ہوگا۔ ساکھ کے علاوہ مطالبات بیمہ کی کمی بیشی ضمانت کی نوعیت پر بھی
بہت کچھ منحصر ہے۔ کبھی تو محض ذاتی ضمانت پر یعنی قرض گیر کے وعدہ ادائگی کے بھروسے پر
قرض دیدیتے ہیں۔ ذاتی ضمانت پر صرف ان لوگوں کو قرض مل سکتا ہے جن کا اعتبار
بہت بڑھا چڑھا ہو۔ تاہم ایسے قرضے پر مطالبات بیمہ شرح اعلیٰ وصول کیے جاتے
ہیں کیونکہ قرض گیر کیسا ہی خوش معاملہ سہی ممکن ہے کہ اس کی مالی حالت یکایک خراب
ہو جائے اور وہ قرض ادا نہ کر سکے البتہ اگر ایسے ہی عمدہ اعتبار والے دو چار لوگ
اس کی ضمانت کریں تو کمتر شرح سے قرض مل سکتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر قرضدار
معذور ہو جائے تو دوسرے ضامن قرض کے دیندار رہیں گے اور یہ احتمال بہت ضعیف
ہے کہ سب کے سب قرض ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ یا دوسرا طریق یہ ہے کہ قرض
گیر مال ذاتی بطور ضمانت پیش کرے۔ مثلاً زیور جواہرات مکانات اراضی وغیرہ۔ اگر
قرض ادا نہ ہو سکے تو قرض خواہ مال ضمانت فروخت کر کے اپنا روپیہ وصول کرے
اگر ضمانت سے روپیہ بآسانی وصول ہونا ممکن ہو تو مطالبات بیمہ آپ ہی کم ہو سکتے۔
مگر واقعہ یہ ہے کہ لوگوں سے قرض کا جو معاوضہ وصول کیا جاتا ہے اس میں سود خاص
کے علاوہ تھوڑے بہت مطالبات بیمہ شامل ہوتے ضرور ہیں۔

سود خاص کے علاوہ ایک مد تو اوپر بیان ہوئی یعنی مطالبات بیمہ۔ دوسری مد اجرت تنظیم
جو قرض کے معاوضے میں شامل ہوتی ہے اسے قرض دہندہ کا معاوضہ تنظیم سمجھنا
چاہئیے یعنی قرض دینے اور وصول کرنے میں اس کو جو محنت اٹھانی پڑتی ہے اس کی
اجرت بھی وہ قرضدار سے وصول کرتا ہے۔ ہر معاملے میں جس قدر محنت اس کو
برداشت کرنی ہوگی۔ اسی کے لحاظ سے وہ اجرت تنظیم سود میں شامل کرے گا
مثلاً اس کو تحقیق کرنا پڑے کہ رہن نامہ قانوناً جائز ہے یا نہیں یا اس کو جائداد مرہونہ
کی نگہداشت کرنی پڑے کہ چوری نہ جاوے یا یہ تحقیقات کرنا پڑے کہ قرض لینے والے کی
ساکھ کس پایہ کی ہے وغیرہ۔ سود خاص دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ قرض کے
علاوہ جو معاوضہ قرض دہندہ کو ادا کیا جائے اس میں سے کچھ مقدار تو مطالبات

اے ہم — بیمہ منہا کر دی جائے اور جو کچھ اجرت تنظیم کی مد میں باقی بچے وہی سود خالص
ص ۲۲ — سمجھنا چاہیئے ۔

سود خالص اور سود خام کا تعلق ایک مثال سے اور بھی واضح کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ بنک مختلف لوگوں کو ۶۔ ۸۔ ۱۰۔ اور ۱۲ فی صدی کے حساب سے روپیہ قرض دے اور ان مختلف شرحوں میں اجرت تنظیم یکساں ۲ فی صدی شامل ہو۔ یہ ۲ فی صدی منہا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قرض گیر ۴۔ ۶۔ ۸ اور ۱۰ فی صدی جو معاوضہ ادا کرتے ہیں اس میں سود خالص اور مطالبات بیمہ شامل ہیں سود خالص کی شرح بھی سب قرضوں کے متعلق وہی ایک ہو گی مثلاً ۳ ۱/۲ فیصدی یہ مقدار منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہی مطالبات بیمہ سمجھنے چاہیئں گویا اس مد میں بعض قرضگیروں سے صرف نصف فی صدی وصول کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی ساکھ بہت اعلیٰ درجے کی ہے یا انہوں نے کوئی عمدہ ضمانت داخل کر دی ہے۔ باقی قرضگیر ۲ ۱/۲، ۴ ۱/۲ اور ۶ ۱/۲ فیصدی کے حساب سے مطالبات ادا کرتے ہیں اور ان کا اعتبار بھی اسی نسبت سے ضعیف ہے بنک کے مینجر نے سب قرض لینے والوں کی ساکھ پر نظر کر کے اسی کی عمدگی و خرابی کے لحاظ سے یہ مختلف شرحیں قرار دی ہیں اور اس نے اپنے تجربے سے اندازہ کر لیا ہو گا کہ اگر رقمیں وصول نہ بھی ہوں تو ان مطالبات سے ان کی تلافی ہو جاوے گی اور بحیثیت مجموعی بنک کو نقصان نہ پہنچے گا۔ گویا قرض وصول نہ ہونے سے جس قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے بشکل مطالبات بیمہ اس کی تلافی کا پہلے سے بندوبست کر لیا گیا ہے اور یہ تخمینہ مینجر کے تجربے اور کار دانی پر منحصر ہے ۔

پس واضح ہوا کہ اصل کی طلب و رسد سے جو بازاری شرح قرار پاتی ہے وہ سود خالص کی شرح ہوتی ہے۔ اور سود خام جو قرضدار ادا کرتے ہیں اس میں سود خالص کے علاوہ اور دو مدیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یعنی مطالبات بیمہ اور اجرت تنظیم سود خالص کی شرح کا پتہ لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ اخباروں میں تو سود خام کی شرحیں شائع ہوتی ہیں اور اس کے اجزا کی کوئی تفصیل نہیں ہوتی ہے کہ سود خالص کسقدر ہے اور مطالبات بیمہ و اجرت تنظیم اس قدر۔ لیکن جو شرح بنک کی طرف سے

شائع ہوتی ہے اور جس کو شرح بنک کہتے ہیں اس میں جو جو تبدیلیاں مختصر دوران ماہ پر
میں نمودار ہوتی ہیں انہی سے شرح سود خالص کی کمی بیشی کا پتہ چلتا رہتا ہے مسل ۲۲
تینوں پریسیڈنسی بنکوں میں سے ہر ایک یعنی بنگال بنک۔ بمبئی بنک۔ مدراس بنک
وقتاً فوقتاً کمترین شرح سود شائع کرتے ہیں کہ جس پر وہ قرض دینے کو آمادہ ہیں
بشرطیکہ عمدہ ضمانت مل سکے۔ جب اصل کی افراط ہو اور قرض گیر کم نظر آئیں تو بنک
۴ بلکہ ۳ فی صدی تک شرح گھٹا دیتے ہیں۔ اور جب حالت بدلے یعنی قرض گیروں
کی کثرت ہو تو شرح بڑھتے بڑھتے چھ سات فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جاتی
ہے۔ بنک کی شرحوں میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس سے سود خالص کی بازاری شرح
کی تبدیلیاں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں سود خالص کی شرح بنک کی شرح سے کسی قدر کم
رہتی ہے کیونکہ آخر الذکر شرح میں سود خالص کے علاوہ کچھ اجرت بیمہ اور کچھ [illegible]
بھی شامل ہیں مگر مختصر دوران میں یہ دونوں مدیں زیادہ تبدیل نہیں ہوتیں۔ پس
اگر بنک کی شرح میں ایک فی صدی اضافہ ہو تو یہ نتیجہ نکالنا بجا ہوگا کہ سود خالص
کی بازاری شرح میں ایک فی صدی یا اس سے کچھ ہی کم اضافہ ہوا۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بازار میں ہر چیز کی ایک معمولی قیمت ہوتی ہے اور بازاری
قیمت کا میلان اس کی طرف ہوتا رہتا ہے بعینہ سود خالص کی بھی ایک معمولی شرح
ہوتی ہے جبکہ بازاری شرح چڑھی ہوتی ہے تو جو لوگ قرض لینے میں متذبذب ہوں گے
وہ قرض کا ارادہ ترک کر دیں گے۔ اور اس طرح پر شرح کے بڑھنے سے اصل کی
مانگ میں تخفیف ہو جائے گی۔ اور ساتھ ہی اعلیٰ شرح کے لالچ سے قرض دہندے
زیادہ زیادہ قرض دینے پر آمادہ ہو جائیں گے گویا شرح کے اضافے سے اصل کی
رسد تو بڑھ جائے گی اور طلب میں تخفیف ہوگی۔ بازاری شرح کے اضافے کا
اصل کی رسد و طلب پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ شرح خود بخود گھٹ جاتی ہے۔ اس کے
برعکس شرح میں تخفیف ہونے سے قرض گیروں کی جماعت بڑھ جاتی ہے اور قرض دہندے
ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ یعنی رسد گھٹتی ہے اور طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ بالآخر شرح بھی
بڑھ جاتی ہے۔ پس واضح ہوا کہ بازاری اور معمولی شرح میں وہی تعلق ہے جو کہ
بازاری اور معمولی قیمت میں ؛

بشرح سود کی ایک خصوصیت قابل توجہ ہے وہ یہ کہ سال میں موسم بہ موسم وہ بدلتی رہتی ہے جہاں کہیں اصل زر کا بڑا حصہ تجارت اور زراعت میں لگا ہوتا ہے بیشتر وہیں شرح میں ایسی موسمی تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں اور چونکہ ہندوستان میں زراعت اور تجارت دونوں کا زور ہے۔ شرح کی موسمی تبدیلیاں اور بھی نمایاں ہو جاتی ہیں قریب قریب ایک ہی وقت پر بہت سی فصلیں تیار ہوتی ہیں۔ کاشتکاروں کو عجلت ہوتی ہے کہ جب تک جلد ممکن ہو پیداوار فروخت کر کے کوڑے کریں ہر فصل کے موقع پر زرعی پیداوار خریدنے اور اس کو باہر روانہ کرنے کے واسطے بہت روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے ہندوستان میں یہی زمانہ تجارت کے عروج کا ہوتا ہے جب بہت سا مال خرید و فروخت ہو چکتا ہے تو پھر تجارت کے واسطے روپیہ کی ضرورت بھی کم محسوس ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اصل زر کی طلب ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ بعض مہینوں میں تو وہ بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور باقی مہینوں میں گھٹی رہتی ہے۔ مثلاً کلکتہ و بمبئی میں موسم برسات میں اصل زر کی طلب سست ہوتی ہے سود کم ملتا ہے اور بنک کی شرح بھی ڈھیلی رہتی ہے۔ لیکن جو ہی جوٹ یعنی سن کی فصل تیار ہوئی اس کی تجارت کے واسطے روپیہ کی مانگ سے مانگ شروع ہو جاتی ہے۔ اور شرح سود بھی تیز ہونے لگتی ہے۔ ستمبر میں کلکتہ اور برما میں چانول کی فصل تیار ہوئی تو روپیہ کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی۔ اور جاڑے کا موسم آیا کہ بمبئی میں روئی کا کاروبار چل نکلا اور وہاں بھی روپیہ کے واسطے لاؤ لاؤ ہونے لگی۔ چنانچہ بنک کی شرح میں سے سود حاصل کی شرح کا پتہ چلتا ہے۔ فروری مارچ کے موسم میں بہت اچھل رہتی ہے۔ گر فصل ربیع اچھی ہو تو گیہوں اور روئی وغیرہ کی تجارت کے واسطے روپے کی مانگ ضرور بڑھتی ہے لیکن فصلوں کا یہ دور ختم ہوتے ہی کچھ دنوں کے واسطے خصوصاً موسم برسات میں بنک کی شرح سست ہو جاتی ہے۔ حتی کہ پھر وہی دور شروع ہو اور اصل زر کی طلب بڑھے

جن طلبا کو شرح سود کی ماہانہ تبدیلیوں کا مطالعہ کرنا ہوں ان کو یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ سال بہ سال موسم موسم کے فرق سے حسب سال کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور نیز سال بسال فصلوں کی حالت کے مطابق شرح میں تبدیلی ہو کرتی ہے۔ بنک کی شرح میں جو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس کا وہی باعث ہے یعنی فصل اور موسم ہے چنانچہ کلکتہ بمبئی جیسے تجارتی مرکز [illegible] شرح سود جب روپیہ کی شائع ہوتی ہے۔ اس کے

شرح سود کی موسمی تبدیلیاں

تبدیلیوں کی توجیہ یونہی فصل و موسم کی حالت سے کی جاتی ہے۔

آخر میں یہ بات جتانی بھی ضرور ہے کہ سود کی ایک معمولی شرح ہوتی ہے۔ اور [illegible]
بازاری شرح کا میلان ہمیشہ اس کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ معمولی شرح ہمیشہ [illegible]
یکساں نہیں رہتی بلکہ کچھ مدت بعد ملک کی حالت بدلنے کے ساتھ یہ بھی تبدیل [illegible]
ہوتی رہتی ہے۔ اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ طلبا کو [illegible]
قیمتوں کی تبدیلیاں خوب سمجھنی مقدم ہیں چنانچہ قیمتوں پر اصل میں یہ بحث بھی [illegible]
کے واسطے ملتوی ہو چکی ہے۔ معمولی قیمت کی تبدیلیوں کے جو اصول تحقیق ہو چکے ہیں
شرح سود کی ان تبدیلیوں پر بھی صادق آتے ہیں جو [illegible]
صرف چند اسباب مختصر بیان کیے جاتے ہیں جن سے معمولی شرح میں تبدیلیاں [illegible]
ہیں۔ ان اسباب کی مفصل بحث آئندہ پیش کی جاوے گی۔

پیدائش دولت کے انتظام میں جوں جوں ترقی ہوتی ہے اصل کی طلب بھی بڑھتی
جاتی ہے۔ سب لوگوں پر واضح ہو چکا ہے کہ انتظام کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ زیادہ
اصل سے کام لیا جائے۔ اور عمدہ انتظام کے واسطے اصل کی [illegible] ضرورت ہے۔ اگر
انتظام کی ترقی سے صرف اصل کی طلب بڑھتی اور رسد میں اضافہ نہ ہوتا تو شرح
سود بڑھتی چلی جاتی۔ [illegible] پیدائش دولت کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی۔ مگر
واقعہ یہ ہے کہ طلب بڑھنے کے ساتھ رسد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا
ہے۔ اصل کی رسد کا [illegible] لوگوں کی [illegible] کی قوت پر ہے۔ یعنی
اس بات پر کہ ان کی آمدنی ان کے مصارف سے زائد ہے۔ پیدائش کے عمدہ [illegible]
سے دولت بڑھتی ہے [illegible] کا موقع ملتا ہے۔ اور صرف
موقع ملتا ہے بلکہ [illegible] کا شوق بھی [illegible]
کا زیادہ خیال کرنے لگتے ہیں [illegible] فوائد ان کو صاف نظر آتے
ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ [illegible]
اصل کا کام لینا کہیں زیادہ فائدہ مند ہے پس انتظام کی ترقی سے اصل کی طلب بھی
بڑھتی ہے اور رسد بھی۔ اب یہ سوال کہ معمولی شرح میں اضافہ ہوگا یا تخفیف اس کا
جواب اس طلب و رسد کی رفتاروں کی باہمی نسبت پر ہے۔ یعنی اگر طلب کا اضافہ

نایاب ہو تو شرح بڑھے گی اور اگر رسد زیادہ بڑھی تو شرح گھٹ جائے گی۔ بعض
معاشیین کو توقع ہے کہ کسی زمانے میں اصل کی اس قدر افراط ہوگی کہ اُس کی کل مقدار
سے کام لینا دشوار ہوگا لہٰذا اس پر سود بھی نہ مل سکے گا۔ ممکن ہے کہ کبھی ایسا واقع
ہو لیکن معاشیات کے مطالعے سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ جس قدر اصل دستیاب ہو سکے گا
اس سے کام لینے کی گنجائش بھی مطلق رہیگی۔ اور بالخصوص ہندوستان اور ایشیا کے
دیگر ممالک میں اصل کی اس قدر شدید ضرورت ہے کہ یہ سوال بحالت موجودہ فضول سا
معلوم ہوتا ہے کہ آیا کبھی اصل ضرورت سے زیادہ دستیاب ہو سکے گا یا نہیں؟

فصل پینتیس ۳۵

سود

اب ہم کو پھر وہی بحث شروع کرنی چاہیے کہ ہندوستان کے دیہات میں شرح سود [illegible] کیونکر قرار پاتی ہے۔ باب چہارم میں واضح ہو چکا ہے کہ بڑے بڑے بازاروں میں گیہوں جیسی چیزوں کی جو کچھ قیمت تھوک فروشی کے لحاظ سے قرار پاتی ہے [illegible] اسی پر منحصر رہتی ہے اور ذرائع آمد و رفت کی ترقی و توسیع کی بدولت تھوک فروشی اور خوردہ فروشی کی قیمتوں میں تعلق قریب تر ہوتا جاتا ہے لیکن یہ بات [illegible] بینک شرح سود کی وہ حالت نہیں جو قیمت کے متعلق بیان ہوئی کہ تھوک فروشی اور خوردہ فروشی کی قیمتوں میں قریبی تعلق ہے۔ چنانچہ بحث ضرورت ہے کہ بڑے اور چھوٹے قرضوں کے سود کی شرح میں ایسا ہی تعلق پیدا کیا جائے تاکہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جو اصل کے ذخیرے [illegible] دیہات والے بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ابتک زراعت کی ضروریات کے واسطے اصل کا کوئی باقاعدہ بازار قائم نہیں ہوا۔ ہر ایک گاؤں یا چند چند دیہات کی ٹولیاں مقامی قرض دہندوں سے روپیہ قرض لیتی ہیں اور یہ قرض دہندے بالعموم ملک کے بنکوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھتے۔ ان کے پاس جو اپنا اندوختہ ہوتا ہے اسی کو زیادہ سے زیادہ شرح سود سے قرض پر چلاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اگر اصل کی طلب زیادہ ہو اور موجودہ رسد کفایت نہ کر سکے تو بنک سے قرض لے [illegible] دیں۔ [illegible] کاشتکار بس ایک ساہوکار سے لین دین رکھتا ہے اور ایک ساہوکار [illegible] چھوڑ کر دوسرے سے معاملہ کرنا اسکے لیے دشوار ہوتا ہے جیسا کہ بار بار بیان ہو چکا ہے۔ [illegible] ایک دیہات پر بہت اثر ہے۔ [illegible] وقت یہ ہے کہ اکثر کاشتکار مقروض رہتے ہیں

ا۔ اگر ان میں سے کوئی نئے ساہوکار سے لین دین شروع کرے تو موجودہ ساہوکار اپنے قرض کا فوراً مطالبہ کرے گا اور نالش دائر کرکے قرضدار کو تباہ کردے گا۔
شہر کے بازاروں میں جو سود خاص کی شرح جاری ہوتی ہے اس کا اثر دیہات میں سود خام پر بہت کم پڑتا ہے خواہ بڑے بڑے بازاروں میں شرح کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کاشتکار تو اسی شرح سے سود ادا کرتا ہے جو اسکے اور ساہوکار کے درمیان قرار پا جائے۔ معاملہ کرتے وقت کاشتکار اور ساہوکار کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے کاشتکار کو روپے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے یہ بات مشکل ہے کہ وہ ایک ساہوکار کو چھوڑ کر دوسرے ساہوکار سے معاملہ کرے یا تحقیق کرتا پھرے کہ سب سے کم شرح پر اُس کو کہاں سے قرض مل سکتا ہے اور پھر وہاں سے قرض لے۔ بس غریب کاشتکار کو وہی شرح قبول کرنی پڑتی ہے۔ جو ساہوکار مانگے اور ساہوکار موقع محل دیکھکر زیادہ سے زیادہ شرح جو وصول ہو سکتی ہو طلب کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زراعت کے واسطے جو اصل قرض دیا جاتا ہے اُس کے سود کی شرح بہت اعلیٰ رہتی ہے شمالی ہندوستان کے بہت سے مقامات میں شرح سود پچیس سے لیکر پچاس فی صدی تک جاری ہے اور ملک کی مرفہ الحالی میں اس سے سخت رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ اگر کاشتکار کو ۱۲ فی صدی کے حساب سے قرض مل جائے تو اس کی آمدنی میں معقول اضافہ ہو سکتا ہے مگر جبکہ سود کی شرح پچیس سے لیکر پچاس فی صدی ہو تو بھلا کاشتکار کو کیا بچ سکتا ہے۔ چنانچہ کاشتکار خستہ حال ہیں اور دولت بھی کم پیدا ہوتی ہے اگر قرض کمتر شرح سود پر مل سکے تو پیدائش دولت میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے۔

کاشتکاروں کو جو سود کی بیشی سے زیر باری اٹھانی پڑتی ہے تو یہ حالت کچھ ہندوستان ہی کے واسطے مخصوص نہیں۔ بلکہ کم و بیش یہی حال دوسرے ملکوں کا ہے جہاں چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی کثرت ہے کہ جو نہ بنکوں سے قرض لے سکتے ہیں اور نہ جن کے لئے اس بیوپار کرنے کا کوئی خاص بندوبست کیا گیا ہے۔ سب سے قبل یہ نقص تو بیان ہو چکا ہے کہ بنک براہ راست کاشتکاروں سے لین دین نہیں کر سکتے۔ لیکن فرض کرو کہ کوئی بنک ایسا بھی کرے اور ضلع کی ہر تحصیل میں ایک شاخ

قائم کردے ہر شاخ کا منیجر حسب قاعدہ مذکورہ بالا شرح مقرر کرے گا یعنی سود خاص۔ اس
کے علاوہ کچھ کچھ مطالبات بیمہ اور اجرت تنظیم کے طور پر بھی شرح میں شامل کرے گا جس سے
تاکہ بنک کا خرچ بھی نکل آئے اور اگر کوئی قرض وصول نہ ہو تو بنک کو نقصان نہ پہنچے
اب سینکڑوں گاؤں سے صدہا کاشتکار قرض لینے آویں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا
حال منیجر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے اور حال جانے بغیر منیجر مطالبات بیمہ کی مقدار کیونکر
قرار دے گا۔ اگر حال معلوم کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔ تو اس کو بہت سے
ملازموں کی ایک بڑی جماعت رکھنی ہوگی اور یہ وجہ کاروبار کے مقابلے میں ایسے بینک
میں بنک کو بہت اہتمام کرنا پڑیگا پس ایسے قرضوں کی شرح سود بھی لازماً عالی رہیگی
وجہ صاف ظاہر ہے اول تو مقدار قرض کے لحاظ سے مصارف تنظیم بہت ہو جائینگے اور دوسرے
مطالبات بیمہ بھی لین دین کے مقابلہ میں بڑھے رہینگے۔

اس فرضی مثال سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کو
براہ راست قرض دینے میں مصارف بھی بڑھ جاتے ہیں اور جوکھم بھی زیادہ ہوتا ہے۔
پس اگر سود خام کی شرح گھٹانی مقصود ہو تو ان لوگوں کو قرض دینے کا کوئی ایسا خاص
انتظام ہونا چاہیے کہ مصارف اور جوکھم دونوں کم ہو جائیں۔ چنانچہ انجمنہائے امداد
باہمی جو ہندوستان میں جابجا قائم ہو رہی ہیں ان کا یہی مقصد ہے۔ امداد باہمی کے
مختلف طریق طلباء آئندہ باتفصیل مطالعہ کریں گے۔ یہاں پر قرضہ امداد باہمی کے طریق کو
تمثیلاً بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ دیہات میں جو سود ادا کیا جاتا ہے اس کی
نوعیت کیا ہے:

کاشتکاروں کی کوئی جماعت مل کر ایک انجمن قرضہ امداد باہمی حسب ضابطہ قانون قائم
کر لیتی ہے اور وہ انجمن کل ارکانوں کی ضرورت کے قابل ایک مجموعی رقم قرض لیکر ارکان
میں تقسیم کر دیتی ہے۔ مثلاً کسی انجمن میں پچاس رکن شریک ہوں اور ان سب کو قرض
کی ضرورت ہو۔ کسی کو تیس روپیہ درکار ہوں۔ کسی کو پچاس۔ کسی کو اسی اور کسی کو ستر
غرض کہ سب ارکان کے قرضہ کی مجموعی مقدار بارہ سو روپیہ ہو۔ پس وہ انجمن کل
رقم کو یکمشت قرض لیکر ان میں تقسیم کرنے کی مجاز ہوگی۔ بنک کو بجائے اس کے فرداً فرداً
پچاس کاشتکاروں کو قرض دینے کے مقابلہ میں ایک انجمن کو قرض دینے میں سہولت بھی

۱- ہم
صفحہ ۲۸

زیادہ سہولت ہوگی۔ پچاس معاملے طے کرنے کے بجائے صرف ایک معاملہ طے کرنا کافی
ہوگا۔ دو پچاس قرض گیروں کے اعتبار کی حالت تحقیق کرنے کے مقابلے میں ایک انجمن
کے اعتبار کا حال بآسانی معلوم ہو سکتا ہے مصارف نظم نسبتہً بہت گھٹ جاتے ہیں
یعنی بیس روپیہ قرض دینے میں جتنا اہتمام کرنا پڑتا ہے اتنا ہی اہتمام بارہ سو روپے
قرض دینے میں کرنا پڑتا ہے۔ پس اجرت نظم کی کمی سے سود عام کی شرح میں معتدبہ
تخفیف ہوتی ہے۔ اور یہ انجمن ہی کا طفیل ہے علی ہذا مطالبات میں بھی کفایت ہوتی
ہے ان انجمنوں کا عام قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک رکن فرداً فرداً انجمن کے کل قرضہ کا
پورا پورا ذمہ دار شمار ہوتا ہے۔ یعنی اگر کچھ رکن قرض ادا نہ کریں یا نہ کر سکیں تو ان کے
قرضے کی کل رقم کسی ایک رکن سے بھی وصول کی جا سکتی ہے۔ پس جب یہ خطرہ لگا ہو تو
اس وقت تک کسی کو ممبر بنا سکتے ہیں۔ بیشک ان میں سے ہر ایک کو باقی سب پر
پورا پورا بھروسہ اور اعتماد نہ ہو۔ سب یا بیشتر قرض ادا کرتے رہیں گے۔ پس یہی
انجمنوں کا تجربہ نہایت عمدہ اعتبار کی دلیل ہے۔ رہا یہ امر کچھ درمیانی قیود اور شرائط
ان انجمنوں پر عائد کی گئی ہیں کہ ان کی پابندی سے جو ان کا ہمیشہ قابل اعتماد و مناسب
قریب قریب یقینی ہو جاتا ہے۔ پس ان انجمنوں کو قرض دینے میں رقم وصول نہ ہو سکنا
کا خطرہ نہیں اور نہ ان سے وقت پر مطالبات کے کرنے ہوتے ہیں۔ پس سود عام کی جو
شرح انجمن سے وصول کی جاتی ہے وہ تنہا شخصوں سے مقابلے میں بہت ادنیٰ ہوتی
ہے جو انجمن کے ارکان سے فرداً فرداً علیحدہ علیحدہ قرض دے کر طلب کی جاتی۔ کمی کی وجہ
یہ ہے مطالبات بیمہ اور اجرت نظم دونوں مدوں میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے
ان انجمنوں کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قرض دراز مدت کی جاتی ہیں جن کا اصل
مقصد یہ ہے کہ انجمن کا ہر ایک ممبر مستقل ہو اور اس کو بآسانی اصل زر کے بڑے بڑے
حصوں میں سے ہر ایک قسط بہت کم ہو قرض ادا کر سکے۔ اس طریق سے کاشتکاروں
کو وہ قرض ادا کرنے کے سود کی شرح اسی شرح پر کسی طرح متحمل ہو سکے جیسے
سوائے قیمت کے کاشتکار کو وصول ہوتی ہے جن کا دارومدار بازاری قیمت پر ہوتا
ہے۔ ان انجمنوں کے ذریعہ سے کاشتکاروں کو بھی قرض اسی سہولت سے مل جاتا
جیسے تجارت پیشہ تاجروں وغیرہ کو ملتا ہے۔ اس سے قرض کی شرح میں سود خاص کے

علاوہ مطالبات بیعہ اور اجرت تخمیر بھی شامل ہوگی مگر غیر مناسب اور اصل کے
دیہاتی اور قصباتی بازاروں میں ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاوے گا یہ ممکن کہ شہروں
میں تو شرح سود کم ہو اور دیہات میں ساہوکار اب کاشتکاروں سے جس قدر رہا ہیں
سود وصول کریں۔ ہم نے مانا کہ ابھی تک دیہات میں شرح سود اصل قرار نہیں پاتے جیسے کہ چیزوں
کی قیمت ملک بھر میں ایک نہیں رہتی ہے لیکن اب ایسے اسباب پیدا ہو رہے ہیں کہ دیہات میں
سود پر بھی اصل کے بڑے بازاروں کا اثر پڑنے لگے گا۔ زمانے کے رجحان پر نظر کرتے
ہوئے تو یہ بدیہی ہے کہ کچھ عرصے میں اصل کی حالت بھی حال و اسباب کی سی
ہو جائے گی اور قیمت اشیاء اور شرح سود میں جو مناسبت ہے وہ بھی زیادہ زیادہ
نمایاں ہوگی؛

اس فصل میں یہاں تک ہم نے یہ دکھایا کہ دیہات میں اصل دائرہ کیونکر مہیا ہوتا ہے اس کا
لیکن ان قصبوں میں بھی دستکار اور چھوٹے کاروبار والے کاشتکاروں کی طرح ساہوکاروں
سے قرض لیتے ہیں اور ان کے سود کی شرح بازار کی شرح سے متعلق اور بہت اعلیٰ ہوتی ہے
لیکن کاشتکاروں کی طرح وہ بھی اگر انجمنہائے قرضہ امداد باہمی قائم کریں تو ان کو
بھی مناسب شرح سے قرض مل سکتا ہے۔ یعنی ان کو بھی قریب قریب اسی شرح سے
سود دینا پڑے گا جو اصل کے بازاروں میں رسد و طلب کے اثر سے قرار پائے
یہ نہیں کہ ساہوکار جو شرح چاہے مقرر کر دے اور ان کو حالت مجبوری میں ادا کرنی
پڑے۔ حاصل کلام یہ کہ عوام کو چیزوں کی خرید و فروخت میں جو سہولت اور آزادی ہے
وہی قرض کے لین دین میں ہونی چاہیے اور یہ امداد باہمی انجمنوں کے ذریعے سے
مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے؛

کن کن اسباب کے اثر سے شرح سود قرار پاتی ہے اب ہم ان کا خلاصہ
پیش کرتے ہیں۔ ابھی تک ہندوستان میں اصل کی حالت حسب حال و اسباب مکمل
نہیں مگر کچھ کچھ ہوتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں اصل کے بازار قائم ہو رہے
ہیں جہاں پر سود خاص کی شرح کسی طرح رسد و طلب کے اثر سے قرار پاتی ہے
جیسے چیزوں کی قیمت۔ دیہات میں قرض داروں سے جو سود وصول کیا جاتا ہے اس میں سود
خاص کے علاوہ کچھ مطالبات بیعہ اور اجرت تخمیر بھی شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو

باب ۴ ص ۵۴

کاشتکار، دستکار وغیرہ کاروبار والے ابتک ساہوکاروں سے قرض لیتے ہیں۔ اصل کے بازار و ۔۔ تک ان کی رسائی نہیں اور جو کچھ سود ان کو ادا کرنا پڑتا ہے وہ ساہوکار اپنی مرضی سے مقرر کر دیتے ہیں۔ بازاری شرح سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ لیکن اب ہندوستان کی یہ حالت بدل رہی ہے۔ اور امید ہے کہ کچھ عرصہ بعد بازاری شرح کا اثر اسقدر پھیل جائے گا کہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے قرض گیر اسی کے لحاظ سے سود ادا کریں گے۔ سود کی من مانی شرح کا وصول نہ ہو سکے گی۔ پس جب طلب کا توازن رسد و طلب کے مسئلہ پر مبنی ہو جائیں تو وہ اس کے نتائج کو شرح سود پر منطبق کر سکتے ہیں چنانچہ ہم نے اپنی تصنیف میں شرح سود کی بحث میں یہی طریق برتا گیا ہے۔ یہ خصوصیت پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ابھی تک ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے قرضوں پر جو سود ادا کیا جاتا ہے وہ قانون رسد و طلب کے مطابق قرار نہیں پاتا بلکہ بہت کچھ قرض دینے والوں کے قابو اور مرضی پر منحصر ہے لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا ہے ایسے ساہوکاروں کا زور ٹوٹ رہا ہے جو حسب دلخواہ سود طلب کرتے ہیں چھوٹے قرضوں کے سود پر بھی بازاری شرح کا نرم و جنبش اثر پڑنے لگا ہے اور کچھ عرصہ بعد قانون رسد و طلب کے نتائج ہندوستان کی شرح سود پر بھی بہت کچھ صادق آنے لگیں گے۔ اور خصوصاً انجمنہائے قرضہ [illegible] باہمی سے [illegible] کی کایا پلٹ ہو گی۔ چنانچہ [illegible] خواہان ملک ان انجمنوں کے اجرا [illegible] ترقی پر [illegible] ہیں؛

فصل چھتیس ۳۶

لگان

اصل کی بحث تو ختم ہو چکی اب ہم دوسرے عامل پیدائش یعنی زمین کو لیتے ہیں۔ ایک لگان اس کی کارگزاری کا جو معاوضہ دیا جاتا ہے یعنی لگان، یہ وہی قانون رسد و طلب کے تحت اسی طرح قرار پاتا ہے جیسے پیداوار کی قیمت۔ ہم بحث میں اب صرف زرعی زمین کو پیش نظر رکھیں گے۔ جو زمین دوسرے طور پر کام آتی ہے وہ لگان بھی بہت کچھ زرعی زمین کے لگان کی طرح قرار پاتا ہے تاہم اس کی بعض خصوصیات بھی ہیں جو کہ آگے چل کر بیان ہوں گی۔ واضح ہو کہ معاشیات میں لگان سے مراد وہ رقم نہیں جو کاشتکار زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایک خاص قسم کی آمدنی ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے خواہ زمیندار خود کاشت کرے یا کسی کاشتکار سے پیداوار کرے۔ یہی وہ آمدنی ہے جس کی بنا پر زرعی زمینوں کی قیمت قرار پاتی ہے۔ کاشتکار جو کچھ معاوضہ زمیندار کو دیتا ہے اور جو عام طور پر لگان کہلاتا ہے اس کا اصطلاحی معاشی لگان پر سے ہے۔ معاشی لگان کی ماہیت اور وجہ لگان کا اس سے تعلق بحث آئندہ سے بخوبی واضح ہو جائے گا:

سب سے اول تو یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ زرعی زمینوں کے [illegible] حاصل ہوتے ہیں۔ [illegible] مثلاً ہوں وغیرہ کے بازاروں کے [illegible] بلحاظ انتظام بہت [illegible] ہیں۔ جب مسلمانوں نے شمالی ہندوستان کو فتح کیا۔ کاشتکار جو سرکاری زمین کاشت کرتا تھا بعوض اپنے کھیت کی پیداوار کا ایک حصہ حاکم کو ادا کر دیتا تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ یہ کل مقدار محض زمین کا معاوضہ

رہنے اور اس کو کاشت کرنے کا معاوضہ تھی جو مالک زمین یعنی راجہ وصول کرتا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کاشتکار جو کچھ ادا کرتا تھا اس میں سے کچھ تو لگان ہوتا تھا اور کچھ ٹیکس یا محصول۔ راجہ ملک میں حکومت قائم رکھتا تھا اس کی بدولت کاشتکاروں کو لٹیروں اور دغابازوں سے کم و بیش امن ملتا تھا کاشتکار جو کچھ ادا کرتے وہ سرکاری محاصل میں شامل ہوکر سلطنت کے صرف میں آتا تھا۔ کاشتکار نسلاً بعد نسلٍ ایک ہی قطعہ زمین پر قائم رہتے تھے اور حسب رواج پیداوار کا ایک حصہ مالک زمین کو ادا کرتے تھے۔ اس حصے کا تعین معاشیات کی بحث سے خارج تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے بھی یہی طریق برقرار رکھا کہ کاشتکار سلطنت کی ملوکہ زمین جوتیں بوئیں اور پیداوار کا ایک حصہ بادشاہ کی نذر کریں البتہ اس حصہ کی مقدار میں اکثر کمی بیشی ہوتی رہی کبھی تو وہ گھٹتے گھٹتے پیداوار کا صرف دسواں حصہ رہ جاتی تھی اور کسی بادشاہ کے زمانے میں وہ بڑھ کر ایک ربع ایک ثلث بلکہ نصف تک پہنچ جاتی۔ ان تبدیلیوں کا دار و مدار محض بادشاہ کی رائے اور مرضی پر تھا۔ معاشی اسباب کو کچھ دخل نہ تھا چنانچہ اب بھی محصول بیشتر حکومت کی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن محصول کی طرح ان تبدیلیوں سے بھی گاہے گاہے بہت اہم معاشی نتائج نمودار ہوتے تھے مثلاً اگر کاشتکار کو اپنی اور اپنے کنبے کی پرورش اور مصارف کاشت کے واسطے نصف پیداوار سے زیادہ درکار ہو مگر حکومت نصف پیداوار خود منگوا لے اور نصف اس کے پاس چھوڑ دے تو صاف ظاہر ہے کہ کاشتکار کی اس شکل سے گذر نہ ہو سکے گی اور مجبوراً کاشت چھوڑ کر وہ کوئی اور کام شروع کر دے گا۔ پس اس زمانے میں تجربے سے ثابت ہو گیا کہ جو حصہ سرکار لے سکتی ہے اس کی مناسب مقدار کم و بیش مقرر ہے۔ اس سے تجاوز کرنے کا نتیجہ کاشتکاروں اور ملک کے حق میں تباہی ہوگا۔ غرض رفتہ رفتہ لگان میں مقدار مناسب کی حد کا خیال رہنے لگا۔ اصول یہ قرار پایا کہ لگان اس قدر زیادہ طلب نہ کرنا چاہیے کہ کاشتکار مایوس ہو کر زمین چھوڑ بیٹھے لیکن اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو حصہ بھی سرکار اپنے واسطے مقرر کر لیتی تھی وہ اپنی خوشی اور مرضی سے کرتی تھی معاشی سبب کا کوئی خاص لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔

عام طور پر یہ قول بحیثیت مجموعی درست ہے کہ اس زمانے میں شمالی ہندوستان میں موجودہ قسم کے زمینداروں کی کوئی جماعت نہ تھی کہ وہ زمین کے مالک ہوں۔ خواہ اس کو خود

ماخذ ص ۴۰

کاشت کریں یا کسی کاشتکار کو لگان پر اٹھا دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں یا جب ہم
جو ہندوستان پر بدامنی کا دور دورہ رہا تو بہت سے لوگ زمیندار بن بیٹھے اس کے
بعد زرعی زمین خرید و فروخت ہونے لگی۔ لگان بہت سے لوگوں کا ذریعہ معاش بن گیا۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ زمین کے بازاروں میں کیونکر اراضیات کی خرید و فروخت کا کاروبار
چلتا ہے اور کیونکر لگان کے مدارج قرار پاتے ہیں؛

سن ۳۶

ہم کو لگان کے مدارج سے بحث کرنا ہے۔ کیونکہ لگان کی کوئی ایسی عام شرح
نہیں ہو سکتی جیسے سود خالص کی ہوتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ اصل کا تو روپیہ روپیہ
برابر ہوتا ہے ہر ایک یکساں کام دے سکتا ہے۔ لیکن زمین کے تمام ٹکڑے کیونکر یکساں
ہو سکتے ہیں۔ باب دوم میں بیان ہو چکا ہے کہ بعض زمین بہت زرخیز ہوتی ہے بعض
متوسط درجہ تک اور بعض بہت کم۔ پس ہر زمین کا لگان بھی اس کی قوت پیداوار
یعنی زرخیزی کے مطابق ہوگا۔ جس ٹکڑے کی پیداوار زیادہ ہو اس کا لگان بھی زیادہ
ہوگا اور جس کی پیداوار کم ہے اُس کا لگان بھی کم رہے گا۔ جو لوگ دیہات میں لگان ادا
کرتے ہیں ان کو یہ حال بخوبی معلوم ہے۔ دیہاتوں میں صد ہا کھیت ہوتے ہیں لیکن
ہر ایک کی حالت بلحاظ پیداوار کم و بیش مختلف ہوتی ہے اور بمشکل چند کھیت ایسے
ملیں گے کہ جن کے لگان کا اوسط فی بیگہ مساوی ہو۔ چنانچہ شمالی ہندوستان میں
جو کھیت بہت زرخیز ہیں اور عمدہ موقع پر واقع ہیں اُن کا لگان آٹھ روپے سے لیکر پندرہ
روپیہ فی بیگہ تک مل رہا ہے اور باقی کھیتوں کے لگان کی شرح حسب حیثیت گھٹتی
جاتی ہے حتی کہ اُن بنجر کھیتوں کی نوبت آتی ہے جن کا لگان روپیہ [illegible] بھی
بمشکل وصول ہوتا ہے اور بعض کو تو مفت اٹھا دیتے ہیں کہ بلا سے لگان نہ ملے، زمین
تو آباد رہے گی۔ پس جب اضافہ یا تخفیف لگان کا ذکر ہو تو ہم لگان کی کسی ایک
بازاری شرح کا حوالہ نہیں دے سکتے کیونکہ ہر زمین کا لگان زرخیزی اور موقع کے
لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اضافہ لگان سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ لگان کے
کل مدارج بڑھ گئے، اس کے برعکس تخفیف لگان میں سب مدارج گھٹ جاتے ہیں۔
لگان کی کوئی ایک بازاری شرح نہیں ہوتی کہ اس کو سمجھنا ہی ہے؛

لگان کے مدارج

بازاروں میں زمین کی طلب ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوتی ہے جو

متفرقہ

کاشت کرنی چاہیں۔ شمالی ہندوستان میں بیشتر لوگوں کا ذریعۂ معاش زراعت
ہے۔ اور ہر ایک خاندان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کاشت کے واسطے اس کو
[illegible] قات کے قابل زمین مل جاوے۔ کاشتکار لوگ بالطبع قدامت پسند اور لکیر کے
فقیر ہوتے ہیں۔ جہانتک بھی کسی نہ کسی حال میں گزر ہو سکے وہ کاشتکاری پر جمے رہیں گے
[illegible] مدنی کے لیے سے کوئی نیا کام کرنے کا خیال دل میں نہ لائیں گے۔ دیہاتی
[illegible] بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو اپنے ہی گاؤں میں تھوڑی سی زمین مل جائے
اور کھیتی باڑی شروع کر دیں۔ قصبات میں جا کر محنت مزدوری کرنے سے وہ بہت
[illegible] گھبراتے ہیں۔ کاشتکاروں کو یہی تلاش رہتی ہے کہ کہیں پاس زمین مل جائے
خواہ لگان زیادہ ہی دینا پڑے۔ اور اگر کہیں دور عمدہ سے عمدہ زمین بھی تھوڑے لگان
پر [illegible] تو وہ اس کے خواہاں نہیں ہوتے۔ لوگوں کی ان عادات کا نتیجہ یہ ہے کہ زمین
کا کوئی بڑا اور باقاعدہ بازار نہیں۔ بلکہ زمین کی خرید و فروخت بہت سے چھوٹے چھوٹے
مقامی بازاروں میں منقسم ہے۔ اور ہر بازار میں لگان کے معیار مختلف رہتے ہیں
جہاں آبادی بڑھتی ہے وہیں زمین کی طلب میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ باب دوم
میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ کسی رقبۂ اراضی سے جس قدر چاہیں پیداوار
حاصل کر لیں۔ بلکہ ہر زمین کی پیداوار کی ایک حد ہے کیونکہ کبھی نہ کبھی قانون تقلیل حاصل
کے عمل درآمد کی نوبت آجاتی ہے۔ حتیٰ کہ مزید راس المال اور محنت صرف کرنے سے
نفع کے بجائے نقصان ہونے لگتا ہے۔ شمالی ہندوستان کے بہت بڑے
حصے میں دیہات کی آبادی اس درجہ گنجان ہو چلی ہے کہ زمین کی طلب بہت بڑھی
رہتی ہے۔ اگر کوئی کھیت خالی ہو جائے تو زمیندار کو کاشتکار ملنے میں ذرا بھی
دقت نہیں ہوتی۔ بہت سے کاشتکاروں کے پاس تو کافی زمین نہیں اور بہت سے
سراسر محروم ہیں اور اسی تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی کھیت ملے تو کاشت شروع کر دیں
طلب کا عنصر تو پہلے ہی کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ کسی خاص قسم کی زمین کا جسقدر
زیادہ لگان مانگا جائے گا اسی قدر اس کی طلب گھٹے گی۔ بالفاظ دیگر لگان بڑھنے
سے زمین کی طلب گھٹتی ہے اور لگان گھٹنے سے زمین کی طلب میں
اضافہ ہوتا ہے ؛

لگان بڑھنے سے کچھ وقت تک تو زمین کی رسد میں بھی اضافہ ہوتا ہے کچھ قطعات اب تک غیر مزروعہ پڑے تھے۔ یا تو ان پر خودرو درخت کھڑے تھے یا بیل ڈھور چرتے تھے اب زمینداران کو بھی لگان کے لالچ سے کاشتکاروں کے حوالے کردیتے ہیں اور جب تک مزید زمین دستیاب ہو سکے لگان بھی بعینہ چیزوں کی قیمت کی طرح قرار پاتا رہتا ہے یعنی اس کی مقدار ایسی رہتی ہے کہ زمین کی طلب و رسد میں توازن قائم رہے لگان کی اس حد تک تو زمین کی حالت بالکل معمولی چیزوں کی سی ہے یہ سچ ہے کہ زمین کے بازار بہت باقاعدہ اور انتظام یافتہ نہیں ورنہ زمین کا لگان متوازنہ سطح کے ٹھیک ٹھیک مدارج قرار پانے دشوار ہیں لیکن ہر جگہ لگان کا رجحان یہی رہتا ہے کہ وہ زمین کی رسد و طلب میں توازن رکھے۔ اس حالت میں کہ جبکہ زمین کی رسد میں بیشی ممکن ہو۔ لگان کے چند معمولی مدارج ہونگے جن کی طرف لگان کی مقداریں مائل ہوتی رہیں گی ؛

مذکورۂ بالا حالت کہ زمین کی رسد میں اضافہ کی گنجائش ہو دائمی نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ زمین کی ایک خصوصیت یہی قرار پا چکی ہے کہ اس کی وسعت محدود ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس خصوصیت کی بدولت زمین کے بازاروں میں کیا خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے آبادی بڑھتے بڑھتے یہ نوبت آ رہی ہے کہ کل قابل کاشت زمین اٹھ جاتی ہے اور پھر یہ ممکن نہیں کہ طلب کے ساتھ ساتھ رسد میں اضافہ ہوتا رہے یہ نوبت آنے پر زمین کی حالت عام چیزوں کی حالت سے بالکل علحدہ ہو جاتی ہے۔ زمین کی رسد محدود ہو جاتی ہے حالانکہ اور چیزوں کی رسد میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے شمالی ہندوستان کے بیشتر حصوں میں یہ نوبت آ چکی ہے قابل کاشت زمین قریب قریب کل اٹھ چکی ہے اور اس کی رسد میں اضافہ ممکن نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ بہت سا روپیہ خرچ کرکے بنجر زمین زرخیز بنائی جائے مثلاً پنجاب میں آبپاشی کی نہریں نکالنے بنا بنا کر بہت سا قطعہ آباد کیا گیا ہے۔ اب وہاں خوب کاشت ہوتی ہے بنجر زمینوں میں سے انداز دور تک ریت ؛ پانی کی نکال دینے سے ان کی زرخیزی بڑھ سکتی ہے۔ لیکن آبادی بھی برابر بڑھ رہی ہے۔ ان ترکیبوں سے زمین میں کوئی قابل لحاظ اضافہ نہیں ہو سکتا ؛

یہی وجہ ہے کہ لگان جس طرح قرار پاتا ہے اس کو سمجھنے کے واسطے ضروری ہے کہ گذشتہ باب میں جو بحث پیش ہو چکی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ یعنی یہ کہ جب مسابقت بالکل محدود ہو تو سود اکیلا قرار پاتا ہے۔ فرض کرو ایک پرگنہ ہے اور وہاں جس قدر بھی قابل کاشت زمین ہے وہ سب اٹھ چکی ہے۔ یہ بھی [illegible] ان لوگوں کا استقلال [illegible] آمدنی حاصل ہو رہی ہے۔ نہ وہ فاقہ کش ہیں اور نہ وہ مرفہ الحال۔ [illegible] ان کے معیار آمدنی کے مطابق بسر اوقات ہوتی جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی انکی حالت میں سکون ہے البتہ بعض بعض افراد اپنی ہوشیاری اور محنت کی بدولت [illegible] دوسروں سے زیادہ خوش حال ہیں اور بعض کام چور اور اناڑی مفلس۔ اس حالت میں اگر کوئی شخص نئے سرے کاشتکاری شروع کرنا چاہے یا موجودہ کاشتکار مزید زمین کے خواہاں ہوں تو دوسروں سے واپس لئے بغیر ان کو زمین مل سکتی ہے۔ [illegible] فرض کرو کہ ایک نو وارد جو کاشتکاری شروع کرنا چاہتا ہے ایک کھیت کا تیس روپیہ لگان پیش کرتا ہے۔ حالانکہ موجودہ کاشتکار [illegible] روپے ادا کرتا ہے یہ تو پہلے ہی فرض ہو چکا ہے کہ گاؤں میں کوئی خالی زمین موجود نہیں [illegible] کاشتکار [illegible] کی کڑی کی طرح وہی زمین موجودہ کاشت کرتا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش ہے۔ یہ لازم ہوا کہ وہ لگان تیس روپے سے [illegible] سے بڑھ جاتا ہے۔ فرض کرو نو وارد جس قدر لگان پیش کرے [illegible] اس سے کچھ بڑھ کر کاشتکار ادا کرے یا زمین چھوڑ دے اس وقت تک جبکہ طلب تو بڑھتی جائے اور رسد ختم ہو چکی ہو اور زمیندار کو اختیار ہو کہ جو سب سے زیادہ لگان پیش کرے زمین اسی کے سپرد کر دے لگان اس حد تک بڑھ جائے گا کہ اس کے بعد کاشتکار کھیت چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ لگان کی مقدار کیا رہے گی جو لوگ زمین لینے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کی کاشت سے معاش کمائیں یہ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اس قدر لگان ادا کرنا گوارا نہ کریں گے کہ اس کو منہا کرنے کے بعد ان کی آمدنی معمولی گزران تک کے واسطے کفایت

نہ کرے۔ البتہ اس حد کے بعد اگر لگان بڑھتی ہوئی [illegible] برسر [illegible] رہے گا۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں کاشتکار کو کھیتی باڑی کے سوا بہت کم [illegible] ذرائع معاش حاصل ہیں اور لوگ قدیم رسم و رواج کے [illegible] ہیں۔ وہ کھیتی کو قدرتی پیشہ خیال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ کاشتکاری کو [illegible] بیٹھے ہوئے ہیں۔ لگان میں اضافہ پر اضافہ ہوتا جاتا ہے [illegible] میں سے مزدوروں کی اجرت اور سود کا [illegible] پاس اس قدر بچتا ہے کہ زندگی بسر کر سکے۔

ایسی معاشی حالت میں مصارف کاشت [illegible] وہ کل کی کل لگان کی مد ہوگی۔ اور لگان زمین کی نسبت [illegible] قرار پانے لگی۔ [illegible] مصارف کاشت میں کاشتکار [illegible] ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ فاقہ کشی سے تنگ آکر [illegible] کاشتکار کھیتی باڑی چھوڑ دیں گے۔ لگان میں اس درجہ اضافہ ہو سکنے کا باعث [illegible] زمین کی طلب تو برابر بڑھ رہی ہے لیکن اس کی رسد بالکل محدود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر قانون لگان کاشتکاروں کی حمایت نہ کرتا تو شمالی ہندوستان کے اکثر حصوں میں لگان اس حد تک بڑھ گیا ہوتا۔ [illegible] لگان ادا کرنے کے بعد کاشتکار کو صرف مصارف بچ رہتے اور کیا ممکن تھا کہ وہ کچھ پس انداز کر سکتا یا [illegible] ضروریات زندگی کے علاوہ اس کو کوئی چیز میسر آسکتی؟

فصل سینتیس ۳۷

لگان

گذشتہ فصل میں واضح ہو چکا ہے کہ شمالی ہندوستان میں زرعی زمین کے
بازار کچھ عرصہ قائم ہوئے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حالات موجودہ جبکہ زمین کی طلب
بمقابل رسد بہت زیادہ ہے اگر قانونی قیود عائد نہ کی جائیں تو لگان اس درجہ
بڑھ جائے کہ کاشتکار کو گزر کرنی مشکل ہو جائے۔ یعنی کھیتی باڑی کا خرچ اور کاشتکار
اور اس کے خاندان کے ضروری مصارف ادا ہونے کے بعد جو کچھ پیداوار بچتی
وہ سب کی سب لگان کی مد میں زمیندار منگوا لیتا لیکن ممکن ہے کہ دوسرے
مقامات اور دوسرے زمانوں میں حالات زراعت مختلف رہے ہوں چنانچہ
ہم اب مختصر طور پر ایک نئی صورت میں مسئلہ لگان سے مزید بحث کرتے ہیں وہ حالات
ذیل ہیں جو ان انگریزی معاشیین کے پیش نظر تھے جنہوں نے اول اول لگان کا
مسئلہ تحقیق کیا مثلاً کچھ باخبر اور سمجھدار لوگ کاشت شروع کریں ان کو بقدر ضرورت
اصل اور نیز محنت یعنی مزدور معمولی شرح سود و اجرت پر مل جاویں یہ لوگ جگہ جگہ
جانے پر آمادہ ہوں اور اگر ان کو کسی دوسرے کام میں زیادہ منافع ملنے کی امید
ہو تو کاشتکاری ترک کرنے میں کچھ تامل نہ کریں۔ بحث کو اور بھی سہل بنانے کی
غرض سے ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ کاشتکار اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کا کام نہیں
کرتے بلکہ مزدوروں سے کام لیتے ہیں اور صرف انتظام اور نگرانی اپنے ذمہ رکھتے
ہیں۔ ہر کھیت کی آمدنی اور مصارف کا وہ بہت مفصل حساب تیار کرتے ہیں تاکہ
ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم رہے کہ کس کھیت سے کتنا نفع مل رہا ہے جو زمین ہمارے

پیش نظر ہے اس میں مختلف قطعات کی زرخیزی مختلف ہے بعض میں تو زرخیزی اس درجہ کم ہے کہ اس سے کوئی لگان ہی وصول نہیں ہوتا۔ یعنی پیداوار مصارف کاشت کے برابر رہتی ہے۔ البتہ باقی قطعات سے حسب مدارج زرخیزی کم و زیادہ لگان حاصل ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو حالات بیان ہوئے ان کی موجودگی میں لگان کیونکر قرار پائے گا؛

جو زمین کہ زیر کاشت ہو مگر جس سے کچھ لگان حاصل نہو بزبان اصطلاح اختتامی کاشت کی زمین کہلاتی ہے گویا وہ کاشت کی انتہائی حد کو پہنچ گئی ہے۔ یعنی اس کی کاشت ہمیشہ خاتمہ کے قریب رہتی ہے اگر حالات میں ذرا سا بھی ناموافق رد و بدل ہوا تو کاشت فوراً ختم ہو جائے گی یعنی کاشتکار اس کو جوتنا بونا چھوڑ دے گا۔ ایسا بے لگان کھیت اسی حالت میں کاشت ہو سکتا ہے جبکہ اس کی پیداوار سے کم از کم ذیل کی مدیں وصول ہوتی رہیں؛

(۱) کل اصل جو کھیتی باڑی میں لگا ہو۔ اور نیز اصل قائم کا ایک مناسب جزو بطور مطالبات فرسودگی؛

(۲) جس قدر اصل لگا ہو اس کا پورا پورا سود؛

(۳) جتنی محنت صرف ہوئی ہو یعنی مزدور جس نے کام کیا ہو ان کی اجرت اور کاشتکار نے خود جس قدر کام کاج اور دیکھ بھال کی ہو اس کا مناسب معاوضہ یعنی منافع۔ لیکن پیداوار سے یہ چاروں مدیں پوری پوری وصول نہ ہوں تو کاشتکار مجبوراً کھیت چھوڑ بیٹھے گا۔ پس واضح ہو کہ زرعی پیداوار کی قیمت گھٹنے سے بے لگان زمینیں یعنی جو کاشت کی انتہائی حد پر ہوں کاشت سے خارج ہو جاتی ہیں جب ان کھیتوں کی کاشت بند ہوئی تو صاف ظاہر ہے کہ زرعی پیداوار کی رسد بھی گھٹ جائے گی۔ تخفیف رسد کی بدولت بتدریج طلب میں بھی تخفیف نہ ہو قیمت پھر چڑھے گی اور یہ زمینیں اضافہ قیمت کے اثر سے پھر کاشت ہونے لگیں گی مزید براں اگر قیمت خود بخود بڑھے تو اختتام کاشت کی حد اور آگے بڑھے گی۔ یعنی اور زمینیں بھی جو اس حد کے باہر تھیں اس میں داخل ہو جائینگی بالفاظ دیگر جو زمینیں بوجہ ادنیٰ زرخیزی کے اب تک کاشت نہوتی تھیں اضافہ قیمت کے

باب ۳ فصل ۴

طفیل سے اُن کی بھی کاشت شروع ہو جاوے گی کیونکہ قیمت بڑھنے پر انکی قلیل پیداوار سے مصارف کاشت وصول ہونے لگیں گے۔ بلکہ اگر کچھ زائد بھی وصول ہو تو عجب نہیں لیکن صاف ظاہر ہے کہ جب یہ زمینیں بھی کاشت ہوں تو رسد بڑھے گی اور اضافہ رسد تخفیف قیمت کا باعث ہوگا حاصل کلام یہ کہ مفروضہ بالا میں اختتام کاشت کی حد کسی خاص درجے کی زرخیز زمین پر قائم نہیں رہتی۔ اگر زرعی زمین کی پیداوار کی قیمت بڑھے تو ادنیٰ ادنیٰ درجہ کی زمینیں بھی کاشت ہونے لگیں گی اور اگر قیمت گھٹے تو موجودہ مزروعہ زمینوں میں سے بھی ادنیٰ درجے کی زمینوں کی کاشت بند ہو جاویگی اور خواہ قیمت کچھ ہی کیوں نہ ہو مزروعہ زمینوں میں کچھ ایسی بھی ہوں گی جنکی پیداوار سے صرف مصارف کاشت وصول ہوں۔ کچھ زائد نہ بچے جس کو لگان کہہ سکیں ایسی زمینیں اصطلاحاً بے لگان زمینیں کہلاتی ہیں اور انہی کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اختتام کاشت کی حد پر واقع ہیں:

تشریح بندش لگان

ہر قسم کی زمین میں جو پیداوار ہو سب کی بازاری قیمت ایک ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کس درجے کے زرخیز کھیت میں پیدا ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی کو تو صرف پیداوار سے غرض ہوتی ہے۔ زمین کی کم یا بیش زرخیزی سے کیا سروکار۔ صاف ظاہر ہے کہ جو جو زمینیں بے لگان زمینوں سے زیادہ زرخیز ہیں مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد ان کی پیداوار میں سے کچھ مقدار زائد بچے گی۔ اور زمین جتنی ہی زیادہ زرخیز ہو اسی قدر اس ماحصل زائد کی مقدار بھی زیادہ رہے گی۔ مذکورۂ بالا حالات میں جو شخص کل ماحصل زائد زمیندار بجز لگان وصول کرے گا اس کا قدر بڑھا ہوا ہے اور باقی لوگ جو کاشت میں شریک ہیں بے بس ہیں۔ مزدور اور اصحاب زر تو حسب مفروضہ پہلے ہی سے مناسب اجرت اور سود پا رہے ہیں۔ اگر وہ اس سے زیادہ معاوضہ طلب کریں تو کاشتکار انکو چھوڑ کر دوسرے لوگوں سے معاملہ کریگا کیونکہ سود و اجرت کی مروجہ شرح میں اس کو اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ کاشتکار کو بھی اپنی محنت اور کوشش کا کچھ معاوضہ مل ہی جاتا ہے۔ یہ تو اس کی دلی خواہش

ہوگی کہ اس حاصل زائد میں سے بھی کچھ حصہ بانٹے مگر وقت یہ آن پڑی ہے کہ زمین
کا رقبہ تو محدود ہے اور زراعت کے واسطے لوگوں میں بہت کچھ کشمکش جاری رہتی ہے
پس اگر موجودہ کاشتکار حاصل زائد میں سے کچھ بھی حصہ نکالیگا تو فوراً دوسرے
حریف کاشتکار زمیندار سے کل حاصل زائد دینے کا وعدہ کرنے کو آمادہ ہو جائیں
گے۔ پس یہ بھی اس خوف کے مارے بے چون و چرا کل حاصل زائد بطور لگان ادا
کر دیتا ہے۔ اور اپنے واسطے اس میں سے کچھ نہیں بچاتا۔ اگر قابل زراعت زمین
کا رقبہ لامحدود ہوتا تب تو ممکن بلکہ اغلب تھا کہ حاصل زائد حسب قرارداد
زمیندار اور کاشتکار میں تقسیم ہو جایا کرتا لیکن زمین کا رقبہ محدود ہے اور اس کی
طلب رسد سے بڑھی رہتی ہے۔ پس زمیندار بلا تکلف کل حاصل زائد وصول
کر لیتا ہے اور کاشتکار لاچار ہے۔ اگر اس قدر دینے سے انکار کرتا ہے تو زمین
ہاتھ سے جاتی ہے۔ دوسرے کاشتکار اس کی تاک میں لگے ہوئے ہیں؛
یہ ہے لگان کا قدیم اور مشہور مسئلہ جس کو ہم نے نہایت سادہ طور پر بیان کیا
ہے۔ پیداوار کی قیمت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو بعض زمینیں ایسی ہوں گی کہ ان کی
پیداوار سے صرف مصارف کاشت یعنی اصل زر سود اجرت اور [illegible]
وصول ہوگی۔ ایسی زمینوں کو اختتامی زمین سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی وہ کاشت
کی انتہائی حد کو پہنچ جاتی ہے ان سے ادنیٰ درجے کی زمینیں کاشت میں [illegible]
ان اختتامی زمینوں سے مصارف کاشت کے سوا کوئی حاصل زائد بطور لگان پیدا
نہیں ہوتا۔ البتہ جو زمینیں ان سے زیادہ زرخیز ہیں ان کی پیداوار قیمت سے مصارف
کاشت منہا کرنے کے بعد بھی کچھ مقدار جس کو حاصل زائد کہتے ہیں بچ رہتی ہے
اور یہی حاصل زائد معاشی لگان کہلاتا ہے۔ جو لگان زمیندار کاشتکار سے وصول
کرتا ہے۔ وہ معاہدے سے قرار پاتا ہے۔ اگر وہ معاشی لگان سے زیادہ ہے تو
کاشتکار جلد کھیت چھوڑ دے گا یا خود تباہ ہو جائے گا۔ اگر معاشی لگان کے
مساوی ہے تو کاشتکار گذران کئے جائے گا اور اگر معاشی لگان سے کچھ کم ہے تو یہ
کاشتکار کی خوش قسمتی ہے اور اس کی حالت کچھ دنوں میں مستحکم ہو جائیگی
پیداوار کی معمولی قیمت سے معاشی لگان قرار پاتا ہے اگر قیمت گھٹے تو

موجودہ اختتامی زمین سے بھی ادنیٰ درجے کی زمینوں پر کاشت پھیل جاوے گی
یہ نئی زمینیں تو بے لگان قرار پائیں گی اور جو زمینیں ان سے زیادہ زرخیز ہیں
ان سے لگان وصول ہونا شروع ہوگا گویا سابق بے لگان زمین سے بھی کچھ
تھوڑا بہت لگان وصول ہونے لگے گا۔ حاصل کلام یہ کہ اضافۂ قیمت سے اختتامی
زمین کی حد آگے بڑھ جاتی ہے یعنی ادنیٰ تر زمین کاشت ہونے لگتی ہے اور
تمام سابق زمینوں کا لگان بھی بڑھ جاتا ہے اس کے برعکس اگر قیمت گھٹے تو موجودہ
اختتامی زمین کی کاشت بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی کاشت سے سراسر نقصان
ہونے لگتا ہے۔ جو زمین ذرا بہتر تھی اب وہ بے لگان زمین قرار پائے گی۔ اور
باقی تمام اعلیٰ زمینوں کے لگان میں تخفیف ہو جاوے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ
اگر اضافہ لگان پر قانونی بندشیں قائم نہ ہوتیں تو بحالت موجودہ معاشی لگان کا
اس لگان سے کیا تعلق ہوتا جو کاشتکاروں کو ادا کرنا پڑتا؟

ہندوستان میں بھی اختتام کاشت کی انتہائی حد کی مثالیں نظر آتی
ہیں یعنی یہاں پر بھی گاؤں میں بہت سی زمینیں ہیں جن کی پیداوار سے
مصارف کاشت کے علاوہ کوئی فاضل زائد یعنی لگان وصول نہیں ہوتا۔
چنانچہ بہت سی زمینوں کو جو خود کاشت کہلاتی ہیں زمیندار محض اس وجہ سے
بے طور پر کاشت کرتے ہیں کہ ان سے مصارف کاشت کے سوا کوئی لگان
وصول نہیں ہوتا۔ ورنہ زمیندار ان کو جو لگان اٹھانا نہیں چاہتے ان بے لگان
زمینوں کے علاوہ جو دیگر زمینیں ہیں وہ بدرجات مختلف زیادہ زرخیز ہیں
اور زرخیزی کی کمی بیشی کے مطابق ان سے لگان بھی تھوڑا یا بہت وصول ہوتا ہے
مشہور مسئلہ لگان میں کاشتکار کی جو حالت پیش نظر رکھی گئی ہے ہندوستانی
کاشتکار کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے کیونکہ وہ نہ صرف کھیتی باڑی اور
اس کے کام کاج کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتا ہے بلکہ وہ اور مزدوروں کی
طرح بونے جوتنے میں بھی ہاتھ بٹاتا ہے کچھ اصل بھی اپنی گرہ سے لگاتا ہے
اور اس کو جو آمدنی وصول ہوتی ہے اس میں وہ ان مدوں کی کوئی تفریق نہیں
کرتا کہ فلاں مقدار سود ہے فلاں اجرت اور فلاں معاوضہ تنظیم۔ وہ دل میں

یہ نہیں سوچتا کہ آیا اُس کو اپنے اصل پر مناسب سود مل رہا ہے۔ محنت کی جانب بھی ہم
اجرت حق ہے اور آیا معاوضۂ تنظیم کی مقدار بھی مناسب ہے یا نہیں حتیٰ کہ اس کو ص ۴۰
یہ فکر تک نہیں ہوتی کہ اصل قائم جو بتدریج کہنہ اور ناکارہ ہوتا جاتا ہے اس کو
دوبارہ مہیا کرنے کے واسطے بھی کچھ رقم بطور مطالبات فرسودگی میں محفوظ ہوتی
ہے یا نہیں۔ مسئلۂ لگان میں فرض کیا ہے کہ کاشتکار مصارف کاشت کا پورا پورا
حساب کر کے ان کو پیداوار میں سے منہا کرتا ہے جس سے اس کو معلوم ہو جاتا
ہے کہ آیا کچھ ماحصل زائد بچا یا نہیں اور اگر بچا تو کتنا۔ لیکن ہندوستان کا غریب
و ناجاہل کاشتکار یہ سب اہتمام کہاں کر سکتا ہے کہ یہ کھیت کا پورا پورا حساب
تیار رکھے مصارف کاشت میں کبھی وہ نقد خرچ کرتا ہے اور کبھی غلہ۔ مثلاً
مزدوروں کی اجرت سے ہے یا تخم کی قیمت سے ہے۔ محض تجربے سے وہ سرسری
اندازہ کر لیتا ہے کہ مصارف نکلنے کے بعد آیا اس قدر پیداوار بچ رہتی ہے کہ اسکی
بھی گذر ہو جائے اور لگان بھی ادا ہوتا رہے۔ پس ہندوستان کی صورت یہی
ہے کہ یہ دریافت کرنے کے بجائے کہ آیا پیداوار میں سے مصارف کاشت منہا
ہونے کے بعد کچھ لگان باقی رہتا ہے یہ سوال کرنا چاہیے کہ پیداوار میں ——
کاشتکار کے اخراجات نکلنے کے بعد کچھ باقی بچتا ہے یا نہیں؟

ہندوستان کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صوبوں میں کاشتکاروں میں باہمدگر
زمین کے واسطے بہت کشمکش ہے بلکہ ان کاشتکاروں کو پیشہ بدلنے میں بہت دقت پیش آتی ہے اور
اپنا قدیم پیشہ یعنی زراعت چھوڑنا ان کو بہت گراں بھی گذرتا ہے۔ اگر قانون ان کی حمایت
نہ کرتا تو جو کچھ لگان وہ ادا کرتے معاشی لگان سے بھی کم نہ ہوتا بلکہ عجب نہ تھا
کہ اُس سے زیادہ ہوتا۔ زمین کے واسطے اس درجہ کشمکش ہے کہ جس زمین سے
کاشتکار کو کچھ بھی معمول سے زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے دوسرے کاشتکار اسکا
لگان بڑھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی آمدنی بھی گھٹ کر اس درجہ
کی معمولی آمدنی کے برابر رہتی ہے۔ بالفاظ دیگر زمیندار کو پورا پورا معاشی لگان تو
ضرور ہی مل جاتا ہے لیکن کاشتکاروں کو کھیتی باڑی کچھ ایسی عزیز ہے کہ وہ معاشی
لگان سے زیادہ ادا کرنا بھی گوارا کر لیتے ہیں مگر کھیت چھوڑنا منظور نہیں۔ غرض

بالمقابلہ
ص ۴۰

گھٹا کر خود جان کھپاتے ہیں تاکہ کم اجرت دینی پڑے، اپنی بعض ضروریات ترک
کر دیتے ہیں۔ اس قدر کہ مطالبات زر سود کی چھوڑ دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو
فاقہ تک برداشت کرتے ہیں مگر لگان بڑھانے سے نہیں ہٹتے۔ حاصل کلام یہ کہ کاشتکار
میں وہ کشمکش حاصل ہے کہ معاشی لگان سے بڑھ کر لگان ادا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں
اور نتیجہ یہ ہے کہ ان کو پورے مصارف کاشت بھی وصول نہیں ہوتے نہ
سود مناسب ہوتا ہے نہ محنت کی پوری اجرت، ورنہ کافی معاوضہ نظیم۔ واقعہ
یہ ہے کہ جو ضروریات کو ضروریات زندگی شمار ہوتی ہیں وہ میسر ہو سکیں جو کچھ بچتا ہے
کاشتکار بطور لگان زمیندار کی نذر کر دیتا ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ زمیندار خواہ مخواہ زیادہ
سے زیادہ لگان وصول کرے محض تمدن و عمل نے ہی زمیندار اپنے اسامیوں
کی موتی ان کی حالت پر نگاہ رکھتے ہیں لیکن اگر وہ چاہتے تو اس قدر لگان ضرور
وصول کر سکتے تھے اور بعض اس قدر وصول کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں پیٹ
پالنے سے سوا کاشتکار کو کچھ میسر نہ ہو۔ چنانچہ اسی احتیاط سے اضافہ لگان کے
متعلق قانون سے قواعد مقرر کر دیئے ہیں تاکہ کاشتکاروں پر بیجا بار نہ پڑ سکے۔

لگان سبب
پیداوار

معاشی جانشینی سے جو سند لگان کے متعلق بحث کی ہے۔ وہ ہندوستان پر
بھی بہت کچھ صادق آتی ہے۔ ہندوستان میں زمیندار سب سے زیادہ کاشتکاروں کی
کشمکش کے طفیل سے زمیندار چاہے تو معاشی لگان وصول کر سکتا ہے بلکہ
وہ بیدردانہ کاشتکاروں سے اس سے بھی زیادہ وصول کر سکتا ہے۔ عملی مسئلہ یہ
اس بات کی تحصیل ممکن ہے کہ سرکار نے یہ اصول بنایا کہ جو لگان ادا ہو
وہ زمین کی طلب و رسد کے اثر سے قرار پائے بلکہ قانون کا پابند رہے۔
نیز لگان کا بیان ختم کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زرعی پیداوار کی قیمتوں
اور زمین کے لگان میں جو تعلق ہے وہ بھی واضح کر دیا جائے۔ بہت لوگ کہا کرتے
ہیں بلکہ اخباروں میں لکھتے ہیں کہ لگان بڑھنے کی وجہ سے زرعی پیداوار کی قیمتیں
چڑھ جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر قیمتوں کا دارومدار لگان پر ہے لیکن حقیقت معاملہ اس کے
برعکس ہے۔ یعنی لگان خود قیمتوں پر منحصر ہے۔ چنانچہ پیداوار کی قیمت سے اضافی
کاشت کی حد قرار پاتی ہے۔ لگان زمین کی پیداوار کی قیمت سے محض معاف

قیمت وصول ہوتے ہیں اور یہی قیمت لگان کا باعث ہوتی ہے۔ اگر قیمت بڑھی تو اسکم
ادنیٰ تر زمین بھی کاشت ہونے لگتی ہے اور قیمت گھٹی تو ادنیٰ زمینوں کی کاشت معطل
ہو جاتی ہے۔ بجائے اس کے لگان بڑھتا ہے۔ بجائے وہ اس میں کمی ہو جاتی
ہے۔ بہر صورت قیمت کی تبدیلی سے لگان میں تبدیلی ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ
لگان کا دار و مدار قیمت پر ہے نہ کہ قیمت کا لگان پر۔ اس نتیجے کو ایک قانون کی
شکل میں یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ لگان مصارف پیدائش کا کوئی جزو نہیں
مصارف کاشت جن کی رو سے قیمت پیداوار قرار پاتی ہے وہ مصارف ہیں جو مستقل زمین
کی کاشت میں پیش آتے ہیں جس سے کوئی لگان وصول نہ ہوتا ہو اور ان
مصارف کا اس لگان سے کوئی تعلق نہیں جو اعلیٰ زمینوں سے وصول ہوتا ہے۔
غرض مختصر لگان کا باعث اعلیٰ قیمتیں ہیں نہ کہ اعلیٰ قیمتوں کا باعث لگان:



[illegible: margin note]

جب تک کاشتکار کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ زمیندار اضافۂ لگان سے پہلے یا بعد اُس سے کھیت خالی کرا کے دوسرے کو نہ دے دے۔ تو یہ کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ وہ کاشتکار اپنے کھیت میں دل لگا کر محنت کرے اور اس کی زرخیزی بڑھانے پر آمادہ ہو۔ ایسی حالت میں تو کاشتکار موجودہ وقت کو غنیمت سمجھ کر یہی کوشش کرے گا کہ جتنی پیداوار بھی کھیت سے مل سکے حاصل کرے۔ زمین کی آئندہ زرخیزی سے اس کو کوئی دلچسپی اور تعلق محسوس نہ ہوگا۔ اگر یہ منظور ہو کہ کاشتکار اپنی زمین کی زرخیزی کا بھی خیال رکھے تو ضرور ہے کہ اوّل اس کو اطمینان دلایا جائے کہ ایک معقول مدت تک وہ کھیت اس کے تصرف میں رہے گا تاکہ وہ اپنی محنت کا پھل پا سکے۔ اور اس کی محنت سے پیداوار میں جو اضافہ ہوگا اس کا ایک حصہ اس کو بھی چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ کاشتکار کو جس وقت چاہا نکال دیا گیا اور پیداوار کے لالچ میں دخل کر لیا۔

جو بحث اوپر پیش ہوئی اور صرف منشائے لگان سے متعلق نہیں کی گئی بلکہ مختلف [illegible] ہندوستان سے متعلق ہے وہاں کے تجربہ اور واقعات سے بھی [illegible] ثابت ہوتی ہے [illegible] تمام ممالک میں قرار پا چکا ہے کہ [illegible] پیداوار بڑھانا مقصود ہو تو کاشتکاری کی مدت کافی طویل ہونی چاہیے۔ طویل مدت کاشت سے وہی حالت مراد ہے جو ابھی بیان ہوئی یعنی کاشتکار اتنے عرصے تک کھیت پر قابض رہے کہ اس کی درستی اور ترقی سے خود بھی فائدہ اٹھا سکے۔ ایسی اطمینانی حالت میں وہ خود بخود کھیت کی پیداوار بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ مدت کاشت طویل ہونے کے علاوہ یہ بھی ضرور ہے کہ کاشتکار سے مناسب لگان وصول کیا جاوے۔ مناسب لگان کی کوئی شرح معین کرنا تو دشوار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لگان ادا کرنے کے بعد کاشتکار کے پاس پیداوار کی اتنی مقدار بچ رہے کہ اس کے لالچ سے وہ اپنی زمین کی حالت سدھارنے پر آمادہ ہو جائے۔ پس قانون لگان سے سرکار کے دو مقصد وابستہ ہیں۔ اول کاشتکار کی مدت کاشت بڑھانا دوسرے زمیندار کو صرف مناسب لگان لینے کا موقع دینا۔

شمالی ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں جو قوانین لگان جاری ہیں ان کے [illegible]
مطالعے سے واضح ہوگا کہ گو صوبہ صوبہ کے قانون میں بہت سے تفصیلی اختلافات [illegible]
موجود ہیں تاہم سب قوانین [illegible] ہیں اور [illegible] ہیں۔ ایک ہی [illegible] اور لگان
دوسرے مناسب لگان۔ قانون نے کاشتکاروں کی جو حمایت کی ہے
اُسکے مدارج مختلف ہیں سب کاشتکاروں کو یکساں حمایت حاصل نہیں لیکن بیشتر
کاشتکاروں کی جماعت ایسی ہے کہ قانون سے دونوں رعایتیں حاصل ہو رہی
ہیں نہ تو وہ [illegible] بیدخل ہو سکتے ہیں اور [illegible]
ان سے لگان [illegible] سکتا ہے ہر صوبہ میں کچھ کاشتکار [illegible]
کبھی بیدخل نہیں ہو سکتے بشرطیکہ وہ مقررہ لگان وقت پر ادا کرتے رہیں [illegible]
کاشتکاروں کو [illegible] اس وقت تک [illegible] لیکن یہ وقت بھی
[illegible] ہوتا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لگان کا [illegible]
کو [illegible] کاشتکار [illegible] بیدخل کرنے [illegible] زمیندار کے لگان
کی [illegible] کاشتکار [illegible] ملک کی
پیداوار [illegible]

[illegible] لگان کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] موجود [illegible]
نہیں ہو سکتی [illegible]
ایسی حالت [illegible] لگان کی [illegible] بھی
[illegible] کاشتکار کو [illegible] پیداوار [illegible] وقت
[illegible] قانون لگان [illegible]

۱۔۲۴ کاشتکار کو ضروری اخراجات سے کچھ زیادہ حصہ مل جاتا ہے دوسرے اس کو
صل ۲۹ قبضہ زمین کے متعلق اطمینان رہتا ہے کہ وہ کھیت درست کر کے اس کی زرخیزی سے
مستفید ہو سکے گا۔ حاصل کلام یہ کہ کاشتکاروں کو کھیتی باڑی میں محنت کرنے کا شوق
پیدا ہوتا ہے اور زراعت کی ترقی سے کل ملک کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جب کبھی یہ
بحث چھڑے کہ آیا فلاں صوبہ کے واسطے قانون لگان موزوں اور کافی ہے یا
نہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ آیا قانون کاشتکار کو عمدہ طور پر کھیتی باڑی
کرنے کی پوری پوری ترغیب دیتا ہے یا نہیں؟

فصل انتالیس ۳۹

اُجرت

گذشتہ فصلوں میں بیان ہو چکا ہے کہ کس حد تک سود اور زمین کے بارے قواعد بیان ہو چکے ہیں اور وہاں کیونکر سود اور لگان کی شرح قرار پاتی ہے۔ اب اس فصل میں ہم کو محنت کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔ اول ہم عام محنت کی اجرت سے بحث کرتے ہیں اس کے بعد وہ پیشے بیان ہوں گے جن کے واسطے خاص مہارت درکار ہوتی ہے۔ اور جن کی اجرت پر خاص خاص باتوں کا اثر پڑتا ہے۔

اگر کسی کاشتکار سے جو قصبے سے دور کسی گاؤں میں رہتا ہو دریافت کیا جائے کہ مزدوروں کی اجرت کیونکر قرار پاتی ہے تو بلاشبہ وہ یہی جواب دیگا کہ اجرت رواج پر قائم ہے۔ مثلاً کھیتی باڑی کے مزدوروں کی جو اجرت دوسری خدمات یا اس سے کچھ کم و بیش اسی طرح لوہار بڑھئی وغیرہ کی شرح اجرت بھی رواج پر جاری ہے۔ آج سے کچھ دنوں پہلے تک کاشتکار کا یہ بیان بالکل درست تھا اور اب بھی دور افتادہ دیہات میں یہی حال ہے کہ اجرت رواج پر مبنی ہے اور رواج جلد جلد نہیں بدل سکتا۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ رواج ہمیشہ بدلتا ضرور ہے۔ ممکن نہیں کہ ہمیشہ ایک سا رواج رہے۔ پس ہم کو اس نکتہ پر نظر ڈالنی چاہئے جبکہ رواج نہ تھا تاکہ معلوم ہو کہ کن اسباب کی بنا پر اجرت کی شرح کا رواج پڑا۔ گو ہندوستان کی قدیم معاشی تاریخ سے مدد ملنی چاہئے۔ ہندوستان کی قدیم معاشی تاریخ ابتک بہت کچھ تحقیق طلب ہے۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں کو اجرت دینے کا دستور رسم رواج سے نکلا۔ غالباً

دیہاتی مزدوروں کے آباؤ اجداد جو کہ ادنیٰ ذات کے لوگ تھے کسی زمانے میں کاشتکاروں کے غلام تھے۔ بالفاظ دیگر نہ تو وہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جا کر مزدوری کر سکتے تھے اور نہ وہ ہر کسی کے ہاں جو ان کو سب سے زیادہ اجرت دیتا کام کر سکتے تھے بلکہ وہ اپنے ہی مالک کے ہاں کام کرتے تھے اور جو اجرت مالک تجویز کرتا تھا وہی قبول کر لیتے تھے۔ ایسی حالت میں محنت کا بازار کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر مزدور غلاموں کے طور پر خرید و فروخت بھی ہوتے تب مویشیوں کی طرح محنت کا بازار لگ سکتا تھا لیکن ہندوستان میں خرید و فروخت کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ مزدور صرف کام کرنے اور اجرت لینے میں رسم و رواج کے پابند تھے کاشتکار کا بھی فائدہ اسی میں تھا کہ اس کے مزدور توانا و تندرست رہیں۔ اگر وہ بیمار پڑ جاتے یا مر جاتے یا تنگ آ کر اس پاس کے جنگلوں میں بھاگ جاتے تو اس کی کھیتی باڑی کا ناس ہو جاتا پس اسی اندیشے سے کاشتکار اپنے مزدوروں کو کافی غلہ وغیرہ دیتے تھے تاکہ وہ اچھی طرح پر کام کاج کرتے رہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اجرت ضرور دیتے تھے کہ زندہ اور تندرست رہ سکیں اگر اس میں کمی کی جاتی تو وہ فاقوں کے مارے بیکار ہو جاتے مگر جاتے عجب نہیں اگر مزدوروں کو خوش رکھنے کے خیال سے کسی قدر زیادہ اجرت بھی دی جاتی ہو۔ اس زمانے میں مزدوروں کی ضروریات چند گنتی کی ہوں گی ان کو سب سے زیادہ تو پیٹ بھرنے کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ دیہات کے درمیان بھی سلسلۂ آمد و رفت نہ تھا تو نئی ضروریات کیونکر پیدا ہو سکتی تھی۔ پس جبکہ کاشتکاروں کو تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ اجرت کی فلاں مقدار سے مزدور خوش ہیں اور ان کی گذر ہو سکتی ہے تو بس وہی مقدار مدتوں اجرت کے طور پر دی جاتی رہی۔ اور مزدور بھی سال ہا سال تک بس انہی ضروریات پر قانع رہے نہ اجرت بڑھی نہ ضروریات میں اضافہ ہوا حتیٰ کہ ان دونوں کا ایک رواج سا پڑ گیا لیکن بالآخر خارجی تبدیلیوں نے دیہات پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ اب رسم و رواج دوبارہ مستحکم ہونے لگے۔ لوگوں کو ان کی ابتدا تو یاد نہیں رہی انکی تائید میں صرف یہ کہنے لگے کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے:

ہندوستان کی قدیم معاشی تاریخ اس قدر تفصیل سے معلوم نہیں کہ کوئی قطعی طور سے
کہہ سکے کہ مزدوروں کی حالت ایک حد تک غلاموں کی سی تھی اور اجرت کی تمام ...
یونہی ہوئی جیسے کہ اوپر بیان کی گئی۔ البتہ جو کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان سے
وہی نتیجہ نکلتا ہے جو بیان ہوا۔ اور اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے
کہ ملک کے پس ماندہ حصوں میں اب تک مزدوروں کی حیثیت بہت کچھ غلاموں کی سی
ہے۔ قانوناً تو اب وہ اپنے مالک کا کام کرنے کے واسطے مجبور نہیں ہیں مگر
رسم و رواج کا اب بھی ان پر اتنا اثر ہے کہ وہ قدیم پیشوں پر قائم ہیں۔ وہی رواجی اجرت
لیتے اور اسی قدیم طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب ان کو کچھ کچھ محسوس ہونے
لگا ہے کہ وہ آزاد ہیں جہاں چاہیں اور جو چاہیں کام کریں اور اچھی سے اچھی
اجرت کمائیں۔

رواجی اجرت کی ابتدا

پس معلوم ہوا کہ غالباً رواجی اجرت کی ابتدا یوں ہوئی کہ مزدوروں کو خوش
اور تندرست رکھنے کے واسطے جس قدر ضروریات درکار تھیں دی جاتی تھیں۔ مگر اس
زمانے میں ضروریات انگلیوں پر گنی جا سکتی تھیں اور سب سے بڑی ضرورت خوراک کی
تھی پس تھوڑی سی مقدار بھی ان کے واسطے کافی ثابت ہوئی۔ اور وہی مقدار
مدتوں اجرت کے طور پر ملتی رہی۔ اس زمانے میں بیلاگت کے بازار جہاں تک
بہت سے دیہات میں ان بازاروں کا پتہ نہیں۔ البتہ قصبات اور شہروں میں اصل
کے مانند محنت کے بھی بازار قائم ہو رہے ہیں۔ قصبات میں جو صنعت و حرفت کثیر مقدار
میں معروف رہتی ہے اور ہاتھ بٹانے کے واسطے بہت سے مزدور درکار ہوتے
ہیں۔ اب اگر کوئی گاؤں ترقی کرتے کرتے قصبہ بن جائے اور پیدائش دولت
کا کاروبار پھیلے تو زیادہ مزدوروں کی ضرورت پڑے گی اور قرب و جوار کے
دیہات سے مزدور جمع ہو جائیں گے۔ لیکن دیہاتی مزدور قدیم طرز کی زندگی اور
اپنے گاؤں کے [illegible] کسی خاص لالچ بغیر وہ گاؤں سے نہ نکلیں گے۔ پس
لازم ہے کہ گاؤں کی اجرت سے زیادہ اجرت ان کو پیش کی جائے۔ یہاں واضح رہنا چاہیے
کہ قصبہ آباد ہونے سے محنت کا بازار بھی قائم ہو جاتا ہے۔ اب مزدوروں کی ...
میں بھی مزاحمت ہے اور قصبے میں بھی اجرتوں میں کشمکش شروع ہوتی ہے مثلاً

سے زیادہ اجرت کا لالچ دیکر یہ کوئی مزدوروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اب گویا اجرت رواج کی پابند نہیں بلکہ مزدوروں کی طلب و رسد کی حالت کے مطابق قرار پاتی ہے طلب تو ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو کاروبار جاری کریں اور رسد میں قرب و جوار کے دیہاتی مزدور شامل ہیں؛

اول اول تو محنت کے چھوٹے چھوٹے مقامی بازار قائم ہونگے لیکن جوں جوں ذرائع آمدورفت بڑھیں گے اور مزدوروں کے طبقوں میں تعلیم اور سمجھ بوجھ بڑھیگی محنت کے بازار بھی وسیع ہوتے جائیں گے۔ بازار کی خصوصیات انویں فصل میں بیان ہو چکی ہیں محنت کے بازار ابھی تک ہندوستان میں بہت کم باقاعدہ نظر آتے ہیں۔ اگر بازار پورے پورے باقاعدہ ہوتے تو کل مزدوروں کو خبر ملتی رہتی کہ کہاں کہاں مزدوروں کی ضرورت ہے اور کیا کیا اجرت مل رہی ہے اور جیسی اجرت کی خبر ملتے ہی مزدور ملک کے ہر حصے میں جا پہنچتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت تھوڑے مزدور دوسری جگہ جانے پر آمادہ ہو سکتے ہیں اور وہ بھی ایسی جگہ کہ جہاں کا حال ان کو پہلے سے خوب معلوم ہو۔ پس شرح اجرت پر طلب و رسد کی حالت کا اس قدر اثر نہیں پڑتا جتنا کہ ایک باقاعدہ بازار میں پڑنا چاہئے۔ محنت کے بازاروں کی حالت زرعی زمین کے بازاروں سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے یعنی محنت اور زرعی زمین کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مقامی بازار ہیں جن میں طلب و رسد کا شرح اجرت یا لگان پر خاصا اثر پڑتا ہے۔ اور ان مقامی بازاروں میں باہم تھوڑا بہت رشتہ قائم ہے گویا گرد و نواح میں طلب و رسد کی جو حالت ہو تھوڑا سا اثر اس کا بھی شرح اجرت پر پڑتا ہے۔ لیکن ان بازاروں میں اتنا قوی تعلق نہیں جتنا کہ گیہوں یا روئی کے بازاروں میں نظر آتا ہے ایک بازار کا دوسرے بازار پر اثر پڑتا ضرور ہے مگر کم۔ نہ اس قدر جتنا کہ اور چیزوں کے بازاروں کا ایک دوسرے پر پڑتا ہے۔ دوسری چیزوں اور محنت میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ محنت میں مرضی بھی داخل ہے۔ اور چیزوں کو جہاں چاہے بھیج سکتے۔ لیکن مزدور چاہے تو کہیں جائے چاہے نہ جائے بہت کچھ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ گیہوں کی بوری کو اپنے صرف میں کوئی دخل نہیں مالک جہاں چاہے اور جس کے ہاتھ چاہے اس کو فروخت

کر دے لیکن محنت تو انسان سے جدا نہیں ہو سکتی۔ اور انسان کو گیہوں کی بوری کی [illegible]
طرح جہاں چاہیں اپنی خوشی سے نہیں بھیج سکتے۔ بلکہ وہ محنت [illegible]
اور کہاں کرے۔ پس محنت کے بازار پر مزدوروں کے [illegible]
اثر پڑتا ہے اور اجرت سے بحث کرتے وقت یہ خیال رکھنا [illegible]
انسانوں سے سابقہ ہے نہ کہ بے جان چیزوں یا غیر [illegible]
مال و سامان میں جو منی کی موجودگی اور [illegible]
اگلی فصل میں پیش کی جاتی ہے:



فصل چالیسواں

اُجرت

۲۰۰ وضع
اجرت

محنت کے بازار جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان ہوا ہندوستان میں جا بجا قائم ہو رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بازار چلتے کیونکر ہیں۔ محنت کی طلب کیونکر پیدا ہوتی ہے اور اس کی رسد کہاں سے آتی ہے اور طلب و رسد میں توازن کیونکر قائم ہوتا ہے سب سے اول شرح اجرت کا مفہوم واضح کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان کے قصبوں میں ہمیشہ معمولی مزدوروں کی اجرت کی کچھ عام شرح رہتی ہے۔ یعنے اگر ہم کوئی معمولی مزدور رکھیں تو اس کو مروجہ شرح کے مطابق معین یا اس سے زیادہ اجرت دینگے اس طرح دیہات میں بھی شرح اجرت کا بہتیرے ا امرو ار رواج پر ہے۔ ہر گاؤں میں شرح مختلف ہو سکتی ہے جو مزدور کام کرتے ہیں وہ اپنے گاؤں کی مروجہ شرح کے مطابق کچھ دام یا غلہ بطور اجرت پاتے ہیں۔ مروجہ شرح سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک مزدور کو بلا کم و بیش اجرت کی ایک ہی مقدار دی جاتی ہے۔ اگر کوئی مزدور معمول سے زیادہ یا بہت عمدہ کام کرے تو اس کو اجرت بھی زیادہ ملیگی۔ اس کے برعکس اگر کوئی مزدور بوجہ کمزوری یا بد دیانتی تھوڑا یا ادنیٰ درجہ کا کام کرے تو اس کی اجرت بھی گھٹ جائیگی۔ لیکن یہ ہر دو قسم کے مزدور مستثنیات شمار ہوں گے۔ ہمیشہ اور ہر جگہ کام اور کارکردگی کا ایک معیار مسلم ہوتا ہے۔ اور مروجہ شرح سے اجرت ان مزدوروں کو ملتی ہے جو اس معیار کے مطابق ہوں اور ایسے ہی مزدوروں کی کثرت بھی ہوتی ہے۔

غالباً قدیم ہندوستان کے مزدوروں کو اجرت میں ایسی چیزیں ملتی تھیں

جن سے براہ راست ان کی احتیاجات پوری ہو [illegible] پیداوار [illegible]
ضرورت نہ پڑتی۔ مزدوروں کو کما نا پڑتا [illegible]
رہنے کے واسطے مکان بھی دیتے [illegible]
اجرت میں صرف غلہ ملے اگا جس کا ٹرا حصہ تو وہ خوراک [illegible]
باقی فروخت کرکے اس کی بہت سے کپڑا اور [illegible] اجرت [illegible]
کچھ عرصہ بعد ان کو اجرت میں نقد رقم ملنے لگی جس سے [illegible]
لیکن اب بھی قدیم طریق کا کچھ [illegible] باقی ہے [illegible] اجرت کا
تخمینہ کرتے وقت صرف زر موصولہ پر نظر نہ رکھنی چاہئے [illegible]
کہ آیا مزدوروں کو کسی اور شکل میں بھی معاوضہ [illegible]
مزدوروں کو جو رقم یا غلہ بطور اجرت ملتا ہے اس کے [illegible]
واسطے کچھ بھنے ہوئے دانے اور پینے کے واسطے تھوڑ [illegible] ملتا ہے [illegible]
کی اجرت میں یہ چبینا اور تمباکو بھی شمار ہونا چاہئے۔ [illegible] اصل [illegible]
ہو چکا ہے کہ سائیس کو جو ماہانہ تنخواہ ملتی ہے وہ اس کی اجرت [illegible]
ہوتی ہے۔ چند روپیہ ماہوار کے علاوہ اس کو اور چیزیں بھی اجرت [illegible]
کو مکان، جلانے کو گھاس اور کبھی کبھی پیسے [illegible]۔ اجرت کی [illegible]
میں ادا کرنے کا جو طریق مروج ہے اس سے کبھی کبھی اصلی اجرت [illegible]
میں دھوکا ہو سکتا ہے۔

جوں ہی اجرت بشکل زر ملنی شروع ہوئی اجرت کی دو قسمیں [illegible]
جس کو اجرت متعارفہ بھی کہتے ہیں، دوسری اجرت حقیقی [illegible] دو قسم کا فرق
سمجھنا ضروری ہے۔ اجرت متعارفہ سے تو وہ اجرت مراد ہے جو زر کی مقدار میں
بیان کی جائے مثلاً چار آنے روز یا دس روپیہ ماہوار۔ لیکن اجرت حقیقی سے مراد
چیزوں کی وہ مقدار ہے جو مزدور کو حاصل ہو سکے مثلاً غلہ [illegible]
مقدار۔ مزدور تو اپنی ضروریات کی خاطر محنت کرتا ہے [illegible]
کی مقدار سے سروکار ہے نہ کہ روپیہ پیسہ کی مقدار سے [illegible] اجرت [illegible]
بڑھ کر تین آنے روز ہو جائے تو گویا اجرت متعارفہ [illegible] صدی [illegible]

ماس ہو
عمل ۴

لیکن اجرت حقیقی کی حالت دریافت کرنی مطلوب ہو تو مزدوروں کی ضروریات کے نرخ دریافت کرنے چاہئیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کو کس قدر ضروریات میسر ہیں اگر نرخوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو اجرت متعارفہ میں پچاس فی صدی اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسی قدر اضافہ اجرت حقیقی میں ہوگا۔ جب اجرت دو آنے کے بجائے تین آنے روز ہو جائے تو صاف ظاہر ہے کہ مزدور ڈیوڑھا سامان خرید سکے گا۔ لیکن اگر اسی دوران میں نرخ بھی پچاس فی صدی بڑھ جائیں تو اجرت متعارفہ کے پچاس فی صدی سے مزدور کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ جس قدر ضروریات اس کو دو آنے اجرت ملنے پر میسر تھیں اتنی ہی بوجہ گرانی تین آنے ملنے پر حاصل ہیں۔ پس آنوں کی تعداد بڑھنے سے کیا فائدہ جبکہ سامان کی مقدار میں کوئی اضافہ نہ ہو۔ کہنے کو اجرت متعارفہ بڑھ گئی لیکن اجرت حقیقی وہی ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا اگر مدت سے کسی گاؤں میں شرح اجرت دو آنے روز چلی آتی ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اجرت حقیقی میں بھی کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ غلہ، نمک، کپڑا اور دیگر ضروریات روز بروز گراں ہو رہی ہیں پس جبکہ اجرت متعارفہ برقرار رہے تو بوجہ گرانی اجرت حقیقی میں بہت تخفیف ہو سکتی ہے حالانکہ مزدوروں کو اب بھی وہی دو آنے ملتے ہیں لیکن ان کو بمقابل سابق ضروریات کی کمتر مقدار میسر ہوتی ہے۔

اجرت حقیقی میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا آسان نہیں۔ مزدوروں کی ضروریات بتفصیل تمام دریافت کرنی پڑتی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کن کن چیزوں کی کتنی مقدار مزدوروں کے صرف میں آتی ہے اور ان ہی کی قیمتوں کے حساب سے اجرت حقیقی کا پتہ چلتا ہے پس ماندہ دیہات میں مزدوروں کی ضروریات انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں اور وہاں مدتوں تک ان میں تبدیلیاں نہیں ہوتیں۔ ان کے متعلق تو ایسی تحقیقات کرنی زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن دقت شدید اس وقت پیش آتی ہے جبکہ مزدوروں کی ضروریات میں جلد جلد اضافہ اور تبدیلیاں نمودار ہوں اور وسائل رسد بھی بدلتے رہیں چنانچہ شہر اور قصبات میں یہی حالت نظر آتی ہے جبکہ کسی ملک کی معاشی حالت کا مطالعہ کرنا مطلوب ہو تو باوجود دقتوں کے اجرت متعارفہ دریافت کرنی ضرور ہے۔ کیونکہ مالی حالت کا پتہ اسی سے

چلتا ہے۔ اس کام کے واسطے محض اجرت متعارفہ کا جاننا بیکار ہے۔ بغرض سہولت ہم بجز
سردست ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ چیزوں کی قیمت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور اصلی
اجرت متعارفہ کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ اجرت صحیحہ میں بھی تخفیف و اضافہ ہوتا ہے۔
ایسی حالت میں ہم البتہ شرح اجرت کی کمی بیشی باخوف معاملہ زر کی مقدار میں بیان
کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مزدور کو اصل ضروریات کی مقدار
سے غرض ہے روپے پیسے کی تعداد سے فی نفسہ اس کو کچھ مطلب نہیں۔ بالفاظ دیگر اجرت
میں اس کو زر کی مقدار خواہ کم ملے یا زیادہ لیکن ضروریات کی مقدار کافی بلکہ وافر
ملنی چاہیے۔ سچ پوچھو تو مزدور کھانے پینے کی خاطر محنت کرتا ہے نہ کہ سونے چاندی
کے سکے جمع کرنے کے لالچ سے۔ بیان میں تو اجرت متعارفہ زیادہ آتی ہے، لیکن
مزدور کے حق میں اجرت صحیحہ غور طلب ہے:

شمالی ہندوستان میں محنت کے بیسیوں بازار ہیں دیکھیں وہ کیونکر چلتے ہیں اس کے
اور مروجہ شرح اجرت کیونکر قرار پاتی ہے۔ جن جن لوگوں کو کام کاج کے واسطے
مزدوروں کی ضرورت ہو ان سب کی طرف سے طلب پیش ہوتی ہے۔ مزدوروں
کی بیسیوں جگہ ضرورت رہتی ہے۔ کارخانوں میں، مال گوداموں میں، تعمیرات میں،
کھیتی باڑی، باربرداری، خدمتگاری، اور طرح طرح کے کاموں میں۔ ان تمام شعبوں
میں جتنے مزدور درکار ہوں ان سب کی مجموعی طلب بازار میں پیش ہوتی ہے۔ طلب کی
کوئی مقدار معین نہیں ہوتی بلکہ اجرت کی کمی بیشی سے اس میں بھی اسی طرح تبدیلی
ہوتی رہتی ہے جیسے کہ قیمت کے گھٹنے بڑھنے سے چیزوں کی طلب میں اضافہ
تخفیف ہوتی ہے۔ گویا قانون طلب کا چیزوں اور محنت پر یکساں اثر پڑتا ہے۔
طالب علموں کو مزدور رکھنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا، پس ممکن ہے کہ یہ نکتہ بخوبی
ان کی سمجھ میں نہ آئے کہ قانون طلب کا محنت پر بھی اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا احتیاطاً کسی
مزید تشریح کرتے ہیں:

چیزوں کی طلب سے بحث کرتے وقت معلوم ہوا تھا کہ ہر صرف کرنے والے صاحب
کی نظر میں قیمت کی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ اگر قیمت اس حد سے بڑھے تو وہ اس
چیز کو صرف کرنا ہی چھوڑ دیگا۔ محنت سے جس قدر دولت پیدا ہوا اسی کے حساب سے

ابجر
صص ۴

اجرت کی حد قرار پاتی ہے۔ بعض سادہ مثالوں سے یہ امر بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گھسیارے کو دو آنے روزانہ اجرت دے تو یقیناً وہ کم از کم دو آنہ کی گھاس کھود کر لاتا ہوگا۔ یہ تو ممکن ہے کہ گھسیارے کو گھاس کی قیمت سے کم اجرت ملے۔ لیکن وہ زیادہ کسی حالت میں نہیں پا سکتا۔ پس گھسیارے کو دو آنے دئیے جاتے ہیں ممکن ہے کہ اس کی گھاس کی قیمت تین آنے ہو مگر دو آنے سے کم نہیں ہو سکتی اور نہ اس کو دو آنے اجرت ملنی محال ہے۔ جہاں کاروبار اعلیٰ پیمانے پر جاری ہو وہاں بھی مزدوروں کی اجرت یونہی قرار پاتی ہے۔ البتہ چونکہ مزدوروں کی محنت ہوتی ہے اور تاجر کا اصل اور یہ دونوں عامل مل کر دولت پیدا کرتے ہیں، یہ دریافت کرنا ذرا دشوار ہے کہ محنت سے کتنی دولت پیدا ہوئی اور اصل سے کتنی۔ لیکن تاجر کو یہ معلوم کرنا لابد ہے اور یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ مزدور کو جتنی اجرت ملے کم از کم اسی قدر بلکہ اس سے کچھ زیادہ دولت وہ اپنی محنت سے پیدا کر دے الغرض تاجر مزدور کو زیادہ سے زیادہ اس قدر اجرت دے سکتا ہے جس قدر کہ اس کے کام سے دولت پیدا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ محنت کی جدول طلب میں بھی ایک اعلیٰ حد ہوتی ہے اگر اجرت اس مقدار سے بڑھے تو لوگ مزدوروں سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں۔

طلب محنت
اور شرح اجرت

جیسے کہ اجرت کی ایک اعلیٰ حد ہے اسی طرح ایک ادنیٰ حد بھی ہے وجہ یہ کہ محنت کی طلب بہ تمام و کمال پوری ہونی ممکن ہے اگر ایک پیسہ روزانہ اجرت پر بھی مزدور محنت کرنے کو آمادہ ہوں تب بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ بیشمار مزدور کام سے لگ جائیں۔ البتہ کام کرنے والے مزدوروں کی جماعت میں اضافہ ضرور ہو جائیگا۔ پس محنت کی جدول طلب میں ایک ادنیٰ حد بھی ہے کہ اگر اجرت اس سے بھی گھٹے تو محنت کی طلب میں اضافہ نہ ہو۔ کیونکہ اس حد پر اس کی احتیاج بہ تمام و کمال اس طرح پر پوری ہو جاتی ہے جیسے کہ اور چیزوں کی ہوتی ہے ان ہر دو حدود کے مابین شرح اجرت کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی طلب میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ شرح گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے اور بڑھنے سے گھٹتی ہے جیسے جس طرح کہ قیمت کے ساتھ چیزوں کی طلب میں تبدیلی ہوا کرتی ہے

گھر کے کام کاج پر بھی اجرت کا اثر پڑتا ہے مثلاً گھاس کھدوانا ہو یا باغ میں کام کرانا
ہو تو مزدور رکھتے وقت اجرت کا خیال رہے گا۔ اگر اجرت زیادہ ہوئی تو کم مزدور
رکھے جائیں گے۔ اور بعض ایسے کام ملتوی کر دیئے جائیں گے جو اجرت کم ہونے کی
حالت میں مکمل کرا دیئے جاتے۔ مثلاً کاشتکاروں کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ مزدور
رکھے جاویں یا نہیں اور اگر رکھے جاویں تو کتنے۔ اور بعض وقت اجرت میں ایک
ایک پیسہ گھٹنے بڑھنے سے آجروں کے فیصلے پر اثر پڑتا ہے ٹھیکیداروں کو بھی اجرت
کا خاص خیال رہتا ہے۔ اگر کم ہوئی تو زیادہ مزدور لگا کر کام جلد ختم کر لیں گے اور
زیادہ ہوئی تو مزدور گھٹا کر کام زیادہ دنوں تک کھینچ لیں گے۔ جہاں پیدائش
دولت بڑے پیمانے پر جاری ہو اور اصل کی بڑی بڑی مقداریں کام کر رہی ہوں
وہاں بھی مثلاً کارخانوں میں شرح اجرت پر بہت توجہ کی جاتی ہے کارخانہ داروں کو
چند دشوار مرحلے پیش آتے ہیں ان میں سے بعض کا باعث یہ ہوتا ہے کہ موجد
نئے پر کل یا مشین کو دستی محنت کا جانشین بنا دیتے ہیں۔ کارخانہ دار فیصلہ کرتے وقت
کل کے مطالبات فرسودگی اور اصل کے سود کے مجموعہ کا مزدوروں کی اجرت سے
مقابلہ کرتا ہے۔ تب کہیں پتہ چلتا ہے کہ کل سے کام لینا زیادہ مفید ہے یا مزدوروں
سے کام کرانا۔ اگر اجرت کم ہے تو مزدوروں سے زیادہ کام لیا جائیگا۔ مثلاً سامان
لادنا لیجانا۔ لیکن اجرت بڑھنے پر ممکن ہے کہ یہ کام بھی کل سے لیا جائے اور مزدوروں
کی تعداد گھٹ جائے؛

پس واضح ہوا کہ اجرت بڑھنے پر ہر قسم کے آجر اپنے کام میں مزدوروں کی
تعداد گھٹا دیتے ہیں اور ہر قصبے میں کچھ ایسے آجر موجود ہیں جو خواہ شرح اجرت
کچھ ہی کیوں نہ ہو اسی چکر میں رہتے ہیں کہ کتنے مزدور رکھنے چاہئیں۔ اجرت
کی خفیف تبدیلی سے ایسے متذبذب آجروں کے فیصلے پر بہت کچھ اثر پڑ سکتا ہے
یعنی ذرا سی تخفیف سے طلب بڑھ جاتی ہے اور اضافے سے طلب میں کمی ہو جاتی
ہے۔ چیزوں کی طلب کے مانند محنت کی طلب کا بھی جدول تیار ہو سکتا ہے
جس میں کسی قصبے کے بازار محنت پر قانون طلب کا اثر نمایاں ہو کیونکہ اجرت
بڑھنے سے محنت کی طلب گھٹتی ہے اور اجرت گھٹنے سے طلب بڑھتی ہے

باب پنجم
فصل ۴
کارکردگی اور اجرت

طلب محنت کی بحث ختم کرنے سے قبل ایک ضروری بات اور جتا دینی چاہیے وہ یہ کہ جدول طلب میں جو اجرت کی اعلیٰ حد ہوتی ہے اس کا مقام خاص کر مزدوروں کی کارکردگی پر منحصر ہے۔ دسویں فصل میں کارکردگی کی مفصل بحث پیش ہو چکی ہے جس سے واضح ہوا کہ پیداوار کی مقدار کا دار و مدار مزدوروں کی کارکردگی پر ہے پیداوار کی قدر و قیمت کے لحاظ سے اجرت کی اعلیٰ حد قرار پاتی ہے۔ گویا اس کا دار و مدار بھی خود مزدوروں کی کارکردگی پر ہے۔ آجر کارکردگی کی اہمیت سے خوب واقف ہیں۔ مثلاً ٹھیکہ دار مشقت طلب کاموں میں اودھ کے رہنے والے مزدوروں کو مقابلتہً زیادہ اجرت دیتے ہیں اور متوسط ہند کے رہنے والوں کو کم۔ وجہ یہ ہے کہ اول الذکر مزدور زیادہ مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں اور زیادہ کام کر سکتے ہیں جہاں تعمیر کے بڑے بڑے کام جاری ہیں وہاں پنجاب سے سکھ بڑھئی بلائے جاتے ہیں۔ یا کلکتہ سے چینی بڑھئی۔ عام ہندوستانی بڑھئیوں کے مقابلے میں چینی اور پنجابی بڑھئیوں کو اجرت زیادہ ملتی ہے اور یہ کچھ بیجا نہیں کیونکہ وہ زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں اور عمدہ کام کرتے ہیں۔ مزدوروں کا کام جس قدر قیمتی ہو اس سے زیادہ ان کو اجرت نہیں مل سکتی۔ البتہ اگر ان کی کارکردگی میں ترقی ہو یعنی وہ زیادہ قیمتی کام کرنے لگیں تو ان کی اجرت میں ضرور اضافہ ہو جائیگا۔

فصل اکتالیس

اجرت

رسد محنت

جب ہم اس محنت کے مسئلے پر غور کرتے ہیں تو معمولی چیزوں کی رسد کے مقابلے میں اس میں کہیں زیادہ پیچیدگیاں نظر آتی ہیں محنت کی رسد سے مزدوروں کی وہ تعداد مراد ہے جو کام کرنے کے واسطے موجود اور آمادہ ہو۔ کام کرنے سے ان کی یہ غرض ہوتی ہے کہ ان کی ضروریات پوری ہوں۔ اب اگر چیزوں کی قیمتوں میں تو کوئی اضافہ نہ ہو اور اجرت متعارف بڑھے تو گویا ان کی اجرت حقیقی بڑھ گئی۔ یعنی اُن کو زیادہ روپیہ ملنے لگا۔ بہت ممکن ہو سکتا ہے کہ بہت مزدور کہ اجرت کے اضافے کی وجہ سے کام کرنے کے لئے پیش پیش رہتے ہوں وہ بھی اجرت بڑھنے پر کام سے تھک جاویں گے تو یا محنت کی رسد میں اضافہ نہ ہوگا۔ پس تمام تر محنت کی حالت عام چیزوں کی سی ہے کہ قیمت بڑھنے سے رسد بھی بڑھتی ہے لیکن رسد محنت کے اضافہ کا عمل بہت زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ محنت کی وہ خاص باتیں ہیں جو بیان ہوئیں۔ یعنی یہ کہ مزدور اپنی محنت کا مختار ہے اور اس کی زندگی بہت کچھ عادات اور رسم و رواج کے تابع ہوتی ہے:

پہلی خاصیت تو یہ ہے کہ محنت مزدور سے جدا نہیں ہو سکتی یعنی مزدور اپنے کام سے الگ نہیں رہ سکتا۔ گیہوں کی بوری خواہ کہیں جائے فروخت کنندہ کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ اسکو تو بس قیمت سے غرض ہے۔ لیکن مزدور اپنی محنت کے معاملے میں اس قدر بے تعلق کیونکر رہ سکتا ہے۔ اس کو تو محنت کے ساتھ خود جانا لابد ہے پس کہاں جاتا اور کن حالتوں میں کام کرنا پڑتا

[illegible] کے میں بہت توجہ طلب ہیں۔ اور اگر وہ اپنی طرز زندگی بدلنے پر آمادہ
[illegible] سے [illegible] اجرت ملنے پر بھی وہ گھر بار چھوڑ کر کہیں نہ جائے
[illegible] وہ سب [illegible] بہت سے چند چند میل کے فاصلہ پر قصبات میں شرح اجرت
بہت [illegible] ہے۔ اگر [illegible] کی حالت ہی حال [illegible] ہوتی تو دیہات
بہ نسبت کی اجرت [illegible] ممکن تھا۔ زیادہ اجرت کی [illegible] مزدور دیہات
سے قصبات میں جا پہنچتے۔ [illegible] میں [illegible] گھٹنے سے اجرت میں کچھ اضافہ
ہوتا اور قصبات [illegible] گھٹنے سے کچھ تخفیف اور اس طرح پر دیہات اور قصبات
کی شرح اجرت ایک سطح پر [illegible]۔ [illegible] اور قصبات میں جاتے [illegible] ہیں مگر زیادہ تعداد
[illegible] اس کو [illegible] وجہ یہ ہے کہ دیہات کی زندگی ان کو زیادہ پسند
[illegible] ہے۔ [illegible] زندگی میں ان کو اس قدر لطف [illegible] نہیں ملتا۔ گاؤں
[illegible] اور [illegible] گھر ہوتا ہے۔ اس کے [illegible] دیکھ بھال [illegible] ہوتی ہے وہ
اور اس کا [illegible] بچپن سے [illegible] ہے۔ لیکن جب وہ قصبے میں جاتا ہے
تو اس کو تنگ [illegible] کوئی چھوٹا سا مکان کرایہ پر لینا پڑتا ہے۔ جہاں اسکا
دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور اس کو گاؤں کی صاف اور کھلی ہوا یاد آتی اور دل کو
بےچین کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ کارخانے میں کام کرنا اس کو دوبھر معلوم ہوتا ہے
یہ نہیں کہ جب ذرا تھکے سستانے بیٹھ گئے حقہ پانی کیا۔ حالانکہ گاؤں میں وہ جب چاہیں
آرام لے لیں۔ کوئی معترض نہیں ہوتا۔ اس پر طرہ یہ کہ کارخانوں میں نگران کار
ہر وقت سر پر سوار رہتے ہیں اور جن مزدوروں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے وہ
اجنبی اور مختلف ذات کے لوگ ہوتے ہیں۔ حالانکہ گاؤں میں کوئی ایسی سخت
نگرانی نہیں ہوتی۔ اور اپنے ہی [illegible] بندوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں
شمالی ہندوستان میں [illegible] مزدوروں کو ان باتوں کا بہت خیال ہوتا ہے
اور ان میں اکثر کو اپنے گاؤں کے دو آنے روز قبول ہیں مگر تین چار آنے
روز کی خاطر قصبے میں جانا منظور نہیں ہوتا

کام کا پسندیدہ و ناگوار ہونا خاص فوائد

پس معلوم ہوا کہ کام کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی یہ ایسا پسند خاطر ہوتا ہے
کہ لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ اور کبھی اس درجہ ناگوار کہ لوگ اس سے بچتے ہیں۔

لیکن کام کی یہ خاصیت کچھ ہندوستان ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ دوسرے ممالک [illegible]
میں بھی معاشیین کو اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ مختلف کام [illegible]
کے متعلق ہر قوم کے خیالات و رسم و رواج جدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں تو [illegible]
کو یہ شکایت ہے کہ اعلیٰ اجرت ملنے پر بھی مزدور گاؤں چھوڑ کر [illegible]
بعض ممالک میں اس کے برعکس یہ ہوتا ہے کہ سب اچھے اچھے مزدور گاؤں
چھوڑ کر قصبات میں جا رہتے ہیں۔ وہاں ان سب کو کام [illegible] ہوتا ہے
حالانکہ گاؤں میں کام کرنے کو کافی مزدور نہیں ملتے۔ [illegible] ہے کہ
ہر قوم کے لوگ بعض بعض کام زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور بعض [illegible] معلوم
ہوتے ہیں۔ اور پسندیدہ کاموں کو وہ کم اجرت پر بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں
اور ناگوار کاموں کو زیادہ اجرت ملنے پر بھی ہاتھ نہیں لگاتے پس ثابت ہوا کہ کسی
بازار میں محنت کی رسد محض اجرت پر منحصر نہیں بلکہ قوم کے خیالات اور کام کی
حالت کا بھی رسد پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ مزدور صرف اجرت کا خیال نہیں کرتا ہے
بلکہ وہ کام کی دلپسندی اور ناگواری کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ [illegible] کام کی حیثیت
مجموعی اس کو بہتر نظر آتی ہے اس کو اپنے واسطے منتخب کرتا ہے [illegible]
کام سے کام کا [illegible] وقت معاشیین خالص فوائد کا حوالہ دیا کرتے ہیں
فوائد خالص سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کی سب خوشگوار باتیں جن میں اجرت بھی
شامل ہے۔ ایک طرف شمار کی جاویں۔ اور کل ناگوار باتیں دوسری طرف اور
اول الذکر میں سے آخر الذکر منہا کر کے دریافت کریں کہ [illegible] فوائد خالص
کی مقدار کیا ہے اب ہر کام کے فوائد خالص اسی طرح معلوم کر کے ان کا باہم مقابلہ
کیا جائے۔ جس کام میں ان کی مقدار سب سے زیادہ نظر آئے وہی کام شروع
کر دیا جائے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مذکورہ بالا مقابلوں میں سب مدوں کا صحیح صحیح
حساب تیار ہو۔ مثلاً آب و ہوا اور طرز معاشرت کے فرق کا صحیح صحیح مقابلہ دشوار
ہے۔ لیکن اوپر کے بیان سے یہ پتا ضرور چلتا ہے کہ کام کے انتخاب میں [illegible]
انجام دینے میں کس اصول پر عمل کرتا ہے اس کو ایسا کام کرنے کی خواہش ہوتی ہے
جو اس کو اور اس کے خاندان کو سب سے زیادہ دلپسند معلوم ہو۔ وہ جہاں تک

ہو سکتا ہے وہ تمام ذرائع معاش کا مقابلہ کرکے ان میں سے ایک اپنے واسطے منتخب کر لیتا کبھی محض اجرت کا فرق انتخاب کی بنا قرار پا جاتا ہے۔ کیونکہ مزدور کے نزدیک اجرت کی بیشی کام کی دوسری ناگوار باتوں کی پوری تلافی کر دیتی ہے۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ وہ کام کی عمومی حیثیت پر نظر ڈالتا ہے ؛

دوسری خاصیت جس کا رسد پر اثر پڑتا ہے یہ ہے کہ محنت کو بطور ذخیرہ پس انداز کرکے نہیں رکھ سکتے۔ اگر قیمت بہت گھٹ جائے تو تاجر اپنا مال روک سکتا ہے چند ماہ بعد بھی اس کا مال اسی طرح کام آسکے گا جیسے کہ اب آتا۔ لیکن اگر مزدور کسی روز کام نہ کرے تو بس اس کا دن غارت ہوا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اگلے روز وہ دو دن کا کام کرنے میں مزدور کا زمانہ ہی میں ہے کہ وہ روز کے روز اپنی محنت فروخت کرتا ہے۔ اگر کسی روز اس کی محنت فروخت نہ ہو یعنی اس کو کام نہ ملے تو بس اس دن کی محنت برباد ہوئی۔ آج کی محنت کل فروخت نہیں ہو سکتی۔ محنت کا حال ان مچھلیوں کا سا ہے جو گرمی کے زمانے میں کسی روز فروخت نہ ہوں اور رات بھر میں سڑ کر بیکار ہو جائیں۔ کبھی کبھی جب اجرت بہت ہی کم ملے تو کام چھوڑ بیٹھنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسی ترکیب سے اجرت بڑھنے کی قوی امید رہو۔ جب تک مزدوروں کی بڑی جماعت میں اتفاق نہ ہو وہ جو مزدوروں کے کام چھوڑنے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ جب اجرت بڑھوانے یا اور کوئی شکایت رفع کرانے کی غرض سے مزدوروں کی کوئی جماعت کام چھوڑ بیٹھے تو ان کا یہ فعل اصطلاحاً اسٹرائک یا ہڑتال کہلاتا ہے۔ اکثر ملکوں میں اس کا بہت رواج ہے اور ہندوستان میں بھی بعض صنعت و حرفت کے مزدور کبھی کبھی ہڑتال کر بیٹھتے ہیں۔ یہ ترکیب اسی وقت چل سکتی ہے جب کہ مزدوروں کے پاس بیکاری کے زمانے میں اپنے اور بچے کھانے کی غرض سے کافی اندوختہ موجود ہو۔ ورنہ اگر حالت یہ ہو کہ روز کنواں کھودنا اور روز پانی پینا تو کام چھوڑتے ہی فاقہ کشی کی نوبت آجائیگی۔ حاصل کلام یہ کہ بیچارے مزدور میں اتنی سکت نہیں کہ وہ ایک مدت سے زیادہ کام چھوڑ بیٹھے۔ حالانکہ نسبت سے آجر کہیں زیادہ مدت تک کارو بار بند رکھ سکتے ہیں پس اجرت طے کرنے میں مزدور تو ضعیف ہے اور آجر قوی۔ چنانچہ

اکثر مزدور ایسی اجرت پر کام کرتے رہتے ہیں [illegible]
جنھیں یعنی محنت کی رسد گھٹ دیں تو [illegible] کی اجرت [illegible]
چلکر طالب علم کو معلوم ہوگا کہ مغربی ممالک میں [illegible]
وہاں پر مزدوروں نے اتفاق کرکے انجمن بناکے [illegible]
نشا یہ ہے کہ مزدوروں کو اجرت طے کرنے میں [illegible]
کے زمانے میں مزدوروں کے خور و نوش کا سامان [illegible]
رہیں۔ اگر ہندوستان میں ہر طرف کارخانے جاری ہو [illegible]
تو یہاں بھی ہڑتال ایک توجہ طلب مسئلہ بن جائیگی۔ [illegible]
یہ شعور ہے کہ ہڑتال کرنی مفید ہوگی۔ ان میں [illegible]
اور نہ ان کے پاس کچھ اندوختہ کہ بیکاری میں گذر کرسکیں [illegible]
مل سکتی تھی اس سے کم مقدار پر ان کو اکثر کام [illegible]

یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ کارکردگی کا محنت کی رسد پر [illegible]
قسم کے کسوں کا صیغہ ایک ہی کارآمد ہے ہی دوسرا [illegible]
مداتیار ہوگی۔ لیکن مزدور مزدور سب برابر نہیں۔ کوئی کام [illegible]
کوئی عمدہ قسم کا کام کرتا ہے کوئی ادنیٰ قسم کا۔ اگر کارکردگی میں اضافہ [illegible]
[illegible] قدر کام کرنے لگیں جتنا کہ چار آدمی کرتے تھے تو اس اضافہ کا [illegible]
کی رسد پر وہی اثر پڑیگا جو بقدر ایک ثلث [illegible] بڑھنے سے [illegible]
اندر رسد محنت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان پر غور کرتے وقت [illegible]
حالت بھی پیش نظر رکھنی ضرور ہے البتہ مختصر [illegible] ان میں [illegible]
کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ خود کارکردگی میں اس قدر جلد جلد تبدیلیاں نہیں ہوتیں
بہت اہتمام کے ساتھ تعلیم اور تربیت دینے اور اخلاقی [illegible]
کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ کام مدتوں میں سرانجام پاتا ہے؛

ایک خاصیت یہ بھی قابل غور ہے کہ آبادی بڑھنے سے محنت کی رسد میں جو
اضافہ ہوتا ہے اس کے واسطے بھی مدت درکار ہے۔ اگر کسی چیز کی بازاری قیمت
بڑھے تو لوگ اس کی زیادہ مقدار تیار کرنے لگتے ہیں اور رسد بڑھ جاتی ہے

اس تبدیلی میں مختلف وقفے لگتے ہیں۔ مثلاً دو ایک ہفتہ ہی میں کارخانے چاہیں تو سوت یا کپڑے کی مقدار بڑھا دیں۔ البتہ گیہوں وغیرہ کی پیداوار بڑھانے میں چند ماہ لگ جائیں گے۔ لیکن بہرحال ان چیزوں کی پیداوار بڑھانے میں اس سے کہیں کم وقت لگتا ہے جو رسد محنت کے اضافہ کے واسطے درکار ہے کہ بچے پیدا ہوں، پلیں، بڑھیں، جوان ہوں تب کہیں مزدور بنیں۔ ماحصل کلام یہ کہ اضافۂ آبادی کے ذریعے سے محنت کی رسد جلد نہیں بڑھ سکتی۔ البتہ ممکن ہے کہ کوئی مرض یا وبا پھیل کر آبادی کا صفایا کر دے اور یکبارگی مزدوروں کی رسد بہت گھٹ جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسد محنت میں جو تبدیلیاں جلد جلد ہوتی ہیں وہ اسی ترک وطن سے ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پچھلی ایک فصل میں آ چکا ہے۔ یعنی یہ کہ لوگ دوسری جگہ جا جا کر آباد ہوں۔ موت یا پیدائش کی شرح تو اس قدر جلد نہیں بدلتی کہ اس کی وجہ سے رسد میں کوئی نمایاں فرق پڑ سکے۔ مسئلہ ترک وطن دوسری فصل میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں بھی ترک وطن بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ ابھی اس کی ترقی میں بہت سی دقتیں حائل ہیں تاہم قرائن یہی ہیں کہ آئندہ ترک وطن کے ذریعے سے محنت کی رسد میں جلد جلد اصلاح ہوتی رہے گی گو اس قدر جلد نہیں جتنی کہ اور چیزوں کی رسد میں ہوتی ہے۔

رسد محنت کے کل پہلو اب تک بیان نہیں ہوئے صرف چند ضروری امور مختصراً پیش کر دیے گئے ہیں۔ کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد طالب علم کو یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنا ہوگا۔ تاہم اوپر کے بیان سے یہ تو بخوبی واضح ہو گیا کہ محنت کے بازار میں سہولت اور سرعت سے نرخ نہیں چلتے جتنے کہ اور چیزوں کے۔ شرح اجرت بڑھنے سے محنت کی طلب گھٹنے لگتی ہے۔ اور ساتھ ہی محنت کی رسد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ گویا توازن پیدا کرنے کا رجحان محنت کے بازار میں بھی موجود ہے۔ یعنی اجرت کی بازاری شرح ایک ایسی حد پر قرار پاتی ہے کہ اس پر محنت کی رسد و طلب میں توازن قائم ہو جائے۔ لیکن جیسا کہ ابھی واضح ہو چکا ہے رسد کی تبدیلی چند در چند اسباب کی پابند ہے۔ پس وہ جلد جلد شرح اجرت کے مطابق تبدیل نہیں ہو سکتی اور توازن نامکمل رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عام بازاروں میں اجرت کی شرح جو قرار پا جاتی ہے مدتوں تک تبدیل نہیں ہوتی۔

آجر اور مزدور وہی مقدار دینے لینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ طلب یا رسد میں معمولی [illegible]
تبدیلی ہونے سے شرح میں فوراً کوئی فرق نہیں آتا۔ حتیٰ کہ سرسری طور پر [illegible]
ہوتا ہے کہ گویا شرح اجرت بالکل معین ہے اور محنت کی رسد و طلب کا اس پر کچھ
اثر پڑتا ہی نہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ رسد و طلب کی صرف معمولی معمولی تبدیلیوں
کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ عرصہ دراز میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا اثر اجرت
پر ضرور پڑتا ہے اور بہت زیادہ پڑتا ہے۔

لیکن یہ خیال کہ محنت کی طلب و رسد کا شرح اجرت پر کچھ اثر نہیں پڑتا پورے [illegible]
طور پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرصہ دراز کے اندر جو تبدیلیاں شرح میں خود رونما [illegible]
ہیں وہ اس طلب و رسد کا نتیجہ ہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو اجرت گھٹتی [illegible]
وجہ یہ ہے کہ بہت سے مزدور بیمار پڑ جاتے ہیں اور تندرست [illegible]
[illegible] گھٹتے ہیں۔ جب ہیضہ یا پلیگ پھیلتا ہے تب بھی [illegible]
تو بہت سے بھاگ جاتے ہیں لیکن اجرت اس وجہ سے نہیں بڑھتی [illegible]
بھی ساتھ ہی بند ہو جاتے ہیں اور مزدوروں کی ضرورت باقی نہیں [illegible]
معمولی بیماریوں کے زمانے میں تو اجرت بڑھتی ہے لیکن [illegible]
نہیں ہوتا۔ جب فصل خراب ہوتی ہے تو قصبات میں [illegible] اجرت بھی گھٹ
جاتی ہے۔ فصل ہی آدمیوں کی آمدنی کا ذریعہ ہے [illegible]
سامان خوراک گراں ہو [illegible]
[illegible]
اس حالت میں شرح [illegible] جب [illegible]
سرکار [illegible] کوئی کام شروع کرتی ہے۔ مثلاً [illegible]
باہر کھودنا تاکہ کام بڑھنے سے اجرت [illegible]
کہ اجرت کی بازاری شرح پر بھی طلب و رسد کی تبدیلیوں کا [illegible]
جیسا کہ چیزوں کی بازاری قیمت پر بالعموم ضرور [illegible]
ہی نہ ہو بلکہ بڑی ہونی چاہیے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عارضی تبدیلیاں نمودار ہوتی ہیں تو [illegible] ایسے اسباب [illegible]

اجرت معمولی [illegible]

بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ شرح اجرت پھر حالت سابق اسی طرح پر آ جائے جس طرح کہ بازاری قیمت معمولی قیمت کی طرف مائل ہوتی رہتی ہے۔ جب اجرت میں اضافہ ہو تو محنت کی طلب گھٹتی ہے اور رسد بڑھ جاتی ہے اس کے برعکس اجرت میں تخفیف ہو تو طلب بڑھتی اور رسد گھٹتی ہے۔ غرض کہ ہر تبدیلی کے بعد اجرت اسی معمولی شرح کی طرف لوٹ آتی ہے۔ چیزوں کے متعلق تو یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ ان کی معمولی قیمت قریب قریب مصارف پیدائش کے برابر رہتی ہے۔ اگر اس کی مقدار گھٹے تو لوگ نقصان کے خوف سے پیداوار گھٹا دیتے ہیں اور اگر بڑھے تو زیادہ منافع کے لالچ سے پیداوار بڑھا دیتے ہیں دونوں صورتوں میں قیمت پھر اسی مقدار پر رہتی ہے۔ علی ہذا معمولی اجرت بھی وہ مقدار قرار پاتی ہے کہ جس پر مزدور اور اس کے کنبے کی موجودہ ضروریات کے مطابق گزر ہو سکے اگر اجرت میں کچھ مدت کے واسطے زیادہ تخفیف ہوگئی تو مزدور کام چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جائیں گے اور بہت سے مر جائیں گے یعنی رسد بہت گھٹ جائے گی۔ اور اگر کچھ مدت تک اجرت بہت زیادہ رہی تو سب مزدور کام سے لگ جائیں گے نیز بہت سے باہر سے آ کر مزدوری کرنے لگیں گے گویا رسد بڑھ جائے گی چند دنوں کی تو مدت ہے اس کے ہوتے ہوئے تو ایسی تبدیلیاں جلد نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ مزدور بجائے تبدیلی کرنے کے اپنے طرز معاشرت ہی بدل دے۔ یعنی معمولی اجرت کی شرح خود تبدیل ہو جائے۔

معیار زندگی

مزدوروں کا کوئی طبقہ جس طرز معاشرت کا عادی ہو وہ اس کا معیار زندگی کہلاتا ہے۔ ہر جگہ کا معیار زندگی بآسانی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ جابجا اور وقتاً فوقتاً اس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً ہر ضلع میں اور ہر ضلع کے دیہات میں مزدور ایک ہی قسم کے مکانات میں رہتے ہیں۔ ایک ہی طرح کا لباس پہنتے ہیں۔ اور ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن اگر طرز معاشرت بنارس کے مزدوروں کا دہلی کے مزدوروں سے مقابلہ کیا جائے یا بہار کے کسی ضلع والوں کا پنجاب کے کسی ضلع والوں سے تو واضح ہو گا کہ آخر الذکر مقامات کے مزدوروں کا معیار زندگی مقابلتاً اعلیٰ ہے۔ ان کی غذا زیادہ مقوی

اور وافر ہوتی ہے۔ ان کے کپڑے زیادہ آرام دہ اور اچھے ہوتے ہیں اور وہ اب ہر
ادنیٰ درجہ کی تفریح اور تعیشات میں بھی کچھ صرف کر سکتے ہیں۔ یہیں معلوم ہو کہ اصل
معیار زندگی درحقیقت ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم نفسیاتی پہلو سے [illegible] سکتے ہیں۔ اگر برا [illegible]
آجائے اور مزدوروں کی کمائی معمول سے بہت گھٹ جائے تو پھر معیار [illegible] قائم
رکھنا محال ہے۔ تھوڑا سا ادنیٰ قسم کا کھانا اور موٹے جھوٹے کپڑے [illegible] پڑتے
انہیں پر ان کو قناعت کرنی پڑتی ہے۔ البتہ جب اُن کی [illegible] میں [illegible]
میں اضافہ ہو تو پھر معمولی معیار زندگی اُن میں رائج ہوتا ہے۔ [illegible]
مصارف پیدائش کی طرح معیار زندگی میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے [illegible]
عادات و رسوم گو دیر دیر میں تبدیل ہوں مگر بدلتی ضرور ہیں۔ [illegible]
میں تبدیلی کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ اگر زیادہ عرصہ تک اجرت [illegible]
تو مزدور اعلیٰ معیار زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً موٹے [illegible] کھانے کے [illegible]
وہ گیہوں کھانے لگتے ہیں۔ اور جب معیار زندگی ایک مرتبہ یوں بڑھ جاتا ہے تو جہاں
تک بھی ہو سکے گا وہ گیہوں کھانا ترک نہ کرینگے۔ اسی طرح اگر اجرت [illegible]
گھٹتی رہے تو مزدوروں کا معیار زندگی ادنیٰ ہو جائیگا اور وہ تکلیف [illegible]
حتیٰ کہ وہ پورے طور پر اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ معیار زندگی [illegible]
میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں انہیں سے ہم اگلی فصل میں بحث کرینگے۔

فصل بیالیس ۴۲

اجرت

معمولی شرح میں تبدیلیاں

اجرت کی معمولی شرح میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ہم ان پر مزید غور کرتے ہیں طلب و رسد کے اثر سے معمولی شرح اجرت ایک ایسی بلند قرار پاتی ہے کہ مروجہ معیار زندگی کے مطابق مزدور اور اس کے کنبے کی گذر ہو جائے لیکن معیار زندگی خود وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے اور ہندوستان میں اس کی تبدیلی کی رفتار بڑھ رہی ہے انتالیسویں فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ قصبات سے دور افتادہ دیہات میں مدتوں تک اجرت کی ایک ہی شرح قائم رہتی ہے۔ کیونکہ وہاں عادات اور رسوم بھی جن پر معیار زندگی کا دارومدار ہے مدتوں تک تبدیل نہیں ہوتیں جس مروجہ شرح کا ہم نے وہاں ذکر کیا ہے وہ درحقیقت یہی معمولی شرح ہے اور اس کی بنا پر مروجہ معیار زندگی قائم رہتا ہے لیکن صرف دولت کے تحت میں بیان ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں بمقابل سابق عادات و رسوم جلد جلد بدل رہی ہیں اور ان کی تبدیلی کا اجرت کی معمولی شرح پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ اجرت کی معمولی شرح کی تبدیلیوں کا مسئلہ پورے طور پر مطالعہ کرنے سے قبل ضرور ہے کہ محنت کے بازار کا توازن اور اس کی شرائط خوب ذہن نشین ہو جائیں۔ لیکن یہ مسئلہ اس قدر غور طلب ہے کہ یہاں پر علمی بحث کئے بغیر ہم صرف مثالوں کے ذریعے سے معمولی شرح کی تبدیلیاں اور ملک کی معاشی حالت پر ان کا جو اثر پڑتا ہے واضح کریں گے۔

موجودہ معیار زندگی

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ موجودہ زمانے میں شمالی ہندوستان کے مزدور پیشہ کا

معیار زندگی بہت ادنیٰ ہے۔ جو کچھ کھانا ان کو ملتا ہے وہ بقائے حیات کے واسطے تو کافی ہے لیکن اگر انکو زیادہ مقوی غذا دیجائے تو ان کی کارکردگی میں ترقی ہونی یقینی ہے مثلاً ان کا لباس اور مکان ایسا آرام دہ نہیں کہ ان کی صحت عمدہ رہ سکے۔ نہ تو ان کو اتنی استطاعت کہ اپنے بچوں کو کچھ پڑھائیں یا کام سکھائیں اور نہ ان کے پاس کچھ اندوختہ کہ بیماری یا بڑھاپے میں کام آسکے۔ ان کی اجرت بہت تھوڑی ہے اور ان کی کارکردگی بھی ادنیٰ درجہ کی ہے اگر ان مزدوروں کی اجرت بڑھائی جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟

جن مصنفین کے خیالات یورپ اور امریکہ کے تجربوں پر مبنی ہیں وہ تو مندرجہ بالا سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نتیجہ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ مزدور اس مزید اجرت کو کیونکر صرف کرتے ہیں صرف کرنے کے دو طریقے ہیں ایک وہ کہ جس سے کارکردگی میں ترقی ہو اور دوسرے وہ جس سے اس میں تنزل ہو لیکن ہندوستان میں ایک تیسرا نتیجہ بھی پیدا ہوتا ہے جو ممکن ہے مغرب میں کبھی صاف طور پر نمودار نہیں ہو۔ وہ یہ کہ اجرت بڑھنے پر وہ کام کا وقت گھٹا دیں یعنی تھوڑی دیر کام کریں۔ ان تینوں نتائج سے ہم ذیل میں بالتفصیل بحث کرتے ہیں:

اول فرض کرو کہ اجرت بڑھنے پر بھی مزدور اسی طرح کام کرتا رہے گا کچھ بھی کام میں کمی نہ کرے۔ اور جو کچھ مزید اجرت ملے اس کو بری طرح پر صرف کرے مثلاً شراب پینے لگے۔ شراب خوری سے چند روز میں صحت تباہ ہو جائے گی اور کارکردگی میں بہت تنزل ہوگا۔ صرف جسم ضعیف ہو جائیگا بلکہ اخلاقی صفات بھی جن کا کارکردگی پر گہرا اثر پڑتا ہے مٹ جائینگے بالآخر اجرت میں جو اضافہ ہوا تھا وہ بھی غائب ہو جائے گا۔ جب آجر دیکھے گا کہ تباہ حال مزدور کا کام اب ایسا عمدہ نہیں جیسا کہ پہلے تھا تو وہ اجرت بھی گھٹا دیگا لیکن مصیبت یہ ہے کہ نشہ کا عادی ہونے کے بعد آمدنی گھٹنے پر بھی مزدور شراب نہیں چھوڑے گا البتہ اس کی غذا وغیرہ سے کاٹ کر پورا کر دے گا۔ گویا اس کا معیار زندگی اور بھی ادنیٰ ہو جائے گا یہ ادنیٰ ہوا تو کارکردگی میں مزید تنزل ہوگا۔

اور اس کے تنزل سے اجرت میں پھر تخفیف ہوگی۔ حاصل کلام یہ کہ تباہی کا ایک چکر شروع ہو جائیگا اور مزدور کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن یہ آفت یہیں ختم نہ ہوگی۔ معیار زندگی جوں جوں گرے گا مزدور کے بال بچوں کو کھانے کپڑے کی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ انکی صحت خراب ہوتی شروع ہوگی۔ اور جب وہ جوان ہوکر کام کرنے کے قابل ہونگے تو بوجہ ناطاقتی وکمزوری ان کی کارکردگی اپنے باپ دادا کے مقابل بہت ادنی ثابت ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ جیسا کہ قوی اندیشہ ہے اگر وہ بھی اسی میں پڑتے تو پھر تو کچھ ٹھکانا نہیں۔ دوسری نسل بھی اسی تباہی کا شکار ہوگی اور یہ سلسلہ نسل بہ نسل جاری رہیگا حتے کہ لوگ اس قدر ضعیف اور ناکارہ ہو جاویں گے کہ ان کو پیٹ پالنا دشوار ہو جائیگا ابتک یہ فرض کیا گیا کہ اس دوران میں آبادی کچھ نہ بڑھے گی۔ اگر آبادی میں بھی اضافہ ہوتا رہا جیسا کہ ہونا چاہیے تو پھر اجرت میں اور بھی سرعت سے تخفیف ہوگی۔ کیونکہ ادنی درجے کی کارکردگی کے مزدوروں کی جماعت زیادہ بڑھنے لگی اور وہ سب کام کے متلاشی ہوں گے اگر آبادی گھٹی تو اجرت میں کم تخفیف ہوسکے گی۔ کیونکہ مزدور کم رہ جائیں گے۔ لیکن جبکہ کارکردگی میں تنزل ہوا تو اجرت میں تخفیف ضرور ہوگی خواہ کم خواہ بیش یہ تو ایک انتہائی قسم کی مثال تھی۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ کارکردگی کے تنزل سے مزدوروں پر کیسی مصیبت آتی ہے۔ تنزل کا باعث خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس کی نوعیت کا نتیجہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کارکردگی میں تنزل شروع ہوتا ہے تو وہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کارکردگی گھٹنے سے اجرت گھٹتی ہے اور اجرت کی تخفیف سے کارکردگی میں مزید تنزل ہوتا ہے۔ غرض کہ یونہی دور بندھ جاتا ہے۔ اس کے روکنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جن عادتوں کی بدولت کارکردگی میں تنزل شروع ہوا ہو وہی عادتیں چھڑائی جائیں۔

اب اس کے برعکس اس مزدور کی حالت پر غور کرو جو اپنی مزید اجرت اسطرح پر صرف کرے کہ اس کی کارکردگی میں ترقی ہو۔ اول اول تو مزید آمدنی عمدہ کھانے اور کپڑے میں صرف ہوگی۔ اس سے مزدور کی طاقت وتوانائی بڑھے گی۔ اور اس کی کارکردگی میں ترقی ہوگی۔ اس کے بعد اجرت میں اور بھی اضافہ ہوگا۔

تب وہ اچھے سے مکان میں رہنے لگے گو۔ بچے بچوں کو غذا اور تربیت ... اب بھی
اور بڑھاپے کیواسطے کچھ پس انداز کرنا بھی شروع کرے۔ ... جوں جوں ...
آمدنی بڑھے گی اور وہ اس کو عاقلانہ طور پر صرف کرے ... حالت ...
سدھرتی جائیگی۔ اس کے بچے جب کام شروع کریں گے تو ان کی حالت میں
بہتر ہوگی۔ چونکہ ان کو عمدہ کھانا اور عمدہ ... ملتا ...
تندرست ہونگے۔ اور کام بھی مقابلۃً اعلیٰ قسم کا کرسکیں گے ...
جو کارکردگی کی جوان میں بچوں نے اپنے باپ کی نگرانی میں ... حاصل
کی ہونگی یہ مثال مذکورہ بالا مثال کے بالکل برعکس ہے ...
اضافہ ہوتا رہے گا ... آمدنی سے کارکردگی میں ترقی ہوگی۔ اور ... ترقی سے
آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

اس مثال میں بھی غور کرو کہ مزدوروں کی تعداد گھٹنے بڑھنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔
اگر تعداد گھٹے تو ترقی کی رفتار اور بھی بڑھ جاوے گی اور اگر تعداد میں اضافہ ہو تو
ترقی میں کمی آجاوے گی۔ لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اگر مزدور ... حالت
سدھارنے جاویں اپنی کارکردگی کو ترقی دیں اور ... آمدنی ... صرف کریں تو ان میں سے اکثر کے بچے تعلیم و تربیت ... اعلیٰ قسم کے
کام شروع کریں گے۔ اور معمولی کاموں میں وہ شریک نہ ہوں گے۔ ...
بات یہ ہے کہ اس وضع کے مزدوروں کی زیادہ اولاد بھی نہ ہوگی۔ ...
اور تعلیم و تربیت کی فکر ہوگی۔ پس وہ ضبط اور اعتدال سے کام لیں گے ...
نے جو اپنے مشہور رسالہ آبادی میں ... کہ ... لوگ ...
خود اولاد کی تعداد کم رکھیں گے۔ کچھ کچھ وہی کیفیت نظر آنے لگی ہے۔ ...
جو حالت ہمارے پیش نظر ہے اس میں خوف ہے ... یہ نوبت ... تعداد
بڑھ جانے کہ کارکردگی کی ترقی سے اجرت میں جو اضافہ ہو کالعدم ہو جائے۔

پس شمالی ہندوستان کے مزدوروں کی موجودہ حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ اگر زیادہ مدت تک انکی اجرت میں اضافہ ہوتا رہے حتیٰ کہ وہ عادات ...
ڈالیں تو وہ نتیجے ممکن ہیں۔ اگر یہ آمدنی اس طور پر صرف کی جائے کہ ...

باب پنجم
فصل ۲۴

کارکردگی میں اضافہ ہو تب تو ان کی حالت میں روز افزوں اصلاح اور ترقی ہوگی۔ اور عجب نہیں کہ چند ہی نسل بعد وہ لوگ زندگی کی عمدہ عمدہ ضروریات کا بھی لطف اٹھانے لگیں۔ اس کے برخلاف اگر مزید آمدنی یوں ہی خاک میں ملائی جائے اور کارکردگی میں اولٹا تنزل ہو تو گویا موجودہ اضافۂ اجرت وبال جان ہو جائے گا اور مزدوروں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاویگی یہاں تک کہ ان کو زندگی دوبھر معلوم ہوگی۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت اور بھی ہے۔ جو ذیل میں بیان کی جاتی ہے:

کام کا گھٹنا

اس سے قبل یہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر دستکار ربطو۔ خود کام کرتے ہوں اور چیزوں کی قیمت بڑھے تو ممکن ہے کہ وہ کام کم کر دیں اور چیزوں کی رسد گھٹ جائے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اجرت بڑھنے سے مزدوروں کی رسد میں کمی آجائے دوسرے ملکوں میں تو ایسا خطرہ کم ہے لیکن ہندوستان میں وہ ضرور قابل لحاظ ہے عام طور پر یہ شکایت ہے کہ جب مزدوروں کو زیادہ اجرت ملتی ہے تو وہ کام سے بچنے لگتے ہیں۔ بمقابل سابق تھوڑی دیر کام کرتے ہیں یا ہفتہ میں دو ایک روز ناغہ کر دیتے ہیں یہ شکایت بالکل بے بنیاد نہیں۔ ہندوستان میں عادات و رسوم بہت دیر دیر میں بدلتی ہیں۔ اور اجرت بڑھنے پر خرچ بڑھانے کے بجائے لوگ کام گھٹا دیتے ہیں۔ آمدنی کی سابق مقدار پر قناعت کرتے ہیں البتہ آرام کیلئے زیادہ وقت نکال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر مزدور چھ روز کی اجرت چار روز میں کمانے لگیں تو وہ چھ کے بجائے صرف چار ہی روز کام کیا کریں گے اور باقی دو روز آرام میں گذاریں گے یہ نہیں کہ برابر چھ روز کام کر کے اپنی آمدنی ڈیوڑھی کر لیں۔ پس ان کو وہی سابق مقدار کافی معلوم ہوتی ہے۔ فرض کرو کہ اجرت میں اضافہ ہوا اور مزدوروں نے یہی طریق اختیار کیا یعنی کام گھٹا دیں نیز مان لو کہ نہ ان کی تعداد میں کوئی قابل لحاظ تبدیلی ہو اور نہ زیادہ آرام لینے سے ان کی کارگزاری میں کوئی بھلا برا فرق آئے ایسی حالت میں اگر مزدور چھ روز کی کمائی چار روز میں کمانے لگیں تو ان کی رسد بقدر ایک ثلث گھٹ جائے گی۔ اگر ذرائع طلب علاوہ ازیں نہ گھٹیں تو گویا اضافۂ محنت کی کوئی حد ہی نہ ہوتی۔ جوں جوں اجرت بڑھتی محنت کی رسد گھٹتی جاتی اور جب

رسد گھٹتی اجرت میں اور اضافہ ہوتا۔ لیکن سب مانتے ہیں کہ ہر کام کی قیمت سے
زیادہ اجرت نہیں دے سکتے۔ اب اجرت زیادہ ملنے سے اگر کمی ہو تو اجرت
بڑھانے کے بجائے آجر مزدوروں کی تعداد ہی گھٹا دیں گے۔ تو
وہ موجودہ کام زیادہ نہ بڑھائیں گے اور نہ کوئی نیا کام شروع کریں گے۔ کیونکہ وہ
جسقدر اجرت دیسکتے ہیں اس پر مزدور ہی نہیں ملتے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مزدوروں کی
حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ نہ ترقی نہ تنزل۔ ان کا وہی معیار رہے گا۔ اور
رہے گا۔ لیکن محنت کی سہولت سے ملک کے ... پر ... اثر پڑے گا۔ یہ
ثابت ہوا کہ اگر اضافۂ اجرت سے مزدور اپنی ... بڑھانے کی کوشش زیادہ کرنے
لگیں تو نہ صرف ان کی بلکہ بحیثیت مجموعی کل ملک کی حالت میں ترقی پیدا
ہو جائے گی۔

شرح اجرت کے اضافے سے مزدوروں کی حالت میں جو کئی قسم کی تبدیلیاں
واقع ہو سکتی ہیں وہ اوپر بیان ہوئیں۔ انسانی طبیعت کا خاصہ معلوم ہے۔ یہ ممکن
نہیں کہ سب لوگ ایک ہی طرف جھک پڑیں اور ایک ہی طریق پر چلیں۔ بعض
کارکردگی ترقی کریں گے بعض تنزل اور بعض اپنی موجودہ حالت پر قائم رہیں گے
گویا تینوں نتیجے ساتھ ساتھ ایک ہی جماعت میں موجود رہیں گے۔ بعض مزدور تو
اپنی کارکردگی کو ترقی دے دے کر اجرت میں اور بھی اضافہ کریں گے۔ اپنے
بال بچوں کی پرورش اس طرح پر کریں گے کہ وہ بڑے ہو کر ان سے بھی اچھے
مزدور بنیں۔ بعض اپنی کارکردگی کو اور بھی برباد کر ڈالیں گے اور ان کی اولاد
ان سے بھی زیادہ ناکارہ ثابت ہوگی اور بعض کی کارکردگی ویسی ہی رہے گی
اور ان کی اولاد بھی ان جیسی نکلے گی۔ افراد میں قدیم فرق برقرار رہے گا۔ بلکہ بعض
لوگوں کو کاشتکاری یا دستکاری میں ناکامی ہوگی وہ معمولی کام کاج کرنے لگیں گے
اور بعض معمولی مزدور کاشتکاری شروع کردیں گے۔ یا کوئی اس سے بھی اعلیٰ قسم
کا کام کرنے لگیں گے۔ ترقی تنزل اور قیام کے یہ تین پہلو ہیں۔ جن لوگوں نے پہلے
تو ان کی باہمی نوعوں پر مجموعی نتیجے کا دارومدار ہوگا۔ اگر بحیثیت مجموعی کارکردگی میں
ترقی ہوئی تو مزدوروں کی حالت سدھر جائیگی۔ اور اگر تنزل ہوا تو حالت ابتر ہوگی

باب نہم
فصل ۱۰

یہ ممکن نہیں کہ وہ عرصہ تک اپنے کام کی قیمت سے زیادہ اجرت پاتے رہیں اجرت کا دارومدار پیشہ کی کارکردگی پر ہے۔ یعنی ان کے کام کی مقدار اور عمدگی پر۔

مستورات کا اثر

شرح اجرت پر جن جن اسباب کا اثر پڑتا ہے ان کی تفصیلی بحث دقیق اور پیچیدہ ہے۔ معاشیات کے مبتدی کو ان پر یک سرسری نظر ڈالنی کافی ہے۔ چند اہم اسباب مختصراً اوپر بیان ہوئے۔ اب صرف ایک بات بیان کرنی باقی ہے۔ وہ یہ کہ مزدوروں کی بیبیوں کے چلن اور رویہ کا کیا اثر پڑتا ہے۔ خانگی ٹیپ اکثر عورتوں کے اختیار میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ آمدنی اس طرح پر صرف کریں کہ اس سے کارکردگی میں ترقی ہو۔ یا اس کے برعکس تنزل۔ بیوی کے اخلاق و عادات اور چال چلن پر بھی سب سے زیادہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اثر پڑتا ہے۔ مزدور پیشہ طبقوں کی آئندہ ترقی بہت کچھ بیبیوں اور ماؤں کے ہاتھ ہے۔ اگر معاشیات کے حدود سے تجاوز کر کے ہم یہ دریافت کرنا چاہیں کہ مزدوروں کی ترقی کی سب سے بہتر کیا سبیل ہے تو غالباً عورتوں کی اصلاح ہوگی۔ کیونکہ سلطنت کا ثبات بچوں کی پرورش و تربیت زیادہ تر انھیں کے سپرد ہوتی ہے گویا کارکردگی کی ترقی میں ان کو سب سے زیادہ دخل ہے پس مزدوروں کی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب کہ عورتیں سمجھدار اور لائق ہوں۔



اسپکر
اصلاح شدہ

فصل تینتالیس ۴۳

تخصیص یافتہ پیشوں کی اجرت

ملک تو وہ مزدور ہیں جو معمولی کام کاج کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو کہ ذہنی نوعیت کا مہارت طلب کام کرتے ہیں۔ ان کی محنت کا معاوضہ تنخواہ یا فیس کی صورت میں ملتا ہے۔ اب ہم اس قسم کی اجرت سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ مہارت طلب کام کرنے والے مزدوروں کے بہت سے طبقے ہیں مثلاً ڈاکٹر، وکیل، انجینئر اور پروفیسر وغیرہ۔ ان سے اکثر عہدہ داری مختلف واسطوں اور مختلف درجہ کی مہارت درکار ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایک مہارت طلب کام کا اختصاص ہے۔ تھوڑے بہت لکھے پڑھے شخص کے اور تربیت پائے بغیر کوئی نو آموز اس کام کو نہیں کر سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے مخصوص پیشوں میں بھی اجرت طلب و رسد کے اثر سے قرار پاتی ہے۔ ایسی اجرت کی بھی ایک معمولی شرح ہوتی ہے جس کی طرف اجرت عود کرتی رہتی ہے۔ اور یہ طبقے کی معمولی شرح ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ لیکن بعض باتیں ایسی ہیں کہ ان طبقوں کے مزدوروں کی رسد یا طلب پر ان کا بہت اثر پڑتا ہے اور ان طبقوں کی اجرت بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

معمولی محنت اور مخصوص محنت کے مزدوروں میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے ہم فصل میں بیان ہو چکا ہے۔ معمولی مزدوروں کے مقابل مہارت طلب کام کرنے والوں میں نقل پذیری زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی تلاش معاش میں جگہ جگہ پھرنے کو وہ زیادہ آمادہ رہتے ہیں گویا ان کا بازار زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اور ان کو جب کسی

باب پنجم فصل ۲۲

خاص مہارت اور قابلیت کا آدمی درکار ہوتا ہے تو وہ اپنے قصبے سے گزر کر تمام ملک پر نظر ڈالتا ہے۔ بلکہ دوسرے ممالک تک نظر دوڑاتا ہے کہ کہیں ہوشیار کام کرنے والا مل جائے۔ شمالی ہندوستان کے کسی بڑے کارخانے کو لو تو اس میں جگہ جگہ کے لوگ کام کرتے ملیں گے۔ شاید کچھ یوروپین لوگ مختلف شعبوں کے نگران ہوں گے کچھ پارسی مشین چلانے اور درست کرنے پر مامور ہوں گے کچھ بنگالی کلرک اور اسی طرح ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مزدور۔ لیکن ایک دوسرے لحاظ سے بازار وسیع ہونے کے بجائے مختصر اور محدود ہے کیونکہ معمولی مزدوروں کے مقابلے میں ایسے مہارت یافتہ مزدوروں کی رسد اور طلب بہت تھوڑی ہے۔ گویا عام چیزوں کی قیمت یا معمولی مزدوروں کی اجرت کے مانند انکی اجرت بآسانی طے نہیں ہوتی۔ لیکن ایک سہولت بھی ہے وہ یہ کہ آجر رسد و طلب کی حالت دیکھکر بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس اجرت پر کن صفات کا آدمی مل سکتا ہے۔ علی ہذا جو لوگ کام کرنا چاہیں وہ بھی یہی حالت دیکھکر اپنی اجرت کے متعلق کچھ رائے قائم کر سکتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کی اجرت بہت دیکھ بھال کے بعد طلب رسد کی حالت کے مطابق قرار پاتی ہے؛

مہارت یافتہ لوگوں کی طلب

ایسے مزدوروں کی طلب کا دارومدار کچھ تو ملک کے قدرتی وسائل پر ہے اور کچھ پیدائش دولت کی حالت پر قدرتی وسائل تو اس لحاظ سے اہم ہیں کہ انہیں کے مطابق صنعت و حرفت جاری ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں کوئلہ ہی نہ ہو وہاں کان کھودنے والوں کی کیا ضرورت ہوگی۔ لیکن پیدائش کی حالت بھی اس معاملے میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جس ملک میں زیادہ تر لوگ خود ہاتھ سے کام کرتے ہیں اور کارخانے جاری نہ ہوں وہاں انجن چلانے والوں اور کلیں درست کرنے والوں کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی البتہ کلوں کے چلنے پر ان کی طلب پیدا ہو جاوے گی حاصل کلام یہ کہ ملک میں جوں جوں پیدائش دولت کی ترقی ہوتی ہے مہارت یافتہ مزدوروں کی جماعت بڑھتی ہے اور معمولی مزدوروں کی طلب کم ہونے لگتی ہے؛

مہارت یافتہ مزدوروں کی رسد

اب رسد کو لیجئے یہ دو اسباب کی پابند ہے۔ ایک تو ذات پات کا محنت کی رسد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ مثلاً کوئی کام ہے اور کسی خاص فرقے کے لوگ اس کو کر سکتے ہیں اب معاشی تبدیلیاں ہوتے ہوتے وہ کام بہت ضروری بن جائے اور اس کے کرنیوالے

کی طلب ہر طرف بڑھے۔ اب اگر کوئی دوسرا فرقہ وہ کام نہ کرے اور جو فرقہ وہ کام کرتا ہو
اس کی تعداد اس قدر مختصر ہو کہ طلب پوری نہ ہو سکے تو اجرت خواہ مخواہ بہت بڑھ جائیگی
اور عرصے تک بڑھی رہے گی۔ مثلاً چمڑی سامان بنانے کا کوئی بڑا کارخانہ جاری ہو۔ تو
ایسے لوگوں کی ضرورت پڑے گی جو چمڑے کا کام کر سکیں۔ اب اگر ذات پات کی قید
کی وجہ سے ہر کوئی اس کام میں شریک نہ ہو سکے اور جو لوگ یہ کام کریں اُن کی
تعداد تھوڑی ہو تو بلاشک ان کی اجرت بڑھ جائیگی البتہ اگر آمدنی کے لالچ سے
اور لوگ بھی رفتہ رفتہ اس کام کو شروع کر دیں تو مزدوروں کی تعداد بڑھنے سے اجرت
میں تخفیف ہو جائے گی؛

مہارت طلب محنت کی رسد پر دوسری بندش یہ ہے۔ کہ کچھ روز تک خاص تربیت
پائے بغیر لوگ تخصیص یافتہ پیشوں کو نہیں چلا سکتے۔ ہر پیشے کی تربیت کے واسطے مختلف
عرصہ درکار ہے۔ کسی مزدور کا لڑکا چند ہی ماہ میں [illegible] سیکھ سکتا ہے۔ حالانکہ
انجنوں کے کام سے پورے طور پر واقف ہونے کے لئے بہت مدت چاہیے وکیل بیرسٹر
اور ڈاکٹر وغیرہ بھی سالہا سال میں اپنا پیشہ سیکھتے ہیں۔ [illegible] تو بڑے ہو کر پیشے منتخب
کرتے ہیں لیکن ہر پیشے میں کثرت سے ایسے لوگ شریک ہوتے ہیں جن کے واسطے بچپن
ہی میں وہ پیشہ تجویز ہو جاتا ہے۔ گویا محنت کی رسد کا [illegible] لوگوں کے [illegible]
پر نہیں بلکہ ان منصوبوں پر ہے جو سالہا سال والدین اپنے بچوں کے واسطے قرار دیتے
ہیں۔ طالب علموں کو [illegible] تجربہ ہو گا کہ [illegible] ملازمت اور پیشے کرنے والے
لوگ اپنے بچوں کے لئے پیشہ منتخب کرنے میں [illegible] طور پر [illegible] سے کام لیتے ہیں
اور جوں جوں پیدائش دولت کا کام باقاعدہ ہوتا جاتا ہے۔ مہارت یافتہ [illegible]
کو بھی اپنے بچوں کے واسطے پیشے تجویز کرنے میں زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پیشہ
منتخب کرنے میں آمدنی کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں کا لحاظ ضروری ہے
چنانچہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ہر پیشہ کے خاص فوائد کا مقابلہ کر کے
ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ طالب علم کو غالباً معلوم ہو گا کہ سرکاری ملازمت
کا کس طرح [illegible] ہوتا ہے۔ تنخواہ بیشک بڑی چیز ہے لیکن اس کے علاوہ بہت
کی دوسری باتیں مثلاً پنشن وغیرہ بھی قابل لحاظ ہیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ کس ملازمت میں

کہاں تک ترقی کی گنجائش ہے اور کہاں اعلیٰ سے اعلیٰ جگہ ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ نیز جس حد تک اعزاز و وقار بھی قابل لحاظ مانا جاتا ہے۔ جب پیدائش دولت کا کام باقاعدہ چلنے لگے تو ادنیٰ پیشہ والوں کو بھی قریب قریب یہ سب پہلو پیش نظر رکھکر کام منتخب کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے پیشے ہیں وہ جس میں چاہیں اپنے لڑکوں کو شریک کر سکتے ہیں۔ نہ صرف مالی آمدنی بلکہ خالص فوائد کا مقابلہ کر کے جو کام وہ سب سے زیادہ فائدہ مند خیال کرتے ہیں وہی اپنے لڑکوں کے واسطے منتخب کر لیتے ہیں۔

(ب ہم فصل ۴۴)

(خالص فوائد میں مساوات)

مذکورۂ بالا طرز عمل کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے کہ ایک ہی درجہ کے سب پیشوں کے خالص فوائد مساوی ہو جائیں۔ کیونکہ جب والدین بیشترین خالص فوائد والے پیشوں میں اپنے لڑکوں کو شریک کریں گے تو رسد بڑھنے کی وجہ سے شرح اجرت میں تخفیف ہو جائیگی۔ اور کمترین خالص فوائد والے پیشوں میں چونکہ بہت کم لوگ اپنے بچوں کو شریک کریں گے رسد گھٹنے کی وجہ سے ان کی اجرت میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اجرت کی کمی و بیشی کا یہ رجحان کوئی فرضی چیز نہیں بلکہ فی الواقع اس سے اہم نتائج پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ خالص فوائد میں تمام و کمال مساوات پیدا ہونی دشوار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ والدین کو پہلے سے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہو سکتا کہ آئندہ تیس چالیس سال کے اندر جب ان کے بچے کام کریں گے تو مختلف پیشوں میں طلب محنت کی کیا حالت رہے گی۔ عمل پیدائش میں تبدیلی ہونے سے ممکن ہے کہ کسی خاص پیشے کے مزدوروں کی طلب بہت بڑھ جائے یا مہارت یافتہ مزدوروں کا کوئی طبقہ بالکل بیکار ہو جائے۔ مدتوں پہلے ایسی تبدیلیوں کا پتہ لگانا دشوار ہے خصوصاً ہندوستانی والدین تو موجودہ حالت دیکھ لیتے ہیں۔ آئندہ تبدیلیوں کا وہ کم لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ قدیم پیشوں میں تو مزدوروں کے باہم سخت کشمکش ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اجرت میں بھی تخفیف ہوتی جاتی ہے اور جو پیشے حال میں نکلے ہیں انکے کرنے والے بہت کم ملتے ہیں۔ اور ان کی اجرت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اگرچہ عام رجحان یہی ہے کہ ایک درجہ کے کل پیشوں میں خالص فوائد کی مقدار مساوی ہے۔ تاہم کامل مساوات اس وجہ سے قائم نہیں ہو سکتی کہ رسد گھٹنے بڑھنے میں بہت عرصہ لگتا ہے اور آئندہ تبدیلیوں کا پہلے

تخصیص یافتہ پیشوں کی اجرت

پتا چلنا دشوار ہے۔ چنانچہ بعض وقت کچھ پیشوں میں تو رسد کی حیثیت کی وجہ سے اجرت [illegible]
بہت گھٹ جاتی ہے اور کچھ پیشوں میں رسد ناکافی ہونے کی بدولت اجرت میں [illegible]
بہت اضافہ ہو جاتا ہے ؛

جو کچھ اوپر بیان ہوا اب ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں کیونکہ [illegible] تو
انگریزی تحریر نقل کرنی جانتے ہیں۔ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم
ہوئی تو بہت کم لوگ نوشت و خواند سے واقف تھے۔ اور چونکہ سرکاری زبان [illegible]
تھی شاید ہی کوئی ہندوستانی شخص انگریزی زبان جانتا ہو۔ جب [illegible]
نقل نویسوں کی ضرورت پڑی تو ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور اسی وجہ سے ان کو
اعلیٰ اجرت ملتی رہی۔ جب والدین نے دیکھا کہ انگریزی دانی ملازمت حاصل کرنے کے
واسطے ضروری ہے۔ تو انھوں نے اپنے بچوں کو انگریزی پڑھانی شروع کی
جوں جوں انگریزی نقل نویسوں کی تعداد بڑھی ان کی اجرت میں تخفیف ہوتی گئی یہاں تک
کہ آج ان کی تنخواہ پندرہ بیس روپے تک آگئی ہے۔ حالانکہ اتنی رقم تو بعض بعض
مزدور اور خدمتگار بھی کما لیتے ہیں۔ اسی طرح جب ٹائپ رائٹر چلا تو بہت کم لوگ
ٹائپ کرنا جانتے تھے۔ اور نقل نویسوں کے مقابلے میں ٹائپ کرنے والوں کو اجرت
بھی زیادہ ملتی تھی۔ لیکن ٹائپ کرنا بہت جلد آسکتا ہے۔ چنانچہ ٹائپ کرنے والوں
کی تعداد جلد اس قدر بڑھ گئی کہ ان کی اجرت بھی نقل نویسوں کے برابر آگئی۔
اب اگر کسی کو اپنی اجرت بڑھانا مقصود ہو تو مختصر نویسی سیکھے۔ مختصر نویسوں کی
ابھی قلت ہے ٹائپ کرنے والے تو گلی گلی پھرتے ہیں ؛

کچھ دنوں تک موٹر چلانے والوں کا بھی یہی حال رہا چند سال کی بات ہے کہ
ہندوستان میں موٹر آئے۔ ان کے چلانے والے مشکل سے ملتے تھے۔ [illegible]
معلوم تھا کہ موٹر کا رواج ہوگا۔ جو لڑکوں کو اس کا چلانا سکھاتے۔ [illegible]
تو اس کام کا سکھانے والا یہاں کون تھا۔ پس جن لوگوں نے [illegible]
ان کو انگریز موٹر چلانے والے بڑی بڑی تنخواہوں پر رکھنے پڑے۔ [illegible]
چلانا جلد آجاتا ہے۔ ہندوستانی نوکروں کا کام دیکھتے تھے انھوں نے موٹر چلانے
کی مشق شروع کر دی کیونکہ نوکروں کے معمولی کام کے مقابلے میں [illegible] زیادہ

دیباچہ فصل ۱۴۲

اجرت تھی ہی۔ گو اتنی نہ ہی جتنی کہ انگریز موٹر چلانے والے پاتے تھے۔ اول اول تو اس کام کے سیکھنے میں ذرا دقت ہوئی۔ لیکن تھوڑے عرصے میں جابجا کارخانے جاری ہو گئے جہاں موٹر چلانا اور اس کی صفائی و درست کرنا سب کام سکھایا جاتا تھا اور موٹر چلانے والوں کی رسد ان کی طلب کے برابر آ گئی۔ اور اجرت بھی مناسب حد پر آ گئی۔ یعنی موٹر چلانے والوں کی اجرت اتنی رہ گئی کہ اس کام کے خاص فوائد ان تمام کاموں کے خاص فوائد کے مساوی ہو گئے جن کو یہ لوگ موٹر چلانا سیکھنے بجائے کر سکتے تھے۔

اب ذرا وکیل کے پیشے پر نظر ڈالو۔ باقاعدہ قانونی عدالتیں قائم ہونے سے پہلے تو اس پیشے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جب انگریزی عہد کے شروع میں جابجا عدالتیں قائم ہوئیں اور ان کی تعداد میں جلد جلد اضافہ ہوا۔ تب تو ہر طرف وکیلوں کی پکار پڑی۔ مقدمہ کی پیروی کے واسطے قانون دان لوگوں کی تلاش میں لوگ دوڑنے لگے۔ یہ کام ایسا آسان تو ہے نہیں کہ دو چار ماہ میں آ جاوے۔ اول اول انگریز لوگوں نے یہاں وکالت شروع کی کیونکہ وہ اپنے ملک میں قانونی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اچھی آمدنی کا کیا ٹھکانا اور ساتھ ہی ان کا اثر اور وقار لوگوں میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ جب وکالت کے پیشے میں یہ خوبیاں نظر آئیں تو لوگوں نے اپنے بچوں کو بھی تعلیم و تربیت دینی شروع کی۔ قانونی تعلیم کے مدارس جاری ہو گئے۔ وکیلوں کی جماعت بھی بڑھنی شروع ہوئی۔ آجکل وکلا کی رسد اگر طلب پر غالب نہیں تو مساوی تو ضرور ہے۔ قابل لوگ تو اب بھی اس پیشے میں بہت کچھ کما رہے ہیں۔ مگر بہت سے وکیل خستہ حال بھی ہیں۔ اور اگر کسی شہر کے کل وکلا کی مجموعی آمدنی کا اوسط فی وکیل نکالا جائے تو غالباً عام مقدار سے کم ہو گا۔ جو اسی درجہ کے دوسرے پیشوں میں لوگ کماتے ہیں اور ان فوائد کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے جو بالعموم وکلا کو حاصل ہوتے ہیں اس پیشے کے خاص فوائد اس کے ہم درجہ دوسرے پیشوں کے مقابل کچھ کم ہی نظر آتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وکلا کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہو گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ والدین نے مدت سے پیشہ وکالت کے فوائد کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ یعنی وہ اس کو حقیقت سے بڑھ کر سمجھتے ہیں چنانچہ اسی مغالطہ میں وکلا کی جماعت

باب پنجم

بڑھ رہی ہے پھر اگر نا قدری نہ ہو تو کیا ہو؟

فصل ۲

اوپر کی مثالوں سے واضح ہو گیا ہوگا کہ تخصیص یافتہ پیشوں میں طلب کے مطابق رسد میں جلد کمی بیشی کرنی دشوار ہے۔ اس میں شک نہیں رجحان یہی ہے کہ ایک درجہ کے کل پیشوں کے خاص فوائد برابر رہیں۔ لیکن رجحان کا عمل بہت آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اور پیدائش دولت کے عمل میں جلد جلد ایسی تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ خاص فوائد کی مساوات غائب ہو جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہمیشہ بعض پیشوں میں تو رسد ضرورت سے بڑھی رہتی ہے اور بعض میں کم۔ لہذا اجرت یا تو اس مقدار سے بہت گھٹی یا بڑھی رہتی ہے جو رسد وطلب کے توازن کی قائم قرار پاتی ہے۔

فصل ۳

رسد وطلب کے توازن میں جو دیر لگتی ہے اس سے یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ بعض اوقات کسی پیشے کے لوگ روزی کمانے سے یکایک محروم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کل پیدائش میں کوئی تبدیلی ہو، یا کوئی ایجاد نکلے، یا لوگوں کا مذاق اور عادت بدلے جس کی وجہ سے کسی پیشے والوں کی طلب بہت گھٹ جائے تو ان کو بیکاری ستانے لگی۔ سوا اس کے کہ وہ کوئی اور پیشہ سیکھیں یا معمولی کام کاج شروع کر دیں۔ شمالی ہندوستان کے بڑے شہروں میں سقوں یعنی بہشتیوں کی حالت قابل مطالعہ ہے۔ کسی زمانے میں یہ لوگ مشک کاندھے پر چھڑکاؤ کرتے شہروں کی نالیاں دھلاتے اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے ہاں پانی بھرتے تھے۔ لیکن جب سے پانی کے نل لگے گھر گھر اور گلی گلی پانی کی فراوانی ہوگئی اور گاڑیوں کے ذریعے سے سڑکوں پر چھڑکاؤ ہونے لگا۔ سقوں کا روزگار جاتا رہا۔ آخر کو انھوں نے بھی معمولی مزدوروں اور خدمتگاروں کی طرح محنت اور ملازمت شروع کر دی۔ جو پیشہ جس قدر زیادہ تخصیص یافتہ ہے اسی قدر اس میں بیکاری کا زیادہ خطرہ لگا رہتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں تو معمولی مزدوروں کی کثرت ہے۔ جو کام بھی ملتا ہے اسی کو کرنے لگتے ہیں وہ ایسے مہارت یافتہ نہیں کہ کوئی خاص پیشہ کریں۔ اور دوسرے کام کرنے میں ان کو دقت حائل ہو۔

فصل ۴۴

معاوضۂ تنظیم

اب ہم پیداوار کے آخری حصہ دار یعنی آجر کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں جو دوسرے عاملین کو ایک جگہ کر کے اپنی نگرانی میں ان سے کام لیتا ہے۔ اور کاروبار پیدائش دولت کا انتظام کرتا ہے۔ اس سے قبل واضح ہو چکا ہے کہ آجر نہ صرف انتظام اور نگرانی کرتا ہے۔ بلکہ کچھ دوسرے عامل بھی اپنی طرف سے کاروبار میں لگاتا ہے۔ کاشتکار اور دستکار تو محنت اور اصل دونوں چیزیں مہیا کرتے ہیں لیکن جہاں کارخانے جاری ہیں وہاں آجر بھی کم از کم تھوڑا سا اصل اکثر اپنی طرف سے لگاتے ہیں۔ پس یہ احتیاط ضروری ہے کہ وہ آمدنی معاوضۂ تنظیم سے جدا شمار ہو جو دوسری مدوں سے حاصل ہوتی ہے یعنی معاوضۂ تنظیم کو اس اصل یا لگان سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے جو آجر کو اس کے اصل یا زمین کی کارگزاری کے معاوضے میں حاصل ہو۔

اب اگر عاملین کی کارگزاریوں کا جو جو معاوضہ ملے ان سب کی مدیں جدا رکھی جائیں۔ تو معاوضۂ تنظیم کو پیداوار کی وہ مقدار سمجھنی چاہیے جو اصل اجرت اور لگان منہا کرنے کے بعد باقی بچے۔ ان تینوں معاوضوں کی مقدار قرار پانے کے اصول اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ آجر کے مقصد دو ہیں کم سے کم مصارف پر مال تیار کرنا اور زیادہ سے زیادہ قیمت پہنچانا۔ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تو مصارف ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بھی کچھ نکل رہا اور اگر ناکام رہا تو اس کو کچھ نہیں ملا۔ بلکہ اس کے اصل میں سے بھی کچھ غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی شخص بغیر منفعت کا کاروبار شروع نہیں کرے گا۔ جب تک اس کو کچھ آمدنی کی امید نہ ہو۔

اگر آمدنی حاصل نہ ہو یا بہت کم ہو تو لوگ یہ کاروبار چلانا چھوڑ دیں گے۔ گویا
کاروبار کا انتظام اور نگرانی کرنی بھی ایک قسم کا پیشہ ہے۔ اگر مناسب آمدنی حاصل
ہوئی تو لوگ اس پیشے میں شریک ہوں گے۔ ورنہ اس کو ترک کر دیں گے اگر کوئی
شخص اپنے لڑکے کو وکیل یا انجنیر بنانے کے بجائے کاروبار کی نگرانی اور انتظام
سکھائے یعنی اس کو آجر بنائے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ آخرالذکر پیشے کو ہر دو
اول الذکر پر ترجیح دیتا ہے۔ یعنی اس کا خیال ہے کہ وکیلوں یا انجنیروں سے
مقابل آجروں کی حالت نہ صرف آمدنی کے لحاظ سے بلکہ بحیثیت مجموعی اچھی ہے
بس آجروں کی رسد کا بھی بعینہ وہی حال ہے جو دوسرے مہارت یا تربیت والے پیشوں
کا ہے؛

آجروں کے پیشے پر تفصیلی نظر ڈالیے۔ دوسرے پیشوں کی تربیت جس طرح
حاصل ہوتی ہے اس پیشے کی تربیت کا طریق اس سے مختلف ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ بہت کچھ کام کی باتیں یونیورسٹی یا صنعتی مدارس میں سکھا دی جاتی ہیں سلسلہ
میں اول وہ علوم پڑھاتے ہیں جن پر طریق پیدائش مبنی ہیں اور بعد کو کسی خاص صنعت
سے پیدائش میں مدد لینی سکھائی جاتی ہے۔ فرض کرو کوئی شکر سازی سیکھنا چاہتا
ہے تو اول اس کو بقدر ضرورت کیمیا اور طبعیات پڑھنی ہوگی پھر یہ سمجھنا ضروری ہے
کہ شکر سازی کی کل کس اصول پر مبنی ہے کہ مطلوبہ کیمیائی اور طبعی تبدیلیاں تو عمل میں
پیدا ہو جاتی ہیں اور کوئی غیر مطلوبہ تبدیلی پیدا نہیں ہونے پاتی۔ پیدائش کے اکثر
شعبوں میں مال کے متعلق کچھ کیمیا اور طبعیات جاننا اور کلوں کی ساخت کے اصول
سے واقف ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ سب کچھ آجر کی تربیت کا صرف ایک شعبہ ہے
اس کو کاروبار کے تجارتی پہلو پر بھی توجہ کرنا لازمی ہے۔ کہاں سے مال ارزاں ملتا ہے
اور کہاں گراں فروخت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو مزدوروں اور کارکنوں کی
نگرانی کرنی اور ان سے کام لینا پڑتا ہے۔ آجر کی تربیت کا یہ مرحلہ سب سے زیادہ
دشوار ہے۔ بس یہی نہیں کہ آجر کو کیمیا طبعیات اور کلوں کے علم سے واقف ہونا
ضروری ہے بلکہ اس کو مردم شناسی اور مزاج دانی میں بھی ماہر ہونا چاہیے تاکہ وہ اچھے
بُرے کارکنوں، کام چوروں اور محنتیوں کو پہچانے اور ان سے اپنا کام نکالے۔ کمال تو

باب پنجم
فصل ۴۴

تجربے سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس کی بنا وہی تعلیم ہے جو اسکول اور کالجوں میں دی جاتی ہے اس تمام تربیت کے علاوہ پیدائش کا عملی تجربہ بھی ضروری ہے مثلاً جبتک نیا وکیل پہلے دنوں دوسرے وکیلوں کو عدالت میں مقدمہ کی پیروی کرتے نہ دیکھ لے وہ امتحان پاس کرتے ہی عدالت میں کام نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ عرصے تک شفاخانوں میں مریضوں کا علاج اور عمل جراحی ہوتے دیکھنا چاہئے تب کہیں ڈاکٹری کا کام آتا ہے۔ پس جو شخص کارخانہ چلانا چاہے اول اس کو کارخانے کے انتظام کا عملی تجربہ حاصل کرنا ضرور ہے۔

آجروں کی مد

آجر کو جس قسم کی تربیت درکار ہے اول تو اس کے حاصل کرنے میں وقت بہت لگتا ہے دوم عملی تجربہ کا موقع ملنا اور بھی دشوار ہے۔ سوم جو نوجوان اس پیشے میں شریک ہونا چاہے اُس کو کچھ روپیہ ملنا بھی ضروری ہے تاکہ اپنا کارخانہ کھولے یا کسی کارخانے کے حصے خرید کر اس میں شریک ہو جائے اور تجربہ کار حصہ داروں کے ساتھ کام کر کے خود بھی تجربہ حاصل کرے۔ ہندوستان میں زمیندار اور اعلیٰ پیشے والوں مثلاً وکیل، ڈاکٹر، انجنیر وغیرہ کے مقابل آجر کا رتبہ کم سمجھا جاتا ہے۔ اور گو کچھ روز سے آجروں کا رسوخ بڑھ رہا ہے۔ تاہم ابھی تک تعلیم یافتہ والدین شاذ و نادر اپنے لڑکوں کو اس کام میں لگانا پسند کرتے ہیں اکثر ان کو سرکاری ملازمت کی خواہش ہوتی ہے یا کسی ایسے پیشے کی جیسے کہ وکالت یا تعلیمات سے نتیجہ یہ ہے کہ شمالی ہندوستان سے بہت کم آجر نکلتے ہیں جو کہ اعلیٰ پیمانے پر پیدائش دولت کا انتظام کر سکیں۔ اس کام کو یا تو وہ لوگ سرانجام دیتے ہیں جنکے ہاں مدت سے یہ کام ہوتا چلا آتا ہے۔ یا دوسری قوموں کے لوگ مثلاً یوروپین یا پارسی۔ ان کو ان نقائص کی پروا نہیں جو کہ ہندوستانی اس پیشے سے وابستہ خیال کرتے ہیں مثلاً اعزاز کم ہونا یا لوگوں کی نظر میں سبکی ہونا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جبتک معاوضۂ تنظیم کی شرح بہت اعلیٰ نہ ہو بحالت موجودہ لوگ اس پیشے کی طرف متوجہ نہوں گے۔

آجروں کی طلب

جن ملکوں میں بالعموم عمل پیدائش بڑے پیمانے پر جاری ہے وہاں آجروں کی طلب باقاعدہ نظر آتی ہے اور قانون طلب کا اثر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن شمالی ہندوستان میں ابھی تک عمل پیدائش نے اس درجہ ترقی نہیں کی کہ ایسے لوگوں کی

کوئی بڑی جماعت باقاعدہ کام شروع کر سکے۔ ابھی بہت کم لوگ آجر کا کام انجام دینا جانتے ہیں اور تھوڑے ہی لوگوں کی گنجائش بھی نظر آتی ہے۔ لہذا اگر طالب علم معاوضۂ تعلیم کا مسئلہ سمجھنا چاہیں تو اول ان کو ترقی یافتہ ممالک کی حالت کا مطالعہ کرنا ضرور ہے جہاں بہت سے قابل اور کارگزار لوگ کاروبار چلانے کے خواہاں رہتے ہیں اور جہاں بہت سے لوگ اپنا اصل کسی کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو اس سے کام لے اور مالکوں کو بھی مناسب معاوضہ اور سود ادا کرے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ ہندوستان میں آجروں کا کاروبار پھیلنے کے واسطے کن شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔

آجروں کے کاروبار بڑھانے کی ایک سہل سبیل تو یہ ہے کہ ٹکنیکل یعنی صنعتی تعلیم کا اہتمام کیا جائے یہ سبیل ہے اس وجہ سے سہل کہی کہ سرکار یا چند روشن خیال لوگ مل کر اس کا اہتمام کر سکتے ہیں چنانچہ گذشتہ چند سال میں صنعتی تعلیم نے ترقی بھی کی ہے۔ صنعتی مدارس کا اہتمام دشوار سہی لیکن نہ اس قدر جتنا کہ دوسری باتوں کا بندوبست کرنا۔ مثلاً تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا رجحان اس طرف پھیرنا اور یہ بات ان کے دل نشین کرنی کہ ہندوستان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں دولت تو بہت کم پیدا ہوتی ہے اور آبادی بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی گزر مشکل سے ہوتی ہے اب اگر دولت کی پیداوار بڑھانی مقصود ہو تو اس کے واسطے انتظام پیدائش سب سے پہلی شرط ہے۔ یعنی کاروبار کا بطریق جدید انتظام کرنا مقدم ہے اور نیز یہ آجر کا پیشہ بھی اسی قدر معزز اور ضروری ہے جتنا کہ وکلا، ڈاکٹر یا انجنیر وغیرہ کا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو اندوختہ سے بطور اصل کام لینے کی ترغیب دی جائے بہت سی دولت بیکار پڑی ہوئی ہے اس سے کام لینا چاہیے اور جو کچھ پس انداز ہو وہ بھی کاروبار میں لگانا چاہیے نیز یہ کہ مزدوروں کی کارکردگی کو بھی ترقی دینی ضروری ہے۔ مزید یہاں سب طبقوں کے مزدوروں کو سمجھنا چاہئے کہ ان کے حق میں آمدنی کا سب سے بہتر مصرف کیا ہے۔ ان کو صنعتی مہارت کی طرف زیادہ متوجہ ہونا چاہیے اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی عمدہ اہتمام کرنا ضروری ہے لوگوں میں یہ رجحان تو کچھ کچھ پیدا ہو چلا ہے اور جوں جوں شوق

بڑھے گا تاجروں کی تعداد میں اضافہ ہو گا کاروبار کے لیے اصل بافراط ملنے لگے گا ملک میں جو عاملین پیدائش موجود ہیں وہ زیادہ عمدہ طور پر کام کرینگے اور ان ترقیوں کے بعد دولت کی پیداوار یقیناً بہت بڑھ جائے گی؛

فصل پینتالیس ۴۵

خلاصہ

قومی آمدنی

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عاملین پیدائش کی کارگزاریوں کا معاوضہ کیونکر قرار پاتا ہے۔ لیکن یہ بحث مکمل نہ سمجھنی چاہئے کیونکہ یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اس کتاب میں مسئلۂ تقسیم دولت کا ایک خاکہ پیش کرنا مقصود ہے۔ یہاں پر دقیق نکات کی بحث قبل از وقت ہوگی البتہ کچھ معاشیات پڑھنے کے بعد اس کے مطالعہ کا موقع آئے گا۔ بہر حال مسئلۂ تقسیم دولت کی مختصر اور سادہ بحث سے نتائج ذیل حاصل ہوئے ہیں:

تقسیم دولت کا خلاصہ

سود کی تو حالت یہ ہے کہ جب اصل کے بازار قائم ہو جاتے ہیں تو سود خالص کی بازاری شرح طلب ورسد کے اثر سے بعینہ اس طرح قرار پاتی ہے جیسے چیزوں کی بازاری قیمت اور سود کی بھی ایک ایسی معمولی شرح ہوتی ہے جیسی چیزوں کی قیمت کہ جس کی طرف بازاری قیمت ہمیشہ مائل ہوتی ہے یہ معمولی شرح بالکل مستقل نہیں ہوتی بلکہ ملک کی حالت بدلنے کے ساتھ خود بھی رفتہ رفتہ تبدیل ہو جاتی ہے معمولی شرح کی تبدیلی ایسے پیچیدہ طور پر عمل میں آتی ہے کہ مبتدی اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ کچھ معاشیات جاننے کے بعد البتہ اس کے مطالعہ کی نوبت آتی ہے۔ قرضدار جو سود ادا کرتا ہے تو اس میں سود خالص بازاری شرح کے مطابق سے اور معاوضات تنظیم

باب پنجم
فصل دوم

اور مطالبات خطر شامل ہوتے ہیں ان مطالبات کی مقدار حسب حال قرض گیر مختلف ہوتی ہے۔ پس سود خالص کی شرح اس آسانی سے نہیں معلوم ہوسکتی جیسی چیزوں کی قیمت۔ لیکن اس دقت کے باوجود اس کا پتا چلنا ضرور ہے۔ ہندوستان میں اصل کے بازار قائم کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ تاکہ ہر طبقے کے آجروں کو اصل مناسب شرائط پر دستیاب ہوسکے۔ اور جوں جوں بازار ترقی کریں گے معاشی مسئلہ سود ہندوستان کے حالات پر اسی قدر زیادہ صادق آئیگا؛

لگان کی شرح بھی طلب و رسد کے اثر سے مقرر ہوتی ہے اور زمینوں کی کمی بیشی کے لحاظ سے اس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ ہر ملک میں کبھی نہ کبھی یہ نوبت آنی ضرور ہے کہ زرخیز زمینوں کی طلب ان کی رسد سے بڑھ جائے۔ اور جہاں یہ نوبت آئی زمینداروں کی چڑھ بنی پیداوار میں سے مصارف کاشت منہا کرنیکے بعد جو کچھ بچتا ہے اس میں سے وہ سب لگان کی مد میں وصول کرلیتے ہیں۔ شمالی ہندوستان کے اکثر حصوں میں اسوقت یہی حالت نظر آتی ہے اور زمینداروں کی دست درازی کا نتیجہ یہ ہے کہ کاشتکار خستہ حال ہیں اور ان کے پاس اسقدر سرمایہ نہیں کہ کھیتی کی پرورش کریں اور زمینوں کو بھی زرخیز بنائے رکھیں پس قومی آمدنی کو محفوظ رکھنے کی خاطر سرکار زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مداخلت کرکے زمین کا لگان کم و بیش مقرر کردیتی ہے اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتی ہے کہ کاشتکار کو بھی پیداوار میں سے معقول حصہ ملے تاکہ وہ کھیتی باڑی میں دل لگا کر محنت کرے اور زراعت میں ترقی ہو؛

مزدوروں کی طلب اور رسد کا جو اثر اجرت پر پڑتا ہے ظاہر ہے محنت کی طلب عام چیزوں کی طلب کے مشابہ ہے۔ البتہ اس کی رسد میں طرح طرح کی دقتیں حائل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو محنت مزدور کی ذات سے جدا نہیں ہوسکتی دوسرے مزدور ایک جیتا جاگتا انسان ہے اس کی عادات، اس کے خیالات، اور اس کا مذاق اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ طلب و رسد کی معمولی تبدیلیوں کا اجرت کی بازاری شرح پر بازاری قیمت کی طرح کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ جزی تبدیلیوں کے اثر سے پتا چلتا ہے کہ بازاری شرح کا طلب و رسد سے

باب پنجم
فصل (۵،۴)

بھی تعلق ہے اجرت کا معیار مزدوروں کے معیار زندگی کے مطابق قرار پاتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ مزدوروں کو ان کے کام کی قیمت سے زیادہ اجرت ملتی رہے۔ اگر معمولی اجرت کی تبدیلیوں کا مزید مطالعہ مطلوب ہو تو ان اسباب پر نظر ڈالنی چاہئیے جن کا کارکردگی پر اثر پڑتا ہے اور وہ تعلق دریافت کرنا چاہئیے جو مزدور کے طرز معاشرت اور کام کی عمدگی یعنی کارکردگی کے درمیان قائم ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ اجروں کی حالت بھی تخصیص یافتہ پیشے والوں کی سی ہے جو اجرت پر کام کرتے ہیں مثلاً وکیل ڈاکٹر وغیرہ لیکن عمل پیدائش کا ابھی تک ہندوستان میں ایسا باقاعدہ انتظام نہیں ہوا کہ ہندوستانی حالات کی بنا پر معاوضۂ تنظیم کا کوئی مسئلہ قرار پا سکے۔

سود، لگان، اجرت اور معاوضۂ تنظیم کے متعلق جو نتائج اوپر بیان ہوئے وہ بھی مسئلۂ تقسیم کے ضروری جزو ہیں۔ لیکن اس قسم کی بحث میں یہ اندیشہ ہے کہ مختلف عاملین کے معاوضوں میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک کا باقیوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ نظر انداز ہو جاتا ہے۔ ہم کو یہ پتا نہیں چلتا کہ اگر مزدوروں کی کسی جماعت کی اجرت میں تبدیلی ہو تو دوسری جماعتوں کی اجرت پر اس کا کیا اثر پڑیگا یا سود یا لگان کی تبدیلی کا ان کے وصول کرنے والوں کے علاوہ بحیثیت مجموعی قوم پر کیا اثر پڑتا ہے۔ تقسیم دولت کے مسئلے کی بحث ختم کرنے سے قبل اس پر ایک تفصیلی نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔

قومی آمدنی

کل قوم گویا ایک جماعت ہے جو دولت پیدا کرنے میں لگی ہوئی ہے جو کچھ دولت پیدا ہوتی ہے وہ گویا قومی آمدنی ہے جس پر قوم کی گزر ہوتی ہے جس قدر بھی کام کرنے والے ہیں کھیت کے مزدوروں سے لیکر کارخانوں کے منیجروں تک سب اس آمدنی کے پیدا کرنے میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ سب کا اسی سے خرچ چلتا ہے مگر کل آمدنی صرف میں نہیں آتی۔ کچھ آمدنی تو اس اصل کے بحال کرنے میں کام آتی ہے جو عمل پیدائش میں صرف ہوگیا اور تمام ملکوں میں کچھ آمدنی ایسے لوگوں کی پرورش میں صرف ہوتی ہے جو خود کام کاج نہیں کر سکتے یا نہیں کرتے قوم کا تو اسی میں فائدہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل ہو۔ یہ بات اسی وقت

باب پنجم
فصل (الف)

ممکن ہے جبکہ ہر ایک عامل پیدائش سے پورا پورا کام لیا جائے۔ زمین اسطرح پر کاشت ہونی چاہئیے کہ زیادہ سے زیادہ مقدار پیدا ہو اور زرخیزی بھی بحال رہے۔ جو لوگ محنت کریں خواہ جسم سے خواہ دماغ سے ہر طرح سے ان کی کارکردگی اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئیے۔ اور اندوختوں کو اس طرح کام میں لانا چاہئیے کہ مزدوروں کو پوری پوری امداد ملے ان باتوں کی تکمیل میں تمام قوم کا تعلق ہے اور قومی آمدنی کا ایک حصہ وہ الگ کر دیتی ہے تاکہ قوم کی نمائندہ حکومت ان باتوں کا بندوبست کرے جس میں اشتراک عمل کی ضرورت ہو۔ یہ حصہ کبھی تو حکومت کو بشکل محصول ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً انکم ٹیکس ہے یا مالگذاری یا کبھی کوئی کاروبار سرکار کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جنگلات سرکاری ملک ہیں یا افیون کی تجارت اس کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ باقی معاملات افراد کے فیصلے پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگ خود سوچ سمجھکر بہت کم فیصلہ کرتے ہیں۔ اکثر رسم و رواج کے مطابق رائے قائم کر لیتے ہیں۔ خود رسم و رواج کم از کم ایک حد تک قوم کی خواہشات کا عکس ہوتے ہیں۔ ماحصل کلام یہ کہ افراد کا عمل تین طور پر قرار پا سکتا ہے۔ یا تو وہ قانون کے پابند ہوں یا رسم و رواج کے یا اپنی رائے اور فیصلہ کے۔ مثلاً گورنمنٹ نے یہ انتظام اپنے ذمے لے لیا ہے کہ ہر کسی کو اس کے ملک سے متمتع ہونے کا موقع دے۔ چنانچہ اسی غرض سے وہ چوروں اور دغابازوں کو سزا دیتی ہے، مال مسروقہ اسکے مالک کو واپس دلاتی ہے۔ لیکن ملک سے متمتع ہونے کا طریق بیشتر رسم و رواج پر منحصر ہے۔ اور ملک کے حاصل اور جدا کرنے میں افراد اپنی رائے اور مرضی سے کام لیتے ہیں:

قومی آمدنی کی مقدار

ہم نے فرض کر لیا کہ ایسی حکومت موجود ہے جو لوگوں کو اپنی اپنی رائے قائم کرنے کی آزادی دیتی ہے اور ان کو قومی دولت میں سے اپنا اپنا حصہ لیکر اس سے متمتع ہونے کا موقع بھی دیتی ہے۔ اس مفروضہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قومی دولت کی مقدار بیشتر افراد قوم کے چال چلن پر منحصر ہے۔ کیونکہ نہ صرف اس کا اثر ان کی عادتوں پر پڑتا ہے بلکہ رسم و رواج بھی اسی کے نتائج ہوتے ہیں۔ اگر کسی قوم کی زندگی زیادہ اور روز افزوں ہو تو اس کے افراد خود جفاکش، ذہین اور کفایت شعار ہونگے

باب پنجم فصل دوم

عمدہ کارکردگی کی پہلی شرط جفاکشی ہے۔ خواہ وہ جسمانی محنت میں ہو یا دماغی کام میں
عمل پیدائش کا عمدہ انتظام کرنے اور تبدیلیوں کا ساتھ دینے کے واسطے ذہانت درکار
ہے۔ کفایت شعاری سے مراد یہ ہے کہ آیندہ ضروریات کا اندازہ کرکے پہلے سے ان کا
اہتمام کرے۔ گویا کمائی اس طرح صرف کرنا کہ کارکردگی میں اضافہ ہو اور کوئی چیز ضائع
نہ کرنا۔ بطور راس المال کام لینے کی غرض سے دولت جمع کرنا اور ہر جدید نسل کو سابق نسل
سے بہتر تعلیم و تربیت دلانا، یہ سب باتیں کفایت شعاری میں داخل ہیں ؛

یہ قومی دولت کئی طریق سے تقسیم ہو سکتی ہے ہم نے کاروباری آزادی کے مفروضہ کے تحت
میں جیسا کہ چوتھی فصل میں بیان ہو چکا ہے تقسیم دولت کے اصول دریافت کئے ہیں معلوم
ہوا جب لوگوں کو کاروبار میں آزادی حاصل ہوتی ہے تو ہر طبقے اور ہر فرد کی آمدنی کارکردگی
کی مناسبت سے کم یا بیش ہوتی ہے۔ جس طبقے یا جس فرد کی کارکردگی بہت اعلیٰ ہو اسکی
آمدنی بھی زیادہ ہوگی لیکن طبقے اور افراد قوم کے جزو ٹھہرے ان کی آمدنی قوم کی
آمدنی پر منحصر ہے۔ پس جو ادنیٰ کارکردگی والے مزدور قومی آمدنی کی مقدار گھٹاتے ہیں
وہ نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے حصے میں بھی تخفیف کر دیتے ہیں اگر مزدوروں میں
کارکردگی ادنیٰ قسم کی ہو تو پیداوار بھی کم رہے گی۔ اس کا نقصان نہ صرف ان مزدوروں
کو اٹھانا پڑے گا بلکہ اس کمی میں وہ بھی شریک رہیں گے جن کی کارکردگی عمدہ ہے
یا جن کا اصل لگا ہوا ہے اور جن کی آمدنی ضرور زیادہ ہوتی اگر مزدور کام ٹھیک طور پر
کر سکتے۔ علیٰ ہذا اگر عمل پیدائش کا انتظام خراب ہو تو نہ صرف آجروں کی آمدنی کم رہے گی
بلکہ قومی آمدنی گھٹ جائیگی اور اصل داروں اور مزدوروں کو بھی حصہ کم ملے گا ؛

کاروباری آزادی

کاروباری آمدنی کے طریق میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کارکردگی کے معیار سے
لوگوں کو قومی آمدنی میں سے حصہ ملتا ہے گویا کارکردگی کو ترقی دینے کی ترغیب
اس طریق میں موجود ہے اگر سب افراد قوم اس ترغیب کو اچھی طرح پر محسوس کریں تو
وہ اپنی کارکردگی کو بدرجہا اعلیٰ ترقی دیکر قومی آمدنی کو بہت بڑھا سکتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے
کہ بعض لوگوں پر تو اس ترغیب کا جادو خوب چلتا ہے اور بعض پر مطلق اثر نہیں ہوتا کام
کرنے والوں میں بہت سے اعلیٰ کارکردگی کے لوگ نظر آتے ہیں اور بہت سوں کی
کارکردگی بہت ادنیٰ قسم کی ہے۔ پس کاروباری آزادی کا طریق اسی وقت کامیاب

باب پنجم فصل دوم

ہو سکتا ہے۔ جبکہ کارکردگی کے معیار کے مطابق معاوضہ ملنے سے لوگوں میں اپنی اپنی کارکردگی بڑھانے کا شوق اور ترغیب پیدا ہو۔

اس طریق میں خرابی یہ ہے کہ کچھ افراد کی کارکردگی ادنیٰ ہونے کی وجہ سے قومی آمدنی گھٹ جاتی ہے اور ادنیٰ کارکردگی والوں کی وجہ سے اعلیٰ کارکردگی والوں کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اس خرابی کی حدود بھی مختلف ہوتی ہیں اگر جماعت کثیر کی کارکردگی اعلیٰ درجے کی ہے تب تو ادنیٰ کارکردگی والوں کی وجہ سے کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچے گا۔ اور اگر اعلیٰ کارکردگی والوں کی تعداد قلیل ہو تو ادنیٰ کارکردگی والوں کی کثرت سے ان کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

اس طریق میں نہ تو یہ اطمینان ہے کہ قومی آمدنی بڑھتی رہے گی اور نہ یہ بھروسا کہ کارکردگی کے معیار کے مطابق معاوضہ ملنے سے لوگوں کو کارکردگی بڑھانے کا شوق پیدا ہوگا۔ لوگ ان خرابیوں پر نظر کر کے اکثر یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ قوم بحیثیت مجموعی حکومت کی وساطت سے پیدائش صرف اور تقسیم دولت یا ان تینوں کاموں کا ایسا انتظام کرے کہ آمدنی بھی بڑھتی رہے اور لوگوں کو کارکردگی بڑھانے کا بھی شوق ہو اس قسم کی تجاویز کو اصطلاحاً سوشیلزم یا اشتراک سے تعبیر کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم کو اس مسئلہ کا بھی مطالعہ کرنا ہوگا۔ ان تجاویز کی تائید میں بہت سی دلائل پیش کی جاتی ہیں۔ جن میں سے بعض دائرہ معاشیات سے خارج ہیں۔ معاشی نقطۂ نظر سے تو دو باتیں قابل تحقیق ہیں۔ وہ یہ کہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے آیا قومی دولت میں اضافہ ہوگا اور آیا لوگوں کی کارکردگی میں ترقی ہوگی۔

ہندوستان میں کاروباری آزادی کے عام طریق سے ایک موقع پر تو انحراف ہو چکا ہے وہ یہ کہ اضلاع فلاں میں کچھ قانونی بندشیں لگا دی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ کاشتکار کھیتی باڑی میں دل لگا کر محنت کرے۔ گویا کاشتکار کی کارکردگی میں ترقی ہو۔ بعض دیگر معاملات میں بھی سرکار نے مداخلت کی ہے۔ مثلاً فیکٹری ایکٹ یا قانون کارخانجات کی رو سے کارخانوں میں کام کرنے کے اوقات معین ہیں اور عورتوں اور بچوں سے کام لینے کے شرائط مقرر ہیں۔ غالباً آئندہ مدبرین اور معاشیین کی بیشتر تجاویز طریق آزادی میں دخل دینے کے متعلق ہوں گی۔ چند وجوہات کی بنا پر ایسی تجاویز کی تائید بھی ہوگی اور مخالفت بھی لیکن معاشی نتائج خاص

طور پر قابل لحاظ ہوں گے۔ اور معاشیات کے مطالعے میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جن تجاویز کا اثر قوم کے روزمرہ کے کاروبار پر پڑے ان کا معاشی پہلو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں؛

باب پنجم
فصل [illegible]

تمت

مقدمہ معاشیات

ضمیمہ الف

انگریزی اور اردو مرادف اصطلاحات کی فہرست

A

Apprentice System — طریق کارآموزی

Assumptions — مفروضات

B

Bank — بنک

C

Capital — اصل سرمایہ

Capitalist — اصل دار سرمایہ دار

Circulating capital — اصل دائر

Consumption of Wealth — صرف دولت

Co-operation — امداد باہمی

Co-operative Credit Society — انجمن قرضہ امداد باہمی

D

Demand — طلب

Demand Schedule — جدول طلب

Depreciation Charges — [illegible]

Distribution of Wealth — تقسیم دولت

District board — مجلس ضلع

Disutility — اعدام افادہ

Division of Labour — تقسیم عمل

E

Earnings of Management — اجرت تنظیم

Economics (Modern Sense) — علم المعیشت یا معاشیات

Efficiency — کارکردگی۔ کارگزاری

Employer — آجر

Equilibrium — توازن

Equilibrium price — قیمت متوازنہ

Ethics — اخلاقیات

Exchange of Wealth — مبادلۂ دولت

Expenses — مصارف

F

Fixed Capital — اصل قائم

G

Moral Sciences (dealing with man in Society) — علوم عمرانی

N

Necessaries — ضروریات

Net Interest — سود خالص

Nominal wages — اجرت متعارفہ

P

Political Economy (old sense) — اقتصادیات یا

Politics — سیاسیات

Price — قیمت

Produce or Product — پیداوار

Production of Wealth — پیدائش دولت

Productive — پیدا آور

Productivity — پیدا آوری

R

Real Wages — اجرت حقیقی

Rent — لگان

S

Skill — مہارت

Specialization — تخصیص

Specialized — تخصیص طلب یا تخصیص یافتہ

Standard of Life — معیار زندگی

Statistics — علم اعداد

Strike — اسٹرائک یا ہڑتال

Gross Interest — سود خام

H

Hydraulics — علم حرکت الماء یا قوت مائیات

I

Interest — سود

J

Joint Stock Company — کارخانہ یا کاروبار سرمایہ مشترک

L

Labour — محنت

Labourer — مزدور

Land — زمین

Law of Diminishing Return — قانون تقلیل حاصل

Limited Company — محدود کمپنی

Local board — مقامی مجلس

Localisation of Industries — تحییز صنائع

Luxuries — تعیشات سیئات

M

Margin of Cultivation — اختتام کاشت

Marginal Cultivation — کاشت مختتم

Market — بازار

Mobility — نقل پذیری

Money — زر

English	Urdu
Supply	رسد
T	
Tax	ٹکس یا محصول
Trades Union	انجمن اتحاد مزدوراں
U	
Utility	افادہ
V	
Value	قدر
W	
Wages	اُجرت
Wants	احتیاجات
Water Works	ذرائع آبرسانی
Wealth	دولت

ضمیمۂ ب

حوالۂ مباحث بلحاظ صفحہ



تمت

صحت نامہ مقدمہ معاشیات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۳	۱۹	مخرن	مخزن
۴	۲۴	مزدوبدل کو نظر انداز	مدعیل کو نظر انداز
۱۴	۱	نتج	نتیج
۲۵	۱۲	تھان کی	تھان لی
۲۷	۱۴	مزد ور رکھکر	مزدور رکھکر
۹۰	۱۴	انگریز	رنگریز
۹۳	۲۳	فروخت ہوا	فروخت ہو
۹۶	۱۴	توبار فون	نوربا فون
۹۹	۱۷	چلنی والی	چلنےوالی
۱۰۴	۱۲	انداد	اندازہ
۱۰۵	۲۴	گمشتی برھی	گمشتی بڑھی
۲۳۲	۲۵	اصل بہ بقدر	اصل بقدر
[illegible]	۲۴	ایک توتو	ایک تو
۲۲۰	۲	پیشتر	بیشتہ
[illegible]	۱۹ و حاشیہ	-	انجمن ہائے قرضہ امداد باہمی
[illegible]	۴	پاتے	پاتی
[illegible]	۹	خستہ	خستہ حالی
۲۲۴	۷	ٹھکانہ	ٹھکانا

صحت نامہ ضمیمہ (الف) مقدمہ معاشیات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
[illegible]	۸	Companv	Company
[illegible]	۹	Eoonomv	Economy